سکہ اور شرح تبادلہ

جس میں

سکہ اور شرح تبادلہ کی تاریخ۔ موجودہ کساد بازاری پر اس کا اثر ہندوستان کی

موجودہ اقتصادی مشکلات اور اس کا علاج واضح طور پر بیان کیا گیا ہے

مرتبہ

مولوی سید محمد احمد کاظمی بی ایس سی ایل ایل بی (علیگ)

ایڈووکیٹ سہارنپور

مطبوعہ

نظامی پریس بدایوں

محمد احمد الدین پرنٹر و پبلشر

۱۹۳۲ء

بار اول

فہرست مضامین کتاب ہذا

نقشہ درستی اغلاط کتاب ہذا

(براہ کرم مطالعہ سے پہلے غلطیاں درست کر لیجیے)

صفحہ	سطر	موجودہ الفاظ	صحیح الفاظ
۱	۱۹	۲۸۰ گرین	۱۸۰ گرین
۱	آخر	۱۳⅓ کا ہوتا ہے	۱۳⅓ روپیہ کا ہوتا ہے
۵	۲	۱۶۰ گرین چاندی	۱۶۵ گرین چاندی
۶	۱۶	انجمن تجاریہ کلکتہ	انجمن تجار کلکتہ
۸	۹	دور دوم	دور سوم
۱۲	نوٹ سطر ۱	ہندوستان کے مطالبات جو بذمہ انگلستان	انگلستان کے مطالبات جو بذمہ ہندوستان
۱۰	„ سطر ۲	جا بنا روپیہ ہندوستان بھیجنا چاہتے ہیں	(کل قلمزد کر دیجیے)
۱۴	۲۴	سونے کے سکہ	چاندی کے سکہ
۱۹	۲۰	۱۰۰۰۰ تولہ	۱۰۰۰ تولہ
۲۰	۱۲	۲۹ کروڑ ۱۲ لاکھ	۶۹ کروڑ ۱۲ لاکھ
۲۴	۲۲	ہملٹن ٹیگ	ہلٹن ٹیگ
۲۶	نوٹ سطر ۲	لیکن اوقات	لیکن بعض اوقات
۲۶	۱۸	مشکل ہو جائے گا	مشکل ہو جائے گا خلاصہ یہ ہے کہ
۳۳	۲	$15\frac{19}{32}$	$15\frac{29}{32}$
„	۶	$16\frac{15}{32}$	$16\frac{5}{32}$
۳۴	۷	یہ ہنڈیوں کا اجالتی اگست	یہ الٹی ہنڈیوں کا نیلام اگست
۳۷	۸	وجہ سے عارضی"	وجہ سے عارضی طور پر"
۳۹	۱۵	وزیر ہند معرفت	وزیر ہند کی معرفت
۴۶	۴	کے معیار کو تبادلہ کے بجائے	کے معیار کو بجائے
۴۸	۱۳	کرنسی نوٹ پر عملدرآمد	کرنسی کمیشن کی رپورٹ پر عملدرآمد
۵۱	۹	پینبرل ایل	منرل ایل
۵۱	۱۱	۳۰ فیصدی	۳۰ فی صدی جس میں کاغذ لکڑی کا گودا، نمک اور ٹین کے ڈبوں میں جو کھانا وغیرہ آتا ہے شامل ہیں۔
۵۱	۱۲	۱۰۰ فیصدی جس میں شامل ہیں۔	۱۰۰ فیصدی (باقی ماندہ قلمزد کر دیجیے)
۵۱	۱۹	پنرل ایل	منرل ایل
۵۴	۸	ان کی بھی گھٹی ہیں	ان کی نہیں گھٹی ہیں
۵۶	۸	ہندوستان کی تجارت اور صنعت پر شرح تبادلہ	ہندوستان کی تجارت اور صنعت پر شرح تبادلہ کا اثر
۶۰	۱۰	شرح تبادلہ ۱ پنس سے	شرح تبادلہ ۲ پنس سے
۶۶	۱۰ سطر آخر	مارچ ۱۹۲۶ء میں	مارچ ۱۹۲۰ء میں
۶۶	„ ۲۰	اپریل ۱۹۲۶ء	اپریل ۱۹۲۰ء
۶۰	۲۰	لیکن اس	المختصر اس
۶۳	نوٹ سطر ۲	بیل پیل	ریل پیل

صفحہ	سطر	موجودہ الفاظ	صحیح الفاظ	صفحہ	سطر	موجودہ الفاظ	صحیح الفاظ
۶۵	۱۲	ہملٹن ینگ	ہلٹن ینگ	۱۵۹	۹	پہنچا پڑا ہو	پہنچا پڑا ہو
"	۱۵	محمد علی جینا	محمد علی جناح				
۷۶	۱۴	کہ تحفظ برآمد	کہ نقطہ بر آمد	۱۶۴	۵	بے بنیاد نکلا	بے بنیاد نہ نکلا
۷۷	۵ آخری	ہملٹن ینگ	ہلٹن ینگ	۱۶۷	۷	فسوخ کرکے ویسے جمع کرنے کی	فسوخ کرکے جمع ہونے کی
۸۲	۲۵	کچھ نہ ہو	کچھ نہ ہو	۱۶۷	۲۲	یہ سبق نہ بنا	یہ سبق نہ بنا
۸۲	۱۵	سونے کے بڑھجانے	سونے کی قیمت بڑھ جانے	۱۶۸	۱۵	نیز بنک انگلینڈ	نیز بنک آف انگلینڈ
۸۴	۸	کہ بڑی ہوئی	کہ بڑھی ہوئی	۱۶۹	۱	روزمرہ ایک	روزمرہ ہر ایک
۹۱	۲۴	(مٹا ہوا حصہ)	دوسرے معاہدوں کی بابت لکھتے ہیں کہ گزشتہ ۸ سال ہیں	۱۷۱	۱	آگے چل کے	آگے چل کر
				۱۷۱	۲۰	وہ عوام مزدوری	~~وہ عوام مزدوری~~
۹۱	۲۵	تنزل کی وجہ سے	تنزل رہنے کی وجہ سے	۱۷۲	۲۱	بقدر ۸ کروڑ پونڈ	بقدر ۸ کروڑ پونڈ
۹۲	۶	کم وقت	کم وقت	۱۷۳	۱۳	لارڈ لنشٹ	لارڈ ولنشٹ
۱۱۳	۱۰	باوجود ہم اپنس کے	باوجود ہم پنس کے	۱۷۴	۲۳	کہ مالیت	کہ مالیات
۱۲۴	۳	یہ جو مشہو تھا	یہ جو مشہور تھا	۱۷۹	۱۵	بنگ	بنک
۱۲۵	۶	رہیں	ہیں	۱۸۱	۱۳	ہوتی تو اس قدر	ہوتی تو اگر اس قدر
۱۲۶	۱۰	تحریک التوا اور	تحریک التوابھی	۱۸۹	۱۷	کرناٹل	کرناٹل
۱۲۶	۲۲	سرکاری نیچوں	سرکاری نیچوں	۱۹۲	۸	گورنمنٹ ہند کے	گورنمنٹ ہند سے
۱۲۸	۱۸	کیوں نہ پیلا یا جانے	کیوں نہ قائم رکھا جائے	۱۹۴	۱۰	سوم یہ کہ گرتی	سوم یہ کہ گرتی
۱۳۷	۲۵	تنخواہوں کے بارہ ہیں	تنخواہوں کے بارہ میں اضافہ	۲۰۰	۲۰	سال وسال	سال وسال
۱۳۸	۱۷	ہلٹن ینگ	ہلٹن ینگ	۲۰۳	۲۲	فرانس بھی اکثر	فرانس بھی اگر
۱۳۹	۱	عادہ	علاوہ	۲۰۵	۲۳	پنسوں ہی ہیں	پانسوں ہی ہیں
۱۳۹	۲۴	۱۵ کروڑ	۵ کروڑ	۲۱۳	۱۷	برآمد شدہ مال ہوتا ہے	برآمد شدہ مال پر ہوتا ہے
۱۴۳	۱۳	اگر سرپرسٹو کم داس	اگرچہ سرپرشوتم داس				
۱۴۸	۱۳	بے نتیجہ تسلی	بے نتیجہ تسلی				
۱۴۸	۱۰	جبکی وجہ طے شدہ	جسکی وجہ سے طے شدہ				

سکّہ اور شرح تبادلہ

(مولوی محمد احمد صاحب کاظمی بی۔ ایس۔ سی۔ ایل ایل بی (علیگ) ایڈوکیٹ سہارنپور
کے قلم سے

آج کل ہندوستان میں سکہ اور شرح تبادلہ کا مسئلہ ہر شخص ۔۔۔ خصوصاً ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کے بعد تو اس مسئلہ نے اس وجہ سے بھی خاص اہمیت حاصل کر لی ہے کہ اس تاریخ سے انگلستان نے یہ اعلان ۔۔۔ اپنے یہاں کے اسٹرلنگ (نوٹ) کے تبادلہ میں ساورن (سونے کا سکہ) نہ دیں گے۔

انگلستان میں عرصہ سے سونے کی کمی تھی اور کئی مہینے سے حکومت کو اندیشہ تھا کہ کہیں کمی آمدنی اور زیادتی خرچ کی وجہ سے دوسرے ممالک میں اُن کی ساکھ نہ جاتی رہے اور وہ ممالک اپنے قرضوں کی ادائیگی کا مطالبہ نہ کرنے لگیں۔ اسی اندیشہ کی بنا پر اور انگلستان کی آبرو اور عزت بچانے اور حکومت کو اس مصیبت سے نکالنے کی غرض سے موجودہ وزیر اعظم نے تمام دوسری پارٹیوں کے لیڈروں سے مل کر ایک متحدہ یعنی قومی گورنمنٹ قائم کی اور مصارف میں انتہائی تخفیف کو پیش نظر رکھا جس کی وجہ سے خود وزیر اعظم کی لیبر پارٹی اُن سے بگڑ گئی مگر انھوں نے اس کی کچھ پروا نہ کی تاہم دیگر ممالک کے لوگ برابر اپنا روپیہ انگلستان سے واپس لیتے رہے اور وہاں کا سونے کا خزانہ روز بروز گھٹتا رہا تو مجبور ہو کر وزیر اعظم نے ۲۱ ستمبر کو اعلان کر دیا کہ مطالبات کی ادائیگی میں سونا نہیں دیا جائے گا۔

سیاسی اور تجارتی تعلقات کے اعتبار سے چونکہ ہندوستان کا بہت کچھ دارومدار انگلستان پر ہے اس اعلان کا بہت کچھ اثر ہندوستان کے کاروبار نیز گورنمنٹ پر بھی پڑا اور مزید اثر اندازی کی وجہ یہ ہوئی کہ ہندوستان میں سکہ رائج الوقت انگلستان کے سکہ رائجہ سے مختلف ہے اور ایک سکہ کو دوسرے سکہ سے بدلنے کی ذمہ داری جس کی تجارت اور ایک ملک سے دوسرے ملک کے لین دین میں ضرورت ہوتی ہے گورنمنٹ نے لے رکھی ہے۔ ہندوستان میں سکہ رائج الوقت چاندی کا روپیہ ہے جس کا وزن ۱۸۰ گرین ہوتا ہے اور انگلستان کا سکہ رائجہ ۲۱ ستمبر سے قبل ساورن تھا جو سونے کا ہوتا ہے جس کا وزن ۱۲۰ گرین ہوتا ہے۔ ساورن کے ۲۰ شلنگ اور ایک شلنگ کے بارہ پنس خردہ میں ملتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص ساورن کے پنس لینا چاہے تو ۲۴۰ پنس ملیں گے۔

ہندوستان اور انگلستان کی تجارتی آسانی کی غرض سے گورنمنٹ نے بذریعہ قانون ۱۹۲۷ء شرح تبادلہ یہ مقرر کر دی ہے کہ ایک روپیہ ۱۸ پنس کی برابر سمجھا جاتا ہے جس کے حساب سے ایک ساورن ۱۳ 1/3 کا ہوتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ظاہرہ ہے کہ روپے میں چاندی سولہ آنے کی نہیں ہے۔ بلکہ ۲۱ ستمبر سے قبل چاندی کا نرخ ۴۰ روپے فی سو تولہ تھا تو روپیہ میں چاندی ۶ ؍ سے زیادہ نہ تھی اس کے برخلاف سونے کا نرخ ۲۱ فی تولہ تھا (اور گورنمنٹ اس نرخ پر سونا فروخت کرنے کی ذمہ دار تھی) یعنی ساورن تخمیناً ۱۵ کا تھا۔ لیکن روپیہ میں واقعی وزن کی جس قدر چاندی ہوتی ہے اُس کے اعتبار سے ایک ساورن ۱۵ بھر چاندی کی برابر تھا۔ یعنی روپیہ کی چاندی کی واقعی قیمت سات پنس کے قریب ہوتی تھی مگر گورنمنٹ نے روپے کی قانونی قیمت اٹھارہ پنس مقرر کر رکھی تھی۔

مگر ۲۱ ستمبر کے اعلان کے بعد حالات بدل گئے گورنمنٹ برطانیہ نے اسٹرلنگ یعنی (کاغذ کے نوٹ) کے بدلہ میں ساورن دینا بند کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان کے بازاروں میں سوائے نوٹ کے سونے کا سکہ رہا ہی نہیں۔ اور ساتھ کے ساتھ وزیر ہند نے بھی اعلان کر دیا کہ اب گورنمنٹ روپے کے تبادلہ میں ۱۸ پنس کا سونا نہیں بلکہ نوٹ دیا کرے گی۔

قاعدہ یہ ہے کہ جب نوٹ کے عوض چاندی یا سونے کے سکے ملنے میں دقت ہوتی ہے اور سکہ نایاب ہو جاتا ہے یعنی بازار میں روپیہ نہیں رہتا تو نوٹ پر بٹہ لگنے لگتا ہے اور نوٹ کی اصلی قیمت سے کم سکہ جاتی ہے۔ جیسا کہ ۱۹۱۸ء میں ہو چکا ہے کہ ہندوستان میں نوٹ کا روپیہ بٹہ سے ملنے لگا تھا اسی طرح آج کل انگلستان میں اسٹرلنگ بٹہ سے چل رہا ہے پس ہندوستانیوں کا خیال یہ ہے کہ اسٹرلنگ پر بٹہ روز بروز بڑھ رہا ہے یعنی اُس کی قیمت گر رہی ہے اور آئندہ اور زیادہ گرنے کا اندیشہ ہے تو لامحالہ روپیہ کی قیمت بھی اسٹرلنگ کے ساتھ ساتھ گر جاوے گی کیونکہ اب روپیہ کی قیمت کا توازن تبادلہ اسٹرلنگ ہی سے وابستہ ہے۔ اور اس وجہ سے ہندوستان کو سخت نقصان پہونچے گا۔

ہندوستانیوں کی رائے میں اس وقت مناسب یہ تھا کہ گورنمنٹ روپیہ کی شرح تبادلہ کچھ مقرر نہ کرتی بلکہ بازار بھاؤ جو بھی روپیہ کی شرح تبادلہ ہو جاتی اُسی کو رہنے دیتی۔ آج کل ہر کہ و مہ کا موضوع بحث یہی مسئلہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ شرح تبادلہ میں جو کچھ پیچیدگیاں ہیں وہ صرف دو وجہ سے ہیں۔

اوّل یہ کہ ہندوستان میں تو سکہ رائج الوقت روپیہ ہے جو چاندی کا ہے اور دوسرے ممالک مغربی میں جن سے ہندوستان کا لین دین ہے سکہ کا چلن ساورن کا ہے جو سونے کا ہے۔

دوسرے ہندوستان میں روپیہ کی فرضی قیمت جو بذریعہ قانون مقرر کی گئی ہے وہ اس چاندی کی قیمت سے جو روپیہ میں ہے زیادہ ہے اس فرضی قیمت کے تعین کا مسئلہ ہمیشہ سے زیر بحث چلا آتا ہے چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ء میں جب روپے کی قیمت ۱۸ پنس مقرر کی گئی تو بڑی شد و مد سے اس پر بحث مباحثہ رہا۔ ہندوستانی اس پر مصر تھے کہ روپیہ کی قیمت ۱۶ پنس مقرر کی جاوے لیکن گورنمنٹ نے نہ مانا اور ۱۸ پنس ہی مقرر کر دی۔

اس سلسلہ میں اصل مسئلہ زیر بحث یہ ہی کہ آیا ہندوستان کے لیئے کم شرح تبادلہ مفید ہی یا زیادہ۔ جس کے سمجھنے کے لیئے مختصراً سکہ کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کی ضرورت ہی۔ نیز یہ بھی دیکھنا ہی کہ ہندوستان میں روپیہ کی ایسی فرضی قیمت کیوں۔ کب۔ اور کس طرح مقرر کی گئی۔

ترویج سکّہ

تمام عالم میں زمانہ قدیم سے تمام اشیا کی خرید و فروخت غلہ اور اجناس کے تبادلہ سے کی جاتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ جس قدر دھاتوں کا علم اور چلن ہوتا گیا غلہ کی جگہ دھاتیں لیتی گئیں کیونکہ اُن کے رکھنے میں جگہ کی کفایت اور لانے لیجانے کی آسانی کے سوا اُن کے خراب ہونے گلنے اور سڑنے کا خدشہ اور امکان نہ تھا۔

اول اول تانبہ اُس کے بعد چاندی پھر سونا اس کام میں آنے لگا اور سونا بمقابلہ دوسری دھاتوں کے بہترین ثابت ہوا کیونکہ یہ آب وہوا کے اثر سے کسی طرح خراب نہیں ہوتا اور زیادہ قیمتی ہونے کی وجہ سے نہایت کم جگہ میں بہت سی قیمت کو سمو لیتا ہی۔ چنانچہ کسی چیز کے تبادلہ میں اگر بالفرض ۱۱۰ سیر غلہ ملتا ہی تو چاندی صرف پندرہ تولے ملے گی لیکن سونا ماشہ بھر آوے گا جس کی وجہ سے عموماً سونے کا سکہ بہترین چیز سمجھا جاتا ہی۔

اگر خرید و فروخت دھات کے ٹکڑوں سے کی جاوے جو مسکوک نہ ہوں تو لینے دینے والوں کو ہر وقت اُس کے کھرے کھوٹے کی جانچ کی زحمت اور معاملہ میں طوالت اور دیر ہو گی جس سے بچنے کے لیئے یہ رواج ہو گیا کہ ہر سلطنت اور حکومت کی طرف سے دھات کے ٹکڑے مسکوک کیئے جاویں تاکہ دھات کی نوعیت اور وزن کا اطمینان عام ہو جاوے۔

فی زمانہ سونے کی اشرفی چاندی کا روپیہ نکل کی اکنیاں دونیاں اور چونیاں بنتی ہیں۔ دونی، چونی اور اٹھنی چاندی کی بھی بنتی ہی لیکن تانبہ کے صرف پیسے دھیلے اور پائیاں بنتی ہیں۔

اشرفی اور روپے کا چلن تو ہندوستان میں صدیوں سے تھا تانبے کے پیسے بھی چلتے تھے مگر وہ اس طرح کے مسکوک نہ ہوتے تھے جیسے کہ اب ہیں۔ کوڑیاں بھی چلتی تھیں ایک زمانہ میں بجائے تانبہ کے کانسہ کا پیسہ چلتا تھا اکنی۔ دونی، چونی اور اٹھنی کا چلن نہ تھا۔

سکہ کے چلن سے تجارت کو فروغ ہوا کیونکہ معاملہ میں جنس کی دوطرفہ جانچ پڑتال دیکھ بھال اور تول جوکھ کی زحمت سے فریقین بچ گئے۔

جب کہ کا چلن ہوا تو سکہ کی قیمت مفروضہ نہ ہوتی تھی بلکہ سکہ میں جو دھات کا وزن ہو اور اُس دھات کا جو بازاری نرخ ہو اُسی قیمت میں اُس دھات کا سکہ پڑتا تھا۔ اس لیئے تانبہ کا نرخ گھٹنے اور بڑھنے پر روپے کے کبھی چونسٹھ پیسے ملتے اور کبھی چھیاسٹھ اور کبھی اٹھتر پیسے ملتے تھے اس کی بیشی سے بچنے کے لیئے حکومتوں نے بتقرار دیدیا

کہ تانبہ کی قیمت بازار میں خواہ کچھ ہی ہو لیکن پیسہ مثلاً ۱/۶۴ حصہ روپیہ کا سمجھا جاوے گا۔ اس طرح بڑے سکہ یعنی روپیہ کی قیمت تو چاندی کے نرخ بازاری کے موافق ہی رہی اور اصلی سکہ چاندی اور سونے کا ہی رہا لیکن چھوٹے سکے اس کے اجزا مقرر کر دیئے گئے۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی زمانہ قدیم سے تانبہ۔ چاندی اور سونے کے سکوں کا چلن ہے۔

چاندی اور سونا دونوں قیمتی دھاتیں ہیں جن کی قیمتوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اس لیئے بعض ممالک میں تو سکہ ایک ہی دھات کا ہے اور بعض ممالک میں دونوں دھاتوں کے سکے چلتے ہیں۔ جن ممالک میں دونوں دھاتوں کے سکے چلتے ہیں وہاں دونوں سکوں کی قیمت متناسب قایم کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے چنانچہ اُنیسویں صدی عیسوی میں بعض ممالک میں اس کے متعلق بہت کشمکش رہی اور ہندوستان میں بھی بہت اہم تبدیلیاں ہوئیں جو مختصراً بیان کی جاتی ہیں:-

ہندوستان کے سکے

مسٹر فنڈلے شیراس نے جو ۱۹۱۹ء میں گورنمنٹ ہند کے ڈائرکٹر آف اسٹے ٹس ٹکس (اعداد و شمار) اپنی کتاب (انڈین فنانس اینڈ بنکنگ) میں لکھا ہے کہ "مسٹر پرنسپ کا بیان ہے کہ ہندوؤں کا قدیم سکہ سونے کا تھا جس کا وزن ۶۰ گرین اور ۱۲۰ گرین ہوتا تھا... اور چونکہ مسلمان بادشاہوں کا جنوبی ہند میں کامل تسلط نہیں ہوا اس لیئے وہاں مغلوں کے سکے روپی اور اشرفی کبھی عام طور پر رائج نہیں ہوئے" (صفحہ ۹۷)

مسلمانوں کا تسلط ہونے کے بعد شمالی ہند میں چاندی کا درہم اور سونے کا دینار رائج ہو گیا۔ لیکن شیر شاہ کے عہد میں بجائے درہم و دینار کے روپیہ اور اشرفی چلنے لگے جو عہد مغلیہ میں بھی چلتے رہے۔

عہد مغلیہ میں اگرہ۔ احمد آباد۔ کابل۔ اور بنگال میں اشرفی مسکوک ہوتی تھی اور روپیہ بنانے کی ٹکسالیں ان مقامات کے علاوہ الہ آباد۔ سورت۔ دہلی۔ پٹنہ۔ لاہور۔ ملتان ٹھٹھہ اور کشمیر وغیرہ میں تھیں اسی طرح پیسے ان مقامات کے سوا ۲۸ شہروں میں اور بنائے جاتے تھے تاہم اس زمانہ میں اشرفی کا چلن عام تھا جس کی قیمت بندرہ روپے تولہ کے حساب سے اسی قدر ہوتی تھی جتنا اشرفی میں سونا ہو اسی طرح روپیہ کی قیمت اتنی ہی ہوتی تھی جتنی اس میں چاندی ہو اور جو چاندی کا بازاری نرخ ہو اس لیئے دوسرے ممالک کے ساتھ تجارت کرنے اور لین دین میں کچھ دقت نہ ہوتی تھی خواہ روپیہ لیا دیا جاوے یا اشرفی۔

تاریخ سکہ ہند میں اونیسویں صدی کا دور اوّل

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مدت مدید سے روپے اور اشرفی کا وزن مختلف تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اقتدار پانے کے بعد یہ کوشش کی کہ اپنے زیر اقتدار حصہ ملک میں ایک ہی قسم کے سکہ کا رواج دے اور

کورٹ آف ڈائرکٹرز نے گورنر مدراس کو سنہ ۱۸۰۶ء میں ایک مراسلہ بھیجا کہ "سکہ رائج الوقت ۱۸۰ گرین چاندی کا ہونا چاہیئے جس میں ۱۶۵ گرین چاندی اور ۱۵ گرین کھوٹ ہو" اسی مراسلہ میں تحریر تھا کہ "اگرچہ ہم کو کلی اطمینان ہے کہ روپیہ ہی قیمت کا اصلی معیار ہونا چاہیئے اور حسابات میں بھی وہی درج ہونا چاہیئے تاہم ہم اشرفی کے چلن کے خلاف نہیں ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ اشرفی اس قسم کی چلائی جاوے جو قابل رواج ہو۔ ہماری رائے میں اس کا نام سونے کا روپیہ ہونا چاہیئے جو چاندی کے روپے کے ہم وزن ہو اور اس کے نصفی اور چوتھائی وزن کے حصے بھی مسکوک کیئے جاویں" (کتاب مسٹر فنڈ کے شیراس صفحہ ۹۶) مدراس میں ڈائرکٹروں کی اس ہدایت پر سنہ ۱۸۱۸ء سے عمل درآمد شروع ہوا اور وہاں زمانہ قدیم سے جو سونے کا سکہ چلتا تھا جسے پگوڈا کہتے تھے اور جس کی قیمت پہلے تھی بند کر دیا گیا۔ اسی طرح سنہ ۱۸۲۹ء میں بمبئی میں بھی ۱۸۰ گرین چاندی کا روپیہ اور اسی وزن کی اشرفی چلائی گئی اگرچہ ڈائرکٹروں نے رپورٹ میں صاف صاف لکھدیا تھا کہ وہ اشرفی کے چلن کے خلاف نہیں ہیں لیکن وہ چاندی کے سکہ کو ترجیح دینا چاہتے تھے اس لیئے ان کے ملازموں نے رفتہ رفتہ لوگوں کا رجحان روپے ہی کی طرف بڑھانے کی کوشش کی یہاں تک کہ سنہ ۱۸۳۵ء میں ایک قانون پاس کیا گیا جس کی رو سے روپیہ تو تمام ہندوستان زیر اقتدار کمپنی میں سکہ رائج الوقت کے طور پر عموماً رائج کر دیا گیا لیکن باوجود اس کے کہ روپے کے ہموزن اشرفی پندرہ روپے کی اور ایک اشرفی تیس روپیہ کی اور ایک اشرفی دس روپے کی اور ایک پانچ روپے کی بنانے اور چلانے کی ہدایت کی تھی لیکن یہ بھی لکھا تھا کہ یہ اشرفیاں سکہ رائج الوقت (لیگل ٹنڈر) نہ قرار دی جاویگی یعنی اگر کوئی شخص اپنے مطالبہ کی ادائیگی میں کسی شخص یا گورنمنٹ کو اشرفی دے تو لینے والے شخص یا گورنمنٹ کو مجبوری اور لازمی نہیں کہ وہ اسے لے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اگرچہ اس سکہ کی بنانے والی خود گورنمنٹ ہی ہے مگر اس کو سکہ رائج الوقت تسلیم نہیں کرتی۔

اس قانون کے نتائج بابت دور دوم کے ضمن میں بیان کیئے جاویں گے لیکن اس قانون کے نفاذ سے ہند کی تاریخ سکہ میں انیسویں صدی کا دور اوّل ختم ہو جاتا ہے اور یہی وہ دور ہے جس میں ہندوستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ سونے کے سکہ کا لین دین قانوناً بند کر دیا گیا۔

تاریخ سکہ ہند کا اُنیسویں صدی میں دَورِ دُوم

سنہ ۱۸۳۵ء میں اشرفی کو لیگل ٹنڈر یعنی سکہ رائج الوقت کی فہرست سے خارج کر دینے کی وجہ سے کاروبار میں دقتیں پیش آنے لگیں جن سے مجبور ہو کر سنہ ۱۸۴۱ء میں کمپنی نے بذریعہ سرکلر افسران خزانہ کو اجازت دیدی کہ مطالبات سرکاری کی ادائیگی میں سونے کا سکہ لے لیا کریں۔ مگر سنہ ۱۸۴۷ء میں کیلیفورنیا اور آسٹریلیا میں سونے کی کانیں نکل آنے کی وجہ سے سونا بکثرت آنے لگا اور اندیشہ ہوا کہ سونا بہت سستا ہو جاوے گا

اور اشرفی کی قیمت گھٹ جاوے گی۔ کیونکہ زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ لوگ اپنا چاندی یا سونا ٹکسال میں دیکر روپیہ اور اشرفی بنوالیتے تھے اور گورنمنٹ صرف سکہ سازی کی اُجرت لے لیتی تھی جس کی وجہ سے سکہ کی قیمت فرضی نہ ہوتی تھی بلکہ وہی ہوتی تھی جو سکہ کی دھات کی واقعی بازاری قیمت ہو۔ پس کمپنی نے ۱۸۵۲ء میں دوسرے سرکلر کے ذریعے خزانوں کو مطالبات کمپنی میں اشرفی لینے کی ممانعت کردی۔ لیکن تجربہ سے سونے کے سستا ہونے کا اندیشہ غلط ثابت ہوا۔

اسی دوران میں ۱۸۵۷ء کا غدر ہوگیا جس کے فرو ہونے کے بعد مالی دقتوں کی وجہ سے محکمہ مالیات علیحدہ قایم کیا گیا جس کے انتظام کے لیے ۱۸۵۹ء میں ولایت سے مسٹر ولسن کو جو مالیات کے بہت بڑے ماہر تھے ہندوستان بلا یا گیا جنھوں نے یہاں کے مالیات کی تحقیقات کرکے اس مضمون کی رپورٹ پیش کی کہ "ہندوستان میں سونے کا سکہ چلانا تو مناسب نہیں البتہ کاروبار کی سہولت کے لیے نوٹ رائج کیے جاویں"۔ انگلستان سے ۱۸۶۰ء میں اس رپورٹ کی منظوری آگئی اور سر چارلس وڈ سکریٹری آف سٹیٹ نے بسلسلہ منظوری لکھا کہ "گورنمنٹ اس رائے سے متفق ہے کہ اس وقت یہ نامناسب ہے کہ سونے کا سکہ جاری کیا جائے کیونکہ اُن کو یقین ہے کہ ہندوستانیوں کی ضروریات کاغذ کے نوٹوں سے بہ طریق احسن پوری ہو سکیں گی"۔

اسی سال سے گورنمنٹ ہند کا باقاعدہ بجٹ بننا شروع ہوا اور مسٹر ولسن نے نئے ٹیکس تجویز کیے جن میں سے ایک انکم ٹیکس بھی تھا جس پر عمل درآمد شروع ہوگیا۔

لیکن سونے کا سکہ رائج نہ ہونے کی وجہ سے تاجروں نے دقت محسوس کی اور ۱۸۶۴ء میں کلکتہ مدراس اور بمبئی کے ایوانہائے تجارت اور بمبئی کی انجمن تجار نیز کلکتہ کے سوداگروں اور مہاجنوں نے گورنمنٹ کی خدمت میں اشرفی رائج کرنے کے لیے میموریل پیش کیے اور گورنمنٹ ہند کے ممبر مال سر چارلس ٹرویلین نے بھی ان کی پُرزور تائید کرتے ہوئے لکھا کہ "جو ساورن اور نصف ساورن برطانیہ آسٹریلیا یا ہندوستان میں برطانیہ کے معیار کے مطابق مضروب ہوں ان کو دس روپے فی ساورن کے حساب سے لیگل ٹنڈر کردینا چاہیے اور ساورن کی گھڑائی ہندوستان کی ٹکسال میں بجائے ایک روپیہ سیکڑہ کے جو واقعی خرچ سے بہت زیادہ ہے گھٹا کر لاگت کی برابر کی جاوے البتہ روپیہ کی گھڑائی بدستور دو روپیہ سیکڑہ قایم رکھی جاوے"۔ روپیہ کی گھڑائی بدستور زیادہ رکھنے کی سفارش اس لیے کی گئی تھی کہ چاندی کی قیمت کچھ کم ہوگئی تھی تو گھڑائی زیادہ رکھنے سے روپیہ کی لاگت اور قیمت زیادہ ہوجاتی تھی۔ اس کے برعکس سونے کی قیمت زیادہ تھی اس لیے اس کی کم کرنے کی سفارش کی تھی تاکہ اشرفی مہنگی نہ پڑے اور بدستور اشرفی پندرہ روپیہ میں چلتی رہے۔ لیکن سکریٹری آف سٹیٹ نے اس تجویز کو نامنظور کردیا۔ اس کے بعد ۱۸۶۶ء میں پھر بنگال بنک نے اشرفی کی قیمت معین کرنے اور لیگل ٹنڈر بنا جانے

تحریک کی جسے سکریٹری آف اسٹیٹ نے نامنظور کرتے ہوئے لکھا کہ "ہم کو اس بات کا یقین نہیں کہ اس معاملہ میں کسی مزید کارروائی کی ضرورت ہے"

اس پر بہ پڑ ناکامی سے دوچار ہوتے ہوئے بھی ۱۸۶۶ء میں پھر اس کی تحریک کی گئی جس پر ایک کمیشن تحقیقات مقرر کیا گیا اور کمیشن نے بعد تحقیقات یہ رپورٹ کی کہ "پانچ، دس اور پندرہ روپے کی اشرفی کو ہندوستانی اسی قیمت کے نوٹ سے بہتر سمجھتے ہیں نیز ان اشرفیوں کے رواج سے نوٹوں کے چلن میں بھی آسانی ہو گی یہ عام اور متفقہ خیال ہے کہ ہندوستان میں سکہ سونے اور چاندی کا ہونا چاہیئے۔ اور نوٹ بھی ہوں"۔ (رپورٹ لفٹننٹ جنرل سر ولیم منسفیلڈ کمیٹی) اس رپورٹ میں یہ بھی تجویز تھی کہ "دس روپے کے ساورن کی قیمت سونے کے نرخ کے اعتبار سے کم ہے اس کو بڑھا دینی چاہیئے تاکہ لوگ اشرفیاں گھڑوانے لگیں" مگر اس رپورٹ کے عرصہ تک طاق نسیاں پر رہنے کے بعد ۱۸۶۸ء میں صرف یہ نتیجہ نکلا کہ ساورن اور نصف ساورن کو ساڑھے دس اور سوا پانچ روپے کی قیمت سے لینے کی خزانہ کو اجازت دیدی لیکن ان کو لیگل ٹنڈر قرار نہ دیا گیا اس سلسلہ میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ اسی دور میں ۱۸۶۵ء میں فرانس، بلجیم، اٹلی، اور سوئٹزرلینڈ نے پہلی دفعہ آپس میں معاہدہ کیا کہ وہ سونے اور چاندی کے سکے جاری کریں گے اور سونے کے نیز چاندی کے ۵ فرانک کے سکے ان تمام سلطنتوں میں لیگل ٹنڈر ہوں گے۔ نیز ۱۸۶۷ء میں بمقام پیرس پہلی بین الاقوامی سکہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں یورپ کی اٹھارہ سلطنتیں شریک تھیں جن میں سے ایک برطانیہ بھی تھی اور ممالک متحدہ امریکہ بھی شریک تھا اس کانفرنس نے طے کیا کہ صرف سونے کا سکہ ہی بین الاقوامی تجارت میں استعمال کیا جاوے گا لیکن یہ ہندوستان ہی تھا جو صدیوں تک سونے کا سکہ استعمال کرنے کے بعد اس زمانہ میں سونے کا سکہ استعمال کرنے سے تو محروم رہا مگر انگلستان کے مطالبات سونے کے سکہ میں ادا کرنے پر مجبور رہا۔

۱۸۷۳ء سے واقعات نے ایک اور ہی صورت اختیار کرنی شروع کی یعنی چاندی کی قیمت گھٹنی شروع ہو گئی اور چونکہ ہندوستان کو انگلستان کے مطالبات سونے میں ادا کرنے پڑتے تھے اس لیئے گورنمنٹ ہند کو روپیہ کے سونے کے سکہ میں تبادلہ کرنے میں نقصان ہونا شروع ہوا۔ اور سونے کے سکہ کا چلن نہ ہونے کی وجہ سے خود گورنمنٹ ہند پر براہ راست زد پڑنے لگی اور پھر سونے کے سکہ کے لیئے واویلا اور چیخ پکار شروع ہو گئی۔ اور نوبت باینجا رسید کہ ۱۸۷۸ء میں مسٹر رچرڈ ٹیمپل ممبر مالیات نے گورنمنٹ ہند میں اس مضمون کی ایک یادداشت پیش کی کہ ہندوستان میں ساورن تو موجود ہیں لیکن لیگل ٹنڈر نہیں ہیں ان کو مناسب قیمت پر لیگل ٹنڈر کر دیا جاوے۔ نیز بنگال بنک کے سکریٹری مسٹر ڈکنسن نے بھی بہت کوشش کی لیکن ان تمام کوششوں کا انجام یہ ہوا کہ ۳ مئی ۱۸۷۸ء کو گورنمنٹ ہند کی تجویز ذیل شایع کی گئی "ہندوستان میں ساورن کے رائج کرنے کی

مصلحتوں پر غور کیا گیا گورنر جنرل ان کونسل فی الحال تیار نہیں ہیں کہ کوئی ایسی کارروائی کریں جس سے ساورن ہندوستان میں لیگل ٹنڈر بنایا جا سکے" اس تجویز کے شایع ہوتے ہی "تاریخ سکہ ہند میں انیسویں صدی کا دور ثانی بھی ختم ہو جاتا ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تاریخ ہند کا پہلا واقعہ ہے کہ گورنمنٹ نے نوٹ چلایا۔ اگرچہ اس سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں بعض بنکوں کو نوٹ چلانے کی اجازت تھی مگر وہ لیگل ٹنڈر نہ تھے لیکن ۱۸۶۱ء میں پرائیویٹ بنکوں کو نوٹ چلانے کی ممانعت کر دی گئی اور اس کام کو گورنمنٹ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا

اسی سلسلہ میں یہ امر قابل غور ہے کہ یہی دور تھا جبکہ ۱۸۷۱ء میں جرمنی نے چاندی کا سکہ ترک کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کی تقلید کرتے ہوئے ڈنمارک۔ سویڈن ناروے اور ہالینڈ بھی چاندی کے سکہ کو خیرباد کہہ چکے تھے نیز جنوری ۱۸۷۴ء میں فرانس۔ بلجیم۔ اٹلی۔ اور سوئزرلینڈ نے چاندی کا سکہ بنانا ہی چھوڑ دیا۔

تاریخ سکہ ہند کا انیسویں صدی میں دور دوم

۱۸۷۳ء کے بعد تاریخ سکہ ہند میں انیسویں صدی کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جس میں سکے متعلق بہت ہی زیادہ کشمکش رہی۔ اس زمانہ کے ماہرین مالیات کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک تو ملک کے لیے صرف ایک ہی دھات کے سکے کے چلن کو مفید سمجھتی تھی اور دوسری کہتی تھی کہ دونوں دھاتوں کے سکے چلانے چاہئیں ان جماعتوں کے بحث مباحثہ سے دفتر کے دفتر سیاہ ہو گئے مگر چاندی کی قیمت روز بروز گھٹتی گئی جس کی وجہ سے ہندوستان میں روپے کی قیمت گھٹنے لگی اور انگلستان کے مطالبات کی ادائیگی چونکہ سونے میں کرنی پڑتی تھی گورنمنٹ ہند کو روز افزوں نقصان ہونے لگا۔ یہ زمانہ نہ صرف ہندوستان کے لیے بلکہ تمام عالم کے واسطے ہیجان عظیم کا زمانہ تھا۔ چنانچہ ممالک یورپ میں ۱۸۷۸ء ۱۸۸۱ء اور ۱۸۹۲ء میں تین بین الاقوامی سکہ کانفرنسیں ہوئیں۔ حکومت ہند نے بھی دو کمیشن مقرر کیے لیکن بقول مسٹر فنڈلے شیراس "گورنمنٹ نے معمولی آدمیوں کی طرح لکھا لکھایا تو بہت لیکن کیا کچھ نہیں"

ہندوستان میں ساورن رائج کیے جانے کی جد و جہد ہوتی رہی ۱۸۹۳ء تک ہندوستانی بنک اور سوداگر کوشش کرتے رہے کہ چاندی کی ٹکسال بند کر دی جائے اور ساورن رائج کر دی جاوے یہی نہیں بلکہ ۱۸۸۶ء میں گورنمنٹ ہند نے خود اس کی تحریک کی اور رپورٹ میں لکھا کہ

"اس معاملہ میں فرانس اور انگلستان کو متحدہ کوشش کی ضرورت ہے جس میں ممکن ہے کہ اور سلطنتیں بھی شامل ہو جاویں۔ نیز فرانس کو متنبہ کر دینا چاہیے کہ اگر یہ معاملہ طے نہ ہوا تو ہندوستان میں ساورن ضرور رائج ہو جاویگا"

مگر سکریٹری آف اسٹیٹ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ تاہم گورنمنٹ ہند کو انگلستان کے مطالبات کی ادائگی میں

جو نا قابل برداشت نقصان ہو رہا تھا اس سے مجبور ہو کر نومبر ۱۸۷۸ء میں ایک پُر زور یادداشت گورنمنٹ انگلستان کو بھیجی جس میں تجویز کیا تھا کہ

"(۱) ہندوستان میں ساورن رائج کیا جاوے تاکہ گورنمنٹ نقصان سے بچ سکے

(۲) خزانہائے ہند کو اجازت دی جاوے کہ وہ اپنے مطالبات کی وصولی میں کسی مقررہ نرخ پر ساورن لے سکیں اور خاص شرح ایسی مقرر کی جاوے کہ بالآخر روپیہ دو شلنگ کی برابر ہو جاوے۔

(۳) روپیہ کی گھڑائی اتنی بڑھادی جاوے کہ لوگوں کو تیار شدہ روپیہ کی قیمت وہ ہی پڑے جو سونے کی مناسبت سے گورنمنٹ روپیہ کی قیمت مناسب سمجھے۔

(۴) خزانہ کو نوٹوں کے عیوض ساورن دینے کی اجازت دی جاوے۔"

ان تجاویز میں سونے کو لیگل ٹنڈر قرار دینے کی سفارش نہ تھی بلکہ غرض اتنی تھی کہ گورنمنٹ ہند کو مناسب نرخ پر سونا مل جاوے اور مطالبات کی ادائیگی کے لئے مہنگا سونا نہ خریدنا پڑے۔ اس یادداشت کا جواب بھی سال بھر تک نہ ملا اور دسمبر ۱۸۷۹ء میں ان تجاویز کو وزیر ہند نے صرف نامنظور ہی نہیں کیا بلکہ یہ لکھا کہ

"گورنمنٹ ہند یہ ثابت کرنے سے قاصر رہی ہے کہ آئندہ کوئی زبردست خطرہ ہے" نیز گورنمنٹ ہند نے جو یہ لکھا ہے کہ
"اگرچہ کچھ نہ کرنے کی حالت میں بظاہر ذمہ داری کم معلوم ہوتی ہے لیکن یہ خلاف واقعہ ہے، ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ کچھ نہ کرنے کی ذمہ داری اتنی بڑی ہے جتنی کہ نہ کرنے کی۔ کیونکہ اس وقت جو دقتیں پیش آ رہی ہیں وہ گورنمنٹ کی کسی کارروائی کی وجہ سے نہیں ہیں لیکن مجوزہ اسکیم کو منظور کر لینے سے تمام ذمہ داری گورنمنٹ پر عائد ہو جاوے گی۔ ہم کو یقین کامل ہے کہ اس وقت خاموش رہنا ہی بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ گھبرا کر جلدی میں کوئی ایسا کچا پکا قانون نافذ کیا جائے جس کا نتیجہ غیر معلوم ہے۔"

غرضکہ گورنمنٹ برطانیہ جو قرضخواہ تھی اطمینان سے اپنے مطالبات وصول کرتی رہی۔ چاندی کا نرخ بدستور روز بروز گھٹتا رہا اور ہندوستان چیختا چلاتا رہا تا آنکہ ۱۸۸۶ء میں ایسی زبوں حالت ہو گئی کہ گورنمنٹ ہند نے سکریٹری آف اسٹیٹ کو تار دئے کہ چاندی کے معاملہ کو دیگر ممالک سے ملکر جلد از جلد طے کیا جاوے مگر گورنمنٹ برطانیہ نے معاملہ کی دقتوں پر غور کر کے جواب دیا کہ "معاملہ ایسا آسان نہیں ہے جیسا کہ گورنمنٹ ہند سمجھتی ہے" اور غور کرنے کیلئے

یکے بعد دیگرے دو کمیشن مقرر کیے جن میں سے آخری کمیشن نے ۱۸۸۸ء میں رپورٹ دی کہ "مجوزہ تبدیلی بہت اہم ہے اور ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ اندھے کی لاٹھی ہے۔ یقینی طور پر پبلک فی الحال اس کے لیے تیار نہیں۔ اندریں حالات موجودہ زمانہ کی اور بالخصوص گورنمنٹ ہند کی مشکلات پر غور کر کے ہم یہ مشورہ نہیں دے سکتے کہ انگلستان سونے اور چاندی کے سکہ کے متعلق دوسرے ممالک سے معاہدہ کرنے کی غرض سے کوئی گفت وشنید کرے۔"

پس گورنمنٹ نے کچھ نہ کیا اور چاندی کا نرخ گھٹتا ہی رہا مگر ۱۸۹۰ء میں ممالک متحدہ امریکہ نے ایک قانون خاص پاس کر کے پانچ کروڑ چالیس لاکھ اونس چاندی خریدی جس کی وجہ سے ایک دفعہ تو چاندی کا نرخ چڑھ ہی گیا اور چاندی کا سٹہ زوروں سے ہونے لگا۔ مگر یہ چڑھاؤ عارضی تھا کچھ ہی دن کے بعد نرخ پھر گرنے لگا ۱۸۹۰ء اور ۱۸۹۱ء میں تو چاندی کے بھاؤ میں اتنی کمی بیشی ہوئی کہ ساورن کی قیمت گیارہ روپے سات آنے سے بڑھ کر چودہ روپے تک پہونچ گئی۔ مگر بازار قائم نہ تھا چنانچہ اسی سال میں ممبر مالیات نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ "یہ کہا جاتا ہے اور ایک حد تک صحیح بھی ہے کہ بعض وقت تو ایک سوداگر کے لیے چاندی کا سٹہ اتنا منفعت بخش کام ہے کہ اگر وہ دوکان بند اور ملازموں کو برخاست کر کے محض چاندی کا سٹہ کرنے لگے تو اتنا ہی نفع کما سکتا ہے جتنا کہ کسی دوسرے کاروبار میں منافع کی توقع کر سکتا ہے اور سٹہ میں خرچ بہت ہی کم ہے۔" (بیان ممبر مالیات بابت ۱۸۹۱-۹۲ء) نیز آگے چل کر ممبر مالیات نے صاف صاف کہا کہ "ضرورت کے وقت ہندوستان میں ساورن کا رواج ہونا چاہیے اگر امریکہ چاندی خریدنا بالکل چھوڑ دے تو غالباً ہندوستان کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ وہ سونے کا سکہ اختیار کرے" (بیان ممبر مال مذکورہ بالا)

۱۸۹۲ء میں ساورن چلانے کی پھر کوشش ہوئی۔ گورنمنٹ ہند نے پر زور تحریک کی اور بنگال کے ایوان تجارت کے پریسیڈنٹ مسٹر جے۔ ایل میکے نے انجمن سکہ ہند کی طرف سے بارہ ہزار دستخط کرا کر جن میں پانچ ہزار دستخط یورپینوں کے تھے ایک میموریل بھیجا جس میں درخواست کی گئی تھی کہ اگر دیگر ممالک سے تصفیہ نہیں ہو سکتا تو جانے دیجئے نہ ہو۔ ہندوستان میں سونے کا سکہ رائج کر دیجے۔ اس پر ۱۸۹۲ء میں ایک کمیشن مقرر کیا گیا جو ہرشل کمیشن کے نام سے مشہور ہے جس کے تقرر کے بعد سکریٹری آف اسٹیٹ کے پاس درخواستوں پر درخواستیں بھیجی گئیں اور کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ ہند کی معرفت صرف ایک تاریخ ۳ مئی ۱۸۹۲ء کو ۱۳۵ میموریل انگلستان گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہرشل کمیٹی نے ۳۱ مئی ۱۸۹۳ء کو رپورٹ دی جس کی اطلاع سکریٹری آف اسٹیٹ کو ۲۰ جون کو بذریعہ تار بھیجی گئی اور پندرہ جون کو تار ہی کے ذریعہ سے گورنمنٹ ہند کے پاس جواب بھی آ گیا اور صرف ایک ہفتہ میں یہ طے ہو گیا کہ چاندی کا سکہ ٹکسال میں ضرب کرانے کی پبلک کو اجازت نہ دی جاوے اور ساورن چلانے کی تدابیر اختیار کی جاویں۔

غرضکہ ۱۸۹۳ء سے ہندوستان میں اشرفی اور ساورن کا چلن بند کر دینے سے جو مصیبتیں نازل ہوئیں

اُن کے دفعیہ کے لیئے اٹھاون برس بعد پھر یہ تجویز صفحہ کاغذ پر آئی کہ سونے کے سکہ کو رائج کرنے کی تدابیر اختیار کی جاویں۔ کیا تدابیر اختیار کی گئیں اور کس طرح عملدرآمد ہوا اس کو آئندہ دور کی تاریخ ہی بتائے گی۔ ـــــ

تاریخ سکہ ہند کا اُنیسویں صدی میں دور چہارم

ٹکسال کو پبلک کے لیئے چاندی کا سکہ بنانے کی ممانعت سے غرض یہ تھی کہ آئندہ پبلک کو ٹکسال میں اشرفی بنوانے کی اجازت دی جاوے گی تاکہ اشرفی کی قیمت وہ ہی رہے جو سونے کا بھاؤ بازار میں ہو اور روپیہ حسب ضرورت خود گورنمنٹ بنواتے اور اُس کی قیمت بھی بہ اعتبار سونے کی قیمت کے خود مقرر کرے تاکہ چاندی کے نرخ کی کمی بیشی سے جو اُس زمانہ میں بہت ہو رہی تھی روپے کی شرح تبادلہ پر کوئی اثر نہ پڑے یعنی یہ کہ روپیہ اشرفی کا ایک جزو سمجھا جاوے اور چاندی کا نرخ خواہ کچھ ہی ہو جاوے لیکن پندرہ روپے میں ایک اشرفی مل سکے جس کی وجہ سے ضروری تھا کہ عام پبلک کو روپیہ گھڑوانے کی اجازت نہ دی جاوے۔

ہرشل کمیٹی نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں جو دلائل اپنی تجاویز کی تائید میں بیان کیئے تھے اُن میں لکھا تھا کہ انگلستان کے مطالبات کی ادائیگی میں (جو اُس زمانہ میں ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ پونڈ کے قریب تھے) چاندی کی قیمت گر جانے کی وجہ سے ہندوستان کو ۲۶ کروڑ ۴۴ لاکھ روپیہ ادا کرنا پڑتا ہے (اُس زمانہ میں روپیہ قریب ۱۵ پنس کے تھا) اور اس رقم کو اگر سنہ ۱۸۷۳ء کے چاندی کے نرخ سے مقابلہ کیا جاوے تو یہ رقم بقدر ۸ کروڑ ۷۳ لاکھ روپے کے زیادہ ہے یہ نقصان تو اُسی وقت تھا لیکن آئندہ زمانہ میں اس نقصان کے مزید اضافہ کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ اُس زمانہ میں دُنیا کی چاندی کی کل پیداوار ۱۵ کروڑ ۳۰ لاکھ اونس تھی جس میں سے ۵ کروڑ ۴۰ لاکھ اونس امریکہ اپنے ایک قانون کی رو سے خریدتا تھا۔ اور خیال یہ تھا کہ امریکہ عنقریب اس قانون کو منسوخ کر کے چاندی کی خریداری بند کر دے گا۔ ایسی حالت میں دفعتاً چاندی کی قیمت کا اور گھٹ جانا یقینی تھا اور اسی اندیشہ سے ہرشل کمیٹی نے یہ تجویز کی تھی کہ چاندی کے سکہ کو چھوڑ کر سونے کا سکہ رائج کرنا چاہیئے کیونکہ سکہ کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کی قیمت ہر زمانہ میں قریب قریب ایک سی رہے۔

گورنمنٹ ہند نے ہرشل کمیٹی کی رپورٹ پر صرف اس قدر عمل کیا کہ چاندی کے سکہ کو مسکوک کرنے کی اجازت بذریعہ ایکٹ ۸ سنہ ۱۸۹۳ء منسوخ کر دی۔ اور ساورن کی بحساب پندرہ روپے فی ساورن لیئے اور دیئے جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن ساورن کو نہ تو لیگل ٹنڈر قرار دیا نہ اُس کے واسطے ٹکسال کھولی۔ اس لیئے حالت بدستور ہی رہی البتہ روپے کی قیمت بجائے اس کے کہ واقعی چاندی کے بازاری نرخ کے مطابق رہتی ایک فرضی قیمت مقرر ہو گئی جو ساورن کا پندرھواں حصہ یا ۱۶ پنس تھی۔

ہندوستان کی تاریخ سکہ میں یہ پہلا موقع ہے کہ روپیہ کی واقعی قیمت کے بجائے فرضی قیمت قائم ہو گئی اور

اسی وقت سے شرح تبادلہ کی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔

ٹکسال بند ہونے کے اجراء قانون کے وقت روپیہ باعتبار چاندی کے بازاری نرخ کے ۱۴½ پنس کا تھا لیکن قانوناً روپیہ کی قیمت مقرر ہو جانے سے ہر شخص نے یہ خیال کیا کہ آئندہ روپیہ اسی قیمت سے ملے اور بکے گا جس کی وجہ سے روپے کی قیمت بڑھ گئی اور وہ زمانہ شروع ہو گیا کہ روپے کی قیمت اس میں لگی ہوئی ہوئی چاندی کی قیمت سے زیادہ ہو گئی۔

روپیہ کی اس فرضی اور زیادہ قیمت کو قائم رکھنا صرف گورنمنٹ کا کام تھا جس کا طریقہ یہ تھا کہ گورنمنٹ سے جتنا ہی سونے کا سکہ روپے کے عوض میں پبلک طلب کرتی یا سونے کا سکہ دے کر روپیہ لینا چاہتی گورنمنٹ اس کا بھگتان کرتی۔ جیسے کہ نوٹ کے تبادلہ میں اگر پبلک کو روپیہ بہ آسانی ملتا رہتا ہے تو نوٹ کی قیمت روپے کے برابر رہتی ہے لیکن نوٹ کا روپیہ ملنے میں دقت ہو تو نوٹ پر بٹہ لگ جاتا ہے۔ بعینہ یہی حالت روپے کی ہو گئی۔

مگر گورنمنٹ بوجوہ ذیل اس ذمہ داری سے پورے طور پر عہدہ برآ نہ ہو سکی۔

اول یہ کہ گورنمنٹ ہند کو سونے کے سکہ چلانے پر اصرار کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ انگلستان کے مطالبات کی ادائیگی سونے کے سکہ میں ایک مقررہ۱؎ شرح تبادلہ پر کر سکے۔

دوم یہ کہ ہندوستان میں پبلک کے واسطے ٹکسال بند ہو جانے سے روپے بنانے کے لئے چاندی کی ضرورت نہ رہی اور خرچ کم ہو گیا اس لیئے چاندی کا بھاؤ اور گر گیا چنانچہ ۲۴ جون سنہ ۱۸۹۳ء میں جس وقت ٹکسال بند ہونے کا اعلان ہوا چاندی کا نرخ ۳۱½ پنس فی اونس تھا (۸ تولہ برابر ہے تین اونس کے) لیکن ایک ہفتہ کے اندر ہی نرخ ۳۰ پنس فی اونس ہو گیا۔ اس کے بعد امریکہ نے اگست کے مہینے میں اس قانون کو منسوخ کر دیا جس کی رو سے وہ سالانہ ایک معین مقدار کی چاندی خریدنے پر مجبور تھی۔ واقعہ یہ تھا

(نوٹ ۱؎) ہندوستان کے مطالبات جو بذمہ انگلستان ہوتے تھے اُس کی ادائیگی قیمت کا طریقہ یہ تھا کہ انگلستان کے آڑھتی اور سوداگروں سے وزیر ہند ساورن لے لیتے تھے اور اُن کو [illegible] فی ساورن کے حساب سے گورنمنٹ ہند کے نام ہنڈی دیتے تھے لیکن جو اپنا روپیہ ہندوستان بھیجنا چاہتے ہیں وزیر ہند یہ ہنڈیاں اپنی ضرورت کے اعتبار سے اُس قدر رقم تک کی فروخت کرتے تھے جو اُن کو ہندوستان سے منگانی ہوتی تھی۔ اس سے زیادہ رقم کی ہنڈیاں وزیر ہند فروخت نہ کرتے تھے اس لیئے جن آڑھتیوں یا سوداگروں کو ہنڈیاں نہ مل سکتی تھیں وہ دوسرے اشخاص سے ہنڈیاں لیکر یا بذریعہ جہاز رقم بھیجتے تھے۔ اسی طرح جو ہندوستان کے سوداگر انگلستان سے مال منگاتے تھے اُس کی قیمت بذریعہ ہنڈیوں کے یا بذریعہ جہاز روانہ کرتے تھے کیونکہ گورنمنٹ ہند بالعموم وزیر ہند کے نام ہنڈی نہ دیتی تھی مختصر یہ کہ تبادلہ کا کام پورے طور پر گورنمنٹ نے اپنے ذمہ نہیں لے رکھا تھا اور اسی وجہ سے شرح تبادلہ بازار کی مانگ کے مطابق کم و بیش ہوتی رہتی تھی۔

کہ جیسے ہندوستان کو فکر تھی کہ امریکہ نے چاندی کی خرید بند کر دی تو انجام کیا ہوگا اسی طرح امریکہ بھی سوچتا تھا کہ ہندوستان نے چاندی خریدنا بند کر دی تو چاندی کے دام بہت گر جاویں گے چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی کیونکہ چاندی کی کل پیداوار کا ۳۳ فی صدی ہندوستان میں کھپتا تھا اس نے چاندی کا سکہ بنانا چھوڑ دیا۔ اور امریکہ ۳۷ فی صدی چاندی کی کل پیداوار کا خریدار تھا اس نے بھی خرید چھوڑ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چاندی کے دام اور گر گئے اور چاندی کا مصرف سوائے زیورات بنانے کے اور کچھ نہ رہا۔

سوئم یہ کہ چونکہ روپیہ کی فرضی قیمت چاندی کی بازاری قیمت سے زیادہ تھی اس لئے گورنمنٹ کو روپیہ فروخت کرنے میں تو فائدہ تھا لیکن روپیہ کی خریداری میں نقصان تھا اس لئے وہ روپیہ فروخت کرنے کو خریداری پر ترجیح دیتی تھی۔ پس جب ایک چیز کے بیچنے والے زیادہ اور خریدار کم ہوں تو قیمت گر جایا کرتی ہے۔ یہی حشر روپیہ کا ہوا۔

اور انجام یہ ہوا کہ روپے کی فرضی ۱۶ پنس قیمت خود گورنمنٹ قایم نہ رکھ سکی اور اگست ۱۸۹۳ء میں خود وزیر ہند نے ہنڈیاں بجائے ۱۶ پنس کے ۱۵ پنس کے حساب سے فروخت کیں جس پر ہندوستان میں پھر لے چینی شروع ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ روپیہ کی قیمت ۱۳ پنس ہو گئی۔

۹۷-۱۸۹۶ء میں فصل خراب ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں قحط پڑا اور مال باہر کم گیا جس کی وجہ سے انگلستان والوں کو ہنڈیاں خریدنے کی ضرورت کم پیش آئی اور روپیہ کی شرح تبادلہ بدستور گرتی رہی اور ہندوستان میں چیخ پکار جاری رہی لیکن آخر ۱۸۹۸ء میں فصل اچھی ہونے کی وجہ سے غلہ بکثرت ہندوستان سے باہر گیا۔ اور شرح تبادلہ ۱۶ پنس کے قریب پہونچ گئی مگر اس ہیجان و بے چینی کی وجہ سے اسی سال گورنمنٹ کو ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنا پڑا جو فاولر کمیشن کے نام سے مشہور ہے جس نے ۱۸۹۹ء میں اپنی رپورٹ پیش کی جس کی اہم تجاویز یہ تھیں کہ

(۱) ساورن ہندوستان میں رائج کیا جاوے اور لیگل ٹنڈر قرار دیا جاوے۔

(۲) ہندوستانی ٹکسال میں پبلک کو روپیہ مسکوک کرانے کی اجازت نہ دی جاوے لیکن اشرفی مسکوک کرانے کی انھیں شرائط پر اجازت دی جاوے جو آسٹریلیا میں نافذ ہیں۔

(۳) ایک ساورن کی قیمت پندرہ روپے یعنی ایک روپیہ کی قیمت ۱۶ پنس مقرر کی جاوے لیکن روپے کے تبادلہ میں ساورن دینے کی کوئی قانونی ذمہ داری گورنمنٹ اپنے ذمہ نہ لے۔

(۴) سونے کے سکہ سے گورنمنٹ کو جو منافع ہو اس کو سونے کی شکل ہی میں بطور علیحدہ خزانہ کے رکھا جاوے جس کا نام معیار طلا قایم رکھنے کا خزانہ (Gold standard reserve) جاوے

خزانہ معیار طلا قایم کرنے کا مقصد کمیشن نے اپنی رپورٹ میں یہ لکھا تھا "اس خزانہ کی خاص غرض یہ ہوگی
کہ جب کبھی شرح تبادلہ کا رجحان کمی کی جانب ہو تو بیرونی ممالک کو روپے کے بدلے اس خزانہ سے سونا نکال کر
بھیجا جاوے......
مثلاً اگر شرح تبادلہ اس قدر کم ہو جانے کا احتمال ہو کہ ہندوستان سے روپے کے بدلے سونا لیکر انگلستان بھیجنے
میں منہائی اخراجات کے بعد فائدہ ہوسکتا ہو تو اس خزانہ سے سونا ذریعہ ہند کو بھیجدیا جاوے اور اگر خزانہ میں
سونا بکثرت جمع ہو جاوے تو گورنمنٹ ہندوستان میں بھی روپے کے بدلے سونے کا سکہ دینے لگے"

گورنمنٹ نے فاولر کمیشن کی رپورٹ کو تسلیم کرلیا اور ستمبر سنہ ۱۸۹۹ء میں ہندوستانی سکہ اور نوٹ کا قانون
ایکٹ ۲۲ سنہ ۱۸۹۹ء پاس ہوگیا جس کی رو سے ساورن پندرہ روپے کا اور نصف ساورن ساڑھے سات
روپے کا لیگل ٹنڈر قرار دیدیئے گئے اور سنہ ۱۹۰۰ء میں ساورن اور نصف ساورن چلانے کی کوشش کی گئی مگر قسمتی
سے اُس سال قحط کی وجہ سے روپے کی مانگ زیادہ تھی اور چونکہ سنہ ۱۸۹۳ء سے ٹکسال میں روپیہ مسکوک نہیں
ہوا روپے کی بہت ہی زیادہ کمی تھی اس لیے پبلک میں ساورن اور نوٹ زیادہ نہ چل سکے اور گورنمنٹ کو ساورنز
اور نوٹوں کے تبادلہ میں روپیہ دینا مشکل ہوگیا اور مجبوراً روپیہ بکثرت مسکوک کرانا پڑا پس سنہ ۱۹۰۱ء کے
اس مختصر تجربہ کے بعد بقول مسٹر فنڈلے شیراس "ساورنوں کو بطور سکہ چلانے کی کوشش نہیں کی گئی
کیونکہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی کوشش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نوٹ کے اجرا میں کمی ہو جاتی ہے" (صفحہ ۱۸۹)

بہرحال گورنمنٹ ہند اور گورنمنٹ انگلستان میں سونے کی ٹکسال قایم کرنے کی بابت خط وکتابت ہوتی
رہی اور بالآخر سنہ ۱۹۰۲ء میں بقول مسٹر فنڈلے شیراس "انتظامی دقتوں کی وجہ سے جب تجویز قریب بہ تکمیل پہونچ چکی
تھی ترک کر دی گئی" اُنیسویں صدی ختم ہوگئی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں نے ابتدائے صدی میں
جو خیال قایم کیا تھا کہ "ہندوستان میں معیار قیمت چاندی کے سکہ کو قرار دیا جاوے اور اس کو سونے کے
سکہ پر ترجیح دی جاوے" اُس کے تجربہ ہوتے رہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ نصف صدی سے زیادہ بعید پریشانی میں گزری
عرضداشتوں، درخواستوں خط وکتابت اور کمیشنوں کی انتہا نہ رہی روپے کی قیمت فرضی ہوگئی اور بعد خرابی
بسیار گورنمنٹ نے ارادہ کیا کہ ہندوستان میں سونے کا سکہ چلانا اور پبلک کے لیے سونے کی ٹکسال کھولنی
چاہیئے مگر سونے کے سکہ کا چلن صرف ایک سال بطور تجربہ جاری کرنے کے بعد ختم کر دیا گیا اور ٹکسال کھولنے کا تجربہ
بھی انتظامی دقتوں کی وجہ شروع نہ کیا جا سکا۔

اُنیسویں صدی میں شرح تبادلہ کا تجارت پر اثر

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سنہ ۱۸۷۳ء سے چاندی کے نرخ میں کمی ہوتے رہنے کی وجہ سے ہندوستان میں انتشار

ہونا شروع ہوا۔ انتشار کی اصلی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں چاندی کے سکہ کا اور ولایت میں سونے کے سکہ کا چلن تھا سنہ ۱۸۷۳ء کے برسہا برس پہلے سے سونے اور چاندی کی قیمت میں یہ تناسب جاری تھا کہ ایک تولہ سونا ۱۵ روپیہ کا اور انگلستان کا ایک ساورن دس روپے کا آتا تھا اور اس حساب سے ایک روپیہ چوبیس پنس کا ہوتا تھا لیکن جب چاندی کی قیمت گھٹنی شروع ہوئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سونے اور چاندی کے اس تناسب میں فرق آگیا اور سونے کے سکہ کے مقابلہ میں زیادہ چاندی دینے کی ضرورت ہوئی۔

گورنمنٹ ہند کے محصولات مالگذاری وغیرہ کی آمدنی بھی چاندی کے سکہ یعنی روپے میں وصول ہوتی تھی لیکن انگلستان کے مطالبات کی ادائیگی سونے کے سکہ میں کرنی پڑتی تھی اس وجہ سے گورنمنٹ ہند کو خصوصیت سے نقصان ہونے لگا۔

اسی طرح جو تاجر مال تجارت انگلستان سے منگاتے تھے اُن کو مال کی قیمت سونے میں دینی پڑتی تھی ہندوستان میں مال مہنگا پڑنے لگا یعنی پہلے جو مال ایک پونڈ میں آتا تھا اُس کے دس روپے دینے پڑتے تھے اب چاندی کی قیمت گرنے سے تیرہ یا چودہ روپے کو ملنے لگا جس سے وہ تاجر نقصان میں تھے لیکن ہندوستان کے کاشتکاروں اور کاریگروں کا اس میں فائدہ تھا۔ کیونکہ جو چیزیں ہندوستان میں بھی بنتی تھیں اُن کے کاریگر ولایتی بنے ہوئے مال کا مقابلہ بہ آسانی کرسکتے تھے۔ اور جو غلہ ہندوستان سے باہر دوسرے ممالک میں ایک پونڈ کو بکتا تھا اور پہلے دس روپے ملتے تھے اب اُس کے ۱۳ یا ۱۴ روپے ملنے لگے۔ پس گھٹی ہوئی شرح تبادلہ سے ملک کے صناعوں کو اور اُن لوگوں کو جو ملک سے باہر مال فروخت کرتے ہیں فائدہ ہوا۔ اس کی مثال پروفیسر کیمرر نے اپنی تصنیف (کرنسی ریفارم) میں جاپان کے برٹش کونسل جنرل کی رپورٹ سے نقل کی ہے کہ "ہیکو دیٹ (جاپان) میں ۱۵۰۰ ٹن وزنی پانی کے نل انگلستان سے سنہ ۱۸۹۲ء میں منگائے گئے جن کا نرخ ۴ ساورن فی ٹن تھا اُس زمانہ میں شرح تبادلہ کے اعتبار سے چار ساورن ہیکو دیٹ کے ۲۰ ڈالر کے برابر ہوتے تھے اس کے دو سال بعد سنہ ۱۸۹۴ء میں ہیکو دیٹ کو پھر ۱۵۰۰ ٹن نلوں کی ضرورت ہوئی اور قیمت دریافت کرنے کے لئے ٹنڈر طلب کیئے تو جس کارخانہ نے پہلے مال دیا تھا اُس نے سابقہ نرخ یعنی ۴ ساورن فی ٹن کا نرخ دیا لیکن اس زمانہ میں ہیکو دیٹ کے ڈالر کی قیمت بہت گھٹ گئی تھی یعنی ۴ ساورن کے عوض میں اب بجائے ۲۰ ڈالر کے ۴۰ ڈالر دینے پڑتے تھے تب ہیکو دیٹ والوں نے بیرونی ممالک کے تمام ٹنڈر نامنظور کردیئے اور خود نل بنانے کا کارخانہ جاری کردیا اور کچھ عرصہ کے بعد ہی وہاں اتنے نل بننے لگے کہ وہاں سے مال انگلستان اور چین جانے لگا"

اس میں شک نہیں کہ شرح تبادلہ کم ہونے کا فائدہ دائمی نہیں ہوتا اور دس بیس برس بعد رفتہ رفتہ ہر چیز کی قیمت قریب قریب ٹھکانے آلگتی ہے لیکن عارضی طور پر یہی ملک کے صناعوں کاریگروں اور کاشتکاروں کو

خوب فائدہ ہوتا ہے اور بڑا سہارا ملتا ہے۔ گرتی ہوئی شرح تبادلہ سے ملک کی برآمد بڑھتی اور درآمد گھٹتی ہے نیز دیسی مصنوعات کی حفاظت ہوتی ہے۔ چنانچہ ۱۸۷۳ء کے بعد سے چاندی کا نرخ گرنا شروع ہوا تھا جس کی وجہ سے شرح تبادلہ بھی گھٹ گئی تھی مسٹر فنڈلے شیراس لکھتے ہیں کہ

"اس دوران میں لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ گری ہوئی شرح تبادلہ سے ہندوستان کی برآمد مال بڑھ رہی تھی اور فی الجملہ ملک کے لئے مفید تھی۔

ہندوستان سے باہر مال فروخت کرنے والوں کی شہادتیں لی گئیں تو انھوں نے اپنے عملی تجربہ کی بنا پر بیان کیا کہ ان کو شرح تبادلہ گرنے کے ساتھ ساتھ مال کے روپے زیادہ ملنے لگے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے ملک میں مال فروخت کرے اور اس ملک میں مال کی قیمت ایک سی ہی رہے لیکن تاجر کے ملک میں سکہ کی قیمت کم ہوجاوے تو تاجر کو اپنے ملک کے سکہ کی نسبت سے رقم زیادہ ملے گی اور اس کا منافع صرف ممکن ہی نہیں بلکہ بسا اوقات فی الواقع بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ عقلی اور معمولی حساب کا مسئلہ ہے اور اس زمانہ میں اس اصول کے ماننے والے کہ گرتی ہوئی شرح تبادلہ تجارت کے لئے مفید ہے ہندوستان میں بکثرت تھے۔ یہی نہیں بلکہ سکہ اور مالیات کے سلسلہ میں جو کمیشن جاپان میں ۱۸۹۶ء میں اور مکسیکو میں ۱۹۰۳ء میں مقرر ہوئے تھے ان دونوں نے طے کیا تھا کہ جن ممالک میں معیار چاندی قایم ہے وہاں گرتی ہوئی شرح تبادلہ برآمد کے مال کی تجارت کے لئے باعث ترقی ہوتی ہے" صفحہ ۱۴۹

چونکہ ہندوستان میں زراعت پیشہ طبقہ مقروض ہے اور دست کار بھی اسی بلا میں مبتلا ہیں پس ان کے لئے روپے کی قیمت گرنا مفید ہوتی ہے۔ اس کے باعث ان کے مال کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے قرضہ بآسانی ادا کر سکتے ہیں مثلاً ایک کاشتکار دس روپے کا مقروض ہے تو وہ ایک بیگہ زمین غلہ کاشت کرکے اُسے انگلستان میں ایک ساورن کو فروخت کرکے اپنا قرضہ ادا کر سکتا ہے لیکن روپے کی قیمت گرجانے کی صورت میں اُسے اتنے ہی غلہ کے دام چودہ روپے مل جاتے ہیں تو دس روپے قرضہ دینے کے بعد بھی چار روپے اس کے پاس بچ جاویں گے جس کا خلاصہ بالفاظ دیگر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ گری ہوئی شرح تبادلہ مفید ہے۔

(۱) کاشتکاروں اور زمینداروں کے لئے (۲) دست کاروں اور ملک کے کارخانہ داروں کے لئے (۳) ملک کے مقروضوں کے لئے (۴) برآمد کے مال کو ترقی دینے کے لئے

اور مضر ہے (۱) درآمد کے مال کے لئے کیونکہ قیمت بڑھ جاتی ہے اور مہنگا پڑتا ہے (۲) گورنمنٹ ہند کے لئے وہ اپنے محصولات تو چاندی کے سکہ میں وصول کرتی ہے اور انگلستان کے مطالبات سونے کے سکہ میں ادا کرتی ہے اگرچہ یہ نقصان عارضی ہے۔ (۳) قرضخواہوں کے لئے۔ کیونکہ قیمت گر جانے سے اُن کی نقدی کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

بیسویں صدی کا آغاز اور مسئلہ سکہ

اُنیسویں صدی میں ہندوستان نے سکہ کے مختلف انقلابات دیکھے ہیں۔ سونے کے سکہ کا چلن بند کیا گیا پھر سونے کا سکہ رائج الوقت قرار دیا گیا اور صرف ایک سالہ تجربہ کے بعد صدی کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ اُس کا چلن پھر بند ہو گیا اور جہاں تک ہندوستان کا تعلق تھا اشیاء کی قیمتوں کا معیار روپیہ یعنی چاندی کو قرار دیا گیا۔ مگر ممالک خارجہ کے لیئے گورنمنٹ نے اس کی ذمہ داری لی (اگرچہ یہ ذمہ داری پوری نہ تھی) کہ وہ پندرہ روپیہ کا ایک ساورن دے گی یعنی اگرچہ اندرون ہند کے لیئے اشیاء کی قیمتوں کا معیار چاندی تھی مگر بیرونی ممالک کے لیئے معیار سونا تھا اور اس لیئے ان دونوں معیاروں کے مجموعہ کا نام معیار تبادلہ طلا رکھا گیا۔ کیونکہ باوجودیکہ ہندوستان میں معیار طلا جاری نہیں ہے پھر بھی جو معیار نقرہ جاری ہے وہ معیار طلا میں تبدیل ہو سکتا ہے اور یہ معیار تبادلہ طلا اس وقت بھی جاری ہے۔ اس صدی کے آغاز میں تین قسم کے سکے ہندوستان میں رائج تھے۔

(۱) سونے کا سکہ ساورن اور نصف ساورن جس کی قیمت قانوناً پندرہ روپۓ اور ساڑھے سات روپۓ مقرر تھی اور اگرچہ وہ لیگل ٹنڈر تھے لیکن گورنمنٹ ان کا رواجِ عام پسند نہیں کرتی تھی اور نہ اُن کے بنانے کے لیئے ہندوستان میں کوئی ٹکسال تھی۔

(۲) چاندی کا سکہ روپیہ جس کی قیمت اُس میں لگی ہوئی چاندی سے زیادہ تھی اور صرف گورنمنٹ ہی حسب ضرورت ٹکسال میں مسکوک کراتی تھی نیز اُن کے بنانے سے جو نفع ہوتا تھا اُس کو ایک جدا خزانہ میں محفوظ رکھتی تھی جس کا نام خزانہ معیار طلا رکھا تھا۔ اور روپۓ کی قیمت بیرونی ممالک میں تبادلہ کی اغراض کے لیئے سونے کے ایک ساورن کا پندرھواں حصہ یعنی ۱۶ پنس گورنمنٹ نے مقرر کر دی تھی۔ یہ روپیہ لیگل ٹنڈر بھی تھا اس کے حصے اکنی۔ دونی۔ چونی اور پیسہ بھی رائج تھے۔

(۳) کرنسی نوٹ۔ یعنی کاغذ کے نوٹ جو پانچ۔ دس۔ بیس۔ پچاس۔ سو۔ ہزار اور دس ہزار کی رقوم کے ہوتے تھے ان سکوں کے رائج رکھنے اور معیار تبادلہ طلا کو قائم رکھنے نیز روزانہ ضروریات کے لیئے گورنمنٹ ہند اپنی دولت تین خزانوں یا خزانہ کی تین شاخوں میں رکھتی تھی جو اب تک قائم ہیں اور اُن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) خزانہ عامہ جس میں گورنمنٹ کا مالیہ جمع ہوتا ہے اور اخراجات دیئے جاتے ہیں۔
(۲) خزانہ مخصوصہ نوٹ جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ نوٹوں کے تبادلہ میں روپیہ دیا جا سکے
(۳) خزانہ قائمی معیار طلا۔ اس خزانہ میں وہ نفع کی رقم جمع رہتی تھی جو روپیہ مسکوک کرنے سے گورنمنٹ کو

حاصل ہو اس کی غرض معیار تبادلہ ساورن کو قایم رکھنا تھی۔ ابتداً اس خزانہ کا کثیر حصہ انگلستان میں رہتا تھا لیکن ۱۹۱۷ء سے کلیتاً انگلستان ہی میں رہتا ہے۔

ہندوستان کی طرح انگلستان میں بھی وزیر ہند کی ماتحتی میں خزانہ کی تینوں شاخیں قایم ہیں۔ یہہ ذہن نشین کرنے کے لیے کہ گورنمنٹ تبادلہ طلا کے معیار کو کس طرح قایم رکھتی ہے خزانہ کی ان تینوں شاخوں کی نوعیت کا سمجھنا ضروری ہے۔

خزانہ عامہ

مرکزی اور صوبجاتی گورنمنٹوں کی جو کچھ بھی آمدنی ہوتی ہے اسس خزانہ عامہ میں رکھی جاتی ہے جو ضلع کے صدر مقام کے علاوہ سب ڈویزن کے صدر مقامات میں بھی ہوتا ہے نیز یہ آمدنی امپیریل بنک میں بھی رکھی جاتی ہے۔ اور کلکتہ۔ بمبئی۔ مدراس میں جو روپیہ فوری ضروریات سے زائد ہوتا ہے وہ خزانہ محفوظ میں رکھا جاتا ہے۔ خزانہ عامہ میں گورنمنٹ کے روپے کے علاوہ ڈسٹرکٹ بورڈوں۔ میونسپلٹیوں۔ ڈاک خانہ کے سیونگ بنکوں کا روپیہ اور دیگر متفرق رقوم مثلاً پراویڈنٹ فنڈ۔ عدالتوں کی رقوم اور اس طرح دوسری مدات کی رقوم بھی جمع ہوتی ہیں۔ اس خزانہ کی ایک شاخ انگلستان میں وزیر ہند کی ماتحت رہتی ہے جس کی غایت یہ ہے کہ گورنمنٹ ہند کو جو روپیہ انگلستان میں خرچ کرنا ہو مثلاً قرضوں کے سود ادا کرنا۔ قرضے ادا کرنا جو انگلستان میں گورنمنٹ ہند نے لیے ہیں۔ تنخواہیں یا پنشنیں دینی یا ریلوں اور نہروں نیز فوجوں کے لیے سامان کی خریداری کرنی اس کا بھگتان وزیر ہند اس خزانہ سے کردیں جن میں سے صرف سود قرضوں تنخواہوں اور پنشنوں وغیرہ کی رقم مارچ ۱۹۱۶ء میں دو کروڑ ۴۰ لاکھ پونڈ تھی اسی خزانہ سے قرضہ جات ریلوے کا سود اور منافع بھی دینا پڑتا ہے اس خزانہ کا حصہ کثیر بنک آف انگلینڈ میں رکھا جاتا ہے۔

کرنسی نوٹ کا خزانہ:۔ ہندوستان میں گورنمنٹ کی جانب سے ۱۸۶۱ء کے قانون پاس ہونے سے پہلے نوٹ کا چلن نہ تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں بعض کمپنی کی ایجنسیوں اور اُن کے بنکوں نے کمپنی کی اجازت سے نجی طور پر نوٹ جاری کیے تھے جو لیگل ٹنڈر نہ تھے چنانچہ ہندوستان بنک جو ۱۷۷۰ء میں الگزنڈر کمپنی نے قایم کیا تھا وہ اور دو بنک اور کلکتہ میں اپنے نوٹ چلاتے تھے جن کی تعداد بعض اوقات بیس ۲۰ پچیس ۲۵ لاکھ روپیہ تک ہوجاتی تھی اور بعض اوقات گھٹ کر دو ۲ اور ۳ لاکھ روپیہ رہ جاتی تھی نوٹوں کے چلانے میں فائدہ یہ ہے کہ بجائے قیمتی دھات دینے لینے کے کاغذ سے کام چل سکتا ہے اور اس طرح جو روپیہ بچتا ہے اُس کو کاروبار میں لگا کر فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے لیکن اس کے لیے ہمیشہ ضرورت یہ ہوتی ہے کہ نوٹ جاری کرنے والا بنک اُن کے تبادلہ میں روپیہ دینے کے لیے ہر وقت تیار رہے کیونکہ بعض اوقات غلط افواہوں کی بنا پر ہل چل مچ جاتی ہے اور لوگ نوٹ کے روپے کا مطالبہ

کرنے لگتے ہیں ایسے وقت میں اگر روپے کا بھگتان نہ ہو تو ہوا خیزی ہو کر معاملہ خراب ہو جاتا ہے چنانچہ ہندوستان بنک کو ایسا موقع پیش آیا کہ سنہ ۱۸۱۹ء میں اس نے ایک نوٹس جاری کیا جس میں اصلی اور جعلی نوٹ کی شناخت بتلائی گئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں افواہ مشہور ہو گئی کہ فلاں دن تک بنک سے اگر نوٹوں کے روپے نہ لے لیئے گئے تو پھر روپیہ نہ ملے گا اور اثر یہ ہوا کہ فوراً لوگوں نے نوٹوں کا روپیہ وصول کرنا شروع کر دیا اور چند ہی یوم میں بنک کو ۱۸ لاکھ روپیہ دینا پڑا لیکن بنک اس دھکے کو برداشت کر گیا۔ اسی طرح جنوری سنہ ۱۸۲۹ء میں پامر کمپنی کے دیوالیہ ہو جانے کی وجہ سے اس بنک کو تخمیناً ۲۰ لاکھ روپے کے نوٹوں کا بھگتان کرنا پڑا اور اس جھمیلے کو بھی سہ گیا

ایک دوسرا بنگال بنک سنہ ۱۸۰۹ء میں قایم ہوا وہ بھی نوٹ چلایا کرتا تھا مگر سنہ ۱۸۶۲ء میں ختم ہو گیا

کمرشل بنک سنہ ۱۸۱۹ء میں شروع ہوا اور اس کے نوٹوں کا چلن ۱۶ لاکھ روپے کے قریب تھا لیکن سنہ ۱۸۲۸ء میں بہت سے بنک دیوالیہ ہو گئے تو اس نے نوٹوں کا کاروبار کم کر دیا اور سنہ ۱۸۳۳ء میں بند ہو گیا۔

کلکتہ بنک سنہ ۱۸۲۴ء میں قایم ہوا تھا اس کا نوٹوں کا بیوپار ۲۰ لاکھ روپیہ کے قریب تھا۔

سنہ ۱۸۶۱ء کے قانون پاس ہونے سے پہلے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا گیا تھا اس نے اپنی رپورٹ میں بتلایا ہے کہ اس وقت بنکوں کے نوٹوں کی جانچ کرنے سے معلوم ہوا کہ بنک آف بنگال۔ بنک آف بمبئی اور بنک آف مدراس ہر سہ پریسیڈنسی بنکوں کا مجموعی بیوپار ہ کرور روپے کا تھا۔ غدر کے زمانہ میں اس کی تعداد گھٹ کر دو کرور تک رہ گئی تھی

• یکم مارچ سنہ ۱۸۶۲ء سے نوٹوں کا کاروبار گورنمنٹ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بنکوں کو اپنے نوٹ چلانے کی ممانعت ہو گئی سنہ ۱۸۶۲ء کے قانون نوٹ کی بنیاد بنکوں کے تجربہ پر رکھی گئی اور تجویز یہ کی گئی کہ

(۱) نوٹ کم سے کم دس روپیہ تک کے جاری کیئے جاویں۔

(۲) نوٹوں کے اجرا کے خیال سے ہندوستان کو تین حلقوں میں تقسیم کیا جائے۔

(۳) جتنی رقم کے نوٹ جاری کیئے جاویں اتنا روپیہ خزانہ میں رکھا جاوے یا بصورت چاندی کے ۹۷۹ روپے کے مقابلہ میں ۱۰۰۰ تولہ چاندی رکھی جاوے نیز سونے کے سکے یا سونا خزانہ میں جمع ہو جانے کی صورت میں اس کی قیمت کے نوٹ جاری کیئے جاویں۔ اس خزانہ سے بقدر ۴ کرور روپے کے گورنمنٹ سکیورٹیز (تمسکات) میں سود پر چلائے جانے کی اجازت دی گئی کیونکہ ہندوستانی بنکوں کے تجربہ کی بنا پر یہ رائے قایم کی گئی تھی کہ چار کرور روپے کے نوٹوں کی ہندوستان میں اتنی کھپت ہو گی کہ اُن کے بھنانے اور تبادلہ کی نوبت بھی نہیں پہونچے گی اس لیئے بقدر اس رقم کے سود پر چلا کر فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے اس خزانہ کا نام (کاغذی نوٹ کا خزانہ) ہے

یہ قانون ۵۰ برس تک بلا کسی ترمیم کے جاری رہا۔ البتہ وقتاً فوقتاً اُس رقم میں اضافہ ہوتا رہا جو اس خزانہ سے بہ ضمانت سرکار سود پر اُٹھائی جاتی تھی یعنی سنہ ۱۸۷۱ء میں دو کروڑ روپیہ مزید سود پر چلانے کی منظوری دی گئی اور سنہ ۱۸۹۰ء سنہ ۱۸۹۶ء اور سنہ ۱۹۰۵ء اور سنہ ۱۹۱۱ء میں دو دو کروڑ روپیہ کا اضافہ ہوتا رہا اور ۱۴ کروڑ روپیہ گورنمنٹ سکیورٹیز میں سود پر چلا دیا گیا۔

نوٹوں کے خزانہ کی ابتدا سنہ ۱۸۶۲ء سے ہوئی اُس وقت سے سنہ ۱۸۹۸ء تک یہ خزانہ ہندوستان ہی میں رہتا تھا لیکن سنہ ۱۸۹۸ء میں ایک قانون کی رو سے جو گولڈ نوٹ ایکٹ کے نام سے مشہور ہے گورنمنٹ ہند کو اجازت دیدی گئی کہ اگر انگلستان میں وزیر ہند کے پاس کچھ روپیہ یا سونا جمع ہو تو اُس رقم کو نوٹوں کے خزانہ کا جزو سمجھ کر بقدر اُس رقم کے نوٹوں کا اجرا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۵ء سے اس خزانہ کی ایک شاخ انگلستان میں بھی قائم ہوگئی جنگ عظیم شروع ہونے کے وقت نوٹوں کے خزانہ کی تفصیلی کیفیت حسب ذیل تھی۔

مالیت نوٹ	رقم نقد موجودات خزانہ نوٹ				رقم جو گورنمنٹ ضمانت میں دیر لگی ہوئی تھی		
	ہندوستان میں چاندی	ہندوستان میں سونا	انگلستان میں سونا	میزان	ہندوستان میں	انگلستان میں	میزان
۶۷ کروڑ ۱۲ لاکھ روپیہ	۲۰ کروڑ ۵۳ لاکھ	۲۲ کروڑ ۳۴ لاکھ	۹ کروڑ ۱۵ لاکھ	۵۲ کروڑ ۱۲ لاکھ	۱۰ کروڑ	۴ کروڑ	۱۴ کروڑ

ماخوذ از (انڈین فنانس و بنکنگ صفحہ ۲۵۶)

رفتہ رفتہ انگلستان کے نوٹوں کے خزانہ میں روز افزوں ترقی ہوتی گئی

سنہ ۱۹۱۳ء میں سکہ کی تحقیقات کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا گیا جس نے منجملہ دیگر امور کے نوٹ کے خزانہ کے متعلق بھی سفارشات کیں جن کی رو سے گورنمنٹ کو نوٹ کے خزانہ سے مزید رقوم سود پر چلانے کی اجازت دے دی گئی کمیشن کی سفارشات یہ تھیں۔

(۱) نوٹ کے خزانہ میں سے روپیہ سود پر چلانے کے لئے معیار یہ مقرر کیا جاوے کہ جو نوٹ خزانہ میں ہوں اُن کی بقدر کل مالیت کے اور جو نوٹ جاری شدہ ہوں اُن کی مالیت کا بقدر ایک ثلث کے روپیہ سود پر چلایا جاوے اور ہمیشہ اس کا لحاظ رہے کہ جاری شدہ نوٹوں کی مالیت کا بقدر دو ثلث کے روپیہ یا چاندی یا سونا خزانہ میں موجود رہے۔ جو رقم سود پر چلائی جاوے اُس میں سے ۲۰ کروڑ روپیہ تو مستقلاً گورنمنٹ سکورٹیز میں لگا یا جاوے بقیہ رقم عارضی طور پر انگلستان میں خواہ ہندوستان میں سود پر دی جاوے۔

(۲) جائز ذرائع سے ہندوستان میں نوٹوں کی ترویج کی کوشش کی جاوے اور پانسو روپے کا نوٹ عام کر دیا جائے یعنی نوٹ کسی حلقہ کا بھی ہو ہندوستان بھر میں چل سکے اور بشرط ضرورت

گورنمنٹ اُس کے روپے دینے کے لئے آمادہ رہے۔

(۳) جو سونا نوٹ کے خزانہ میں جمع ہو معمولاً اُس کو ہندوستان میں چلا دیا جاوے۔ مگر جس وقت شرح تبادلہ گھٹنے لگے تو سونا صرف انگلستان بھیجنے کے لئے پبلک کو دیا جاوے۔

ان سفارشات کے ماتحت خزانہ کی وہ رقم جو سود پر چلائی جاتی تھی بڑھا دی گئی نیز خزانہ کے مقاصد میں شرح تبادلہ کو قایم رکھنا بھی اضافہ کر دیا گیا۔ اگرچہ عملاً اس سے پہلے بھی اس رقم کو اس غرض سے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اس کی باقاعدہ سفارش اسی رپورٹ میں ہوئی۔

یہ رپورٹ ابھی چھپی ہی تھی اور اس کی سفارشات پر عملدرآمد کی نوبت نہ پہنچی تھی کہ اگست ۱۹۱۴ء سے جنگ عظیم شروع ہو گئی اور گورنمنٹ کو روپے کی بہت زیادہ ضرورت ہوئی جو زیادہ تر نوٹوں سے پوری کی گئی۔ مگر نوٹوں کے لئے خزانہ میں چاندی رکھنے کی ضرورت تھی جس کا امکان نہ تھا اس وجہ سے نوٹوں کے خزانہ کی اُس رقم میں جو سود پر لگائی جا سکتی تھی روز بروز اضافہ ہونے لگا اور اس کے جواز کے لئے وقتاً فوقتاً قوانین بنائے جاتے رہے۔ حتیٰ کہ ۱۹۱۹ء میں صلح ہو جانے کے بعد بھی قانون کی رو سے ۱۰۰ کروڑ روپے کا سود پر چلائے جانے لگے حالانکہ اس وقت کل جاری شدہ نوٹوں کی مالیت صرف ۱۵۳ کروڑ روپیہ تھی اس زمانہ میں منجملہ ۱۰۰ کروڑ روپیہ کے ۸۲ کروڑ ۵۰ لاکھ روپیہ انگلستان میں اسٹرلنگ سکیوریٹیز میں لگا ہوا تھا نیز ۱۹۱۹ء کے آخر میں سود پر چلائی جانے والی رقم ۱۲۰ کروڑ کر دی گئی جس میں سے ۲۰ کروڑ ہندوستان میں اور ۱۰۰ کروڑ انگلستان میں لگانی ضروری تھی (رپورٹ بے بنگٹن کمیٹی صفحہ ۳)

اس رقم کے بڑھ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ۱۹۱۸-۱۹ء میں چاندی کا نرخ بڑھنے لگا تھا جس کی وجہ سے روپیہ مسکوک کرانے میں گورنمنٹ کو جو منافعہ ہوتا تھا وہ کم ہونے لگا اور رفتہ رفتہ بجائے نفع کے نقصان تھا تو ایسی حالت میں روپیہ کے مسکوک کرانے اور چلانے کا موقع نہ تھا اور نوٹوں کے مقابلہ میں خزانہ میں رکھنے کو چاندی نہ تھی پس سوائے اس کے کچھ چارہ کار نہ تھا کہ سود پر لگی ہوئی رقم میں اضافہ کیا جاوے۔ کاغذ کے نوٹ کی فراوانی اور روپے کی کمی کی وجہ سے پبلک میں بے چینی اور نوٹوں کے تبادلہ میں روپیہ لینے کا رجحان اور فکر تھی اُس کی روک تھام یوں کی گئی کہ گورنمنٹ نے جو سہولتیں ہندوستان کے سب خزانوں میں نوٹ کے بھنانے کی دے رکھی تھیں اُن کو مسدود کر دیا گیا اور صرف مدراس۔ کلکتہ۔ بمبئی۔ کراچی۔ لاہور۔ کانپور اور رنگون شہروں میں جو ہندوستانی حلقہائے نوٹ کے مرکز ہیں اور جہاں نوٹوں کے روپے دینے کی گورنمنٹ قانوناً پابند ہے نوٹ کے تبادلہ کو جاری رکھا لیکن وہاں سے بھی روپیہ دوسرے مقامات کو نہ لے جا سکنے کی غرض سے ایک قانون کے ذریعہ سے ریل اور جہاز سے چاندی سونے اور روپے کی ایک معین مقدار سے زیادہ لے جانے و بھیجنے کی

ممانعت کر دی گئی۔ اور ان تدبیروں سے یہ مشکل یہ مصیبت کا زمانہ ختم ہوا۔

کمیشن ۱۹۱۹ء | ۱۹۱۹ء میں ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا گیا جو بے بنگٹن کمیٹی کے نام سے مشہور ہے

اس کمیشن نے اپنی رپورٹ ۲۲ دسمبر ۱۹۱۹ء کو پیش کی جس میں لکھا

(۱) اگرچہ چیمبرلین کمیشن رپورٹ کی رو سے گورنمنٹ کے پاس جاری شدہ نوٹوں کے عوض میں بصورت نقد ۱۱۹ کروڑ روپیہ خزانہ میں جمع ہونا چاہیئے مگر واقعہ یہ ہے کہ صرف ۸۰ کروڑ روپے خزانہ میں تھے۔ اور اس کمیشن کی رائے میں یہ رقم بھی زیادہ تھی اس لیئے اُنھوں نے تجویز کیا کہ آئندہ جس قدر مالیت کے نوٹوں کا مجموعہ ہو (یعنی جو نوٹ بنائے جاویں خواہ وہ جاری ہوں یا گورنمنٹ کے پاس جمع رہیں) اُس کا چالیس فیصدی سکہ یا چاندی اور سونا گورنمنٹ کے اس خزانہ میں جمع ہونا کافی ہے۔

(۲) جو روپیہ سود پر لگایا جاوے اُس میں بطریقہ موجودہ ۲۰ کروڑ روپیہ ہندوستان میں لگایا جائے بقیہ تمام رقم انگلستان میں سود پر لگائی جاوے۔

(۳) علاوہ معمولی جاری شدہ نوٹوں کے فصل کے شروع ہونے پر چونکہ روپے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس لیئے اُس مال کی ضمانت پر جو ہندوستان سے باہر جانے والا ہو ۵ کروڑ روپے تک کے نوٹ مزید جاری کر دیئے جاویں اور وہ نوٹ پریسیڈنسی بنکوں کو بحساب تین روپیہ فی صدی سالانہ سود پر قرض دیئے جاویں

اس رپورٹ کے اجرا کے بعد بھی نوٹوں کے خزانہ کی قریب قریب وہی حالت رہی جو پہلے تھی البتہ نوٹوں کا جاریہ بڑھتا رہا اور عارضی طور پر ۵ کروڑ روپے کے زائد نوٹ بھی جاری کیئے جانے لگے ۱۹۲۵ء میں پھر ایک تحقیقاتی کمیشن جو ہلٹن ینگ کرنسی کمیشن کے نام سے مشہور ہے مقرر کیا گیا اور اس نے اپنی رپورٹ ۱۹۲۶ء میں پیش کی اور یہ تجویز کیا کہ کرنسی نوٹوں کے خزانہ اور معیار سونے کے خزانہ کو ایک جا کر دینا چاہیئے۔ اور اس کو ذریعہ ہند اور گورنمنٹ ہند کے تحت سے نکال کر ایک جدا بنک کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ شرح تبادلہ میں کیا جاوے گا۔ لیکن اس تجویز پر عملدرآمد نہیں ہوا اور اب بھی دونوں خزانہ علیٰحدہ علیٰحدہ قایم ہیں۔

خزانہ معیار طلا | جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ۱۸۹۹ء میں فاولر کمیشن نے یہ تجویز کیا تھا کہ روپیہ مسکوک کرنے اور چلانے سے گورنمنٹ کو جو منافعہ ہو اُس کا سونا خرید کر علیٰحدہ جمع کیا جاوے کمیشن کی یہ تجویز خزانہ معیار طلا کی بنیاد تھی کمیشن نے اس خزانہ کے قیام کا مقصد یہ بتایا تھا کہ "جب کبھی شرح تبادلہ کا رجحان کمی کی طرف ہو تو اس خزانہ سے سونا نکال کر روپے کے تبادلہ میں بیرونی ممالک کو بھیجا جاوے" یعنی جب بازاری نرخ سے روپیہ کا سونا پوری مقرر مقدار میں نہ مل سکے تو گورنمنٹ روپے کے بدلے لوگوں کو سونا پوری مقررہ مقدار میں اس غرض سے دیدے کہ لوگ دیگر بیرونی ممالک سے اپنے معاملات سونے کے سکہ میں چکا سکیں اور روپے کی قیمت دوسرے ممالک کے بازاروں میں

گرنے نہ پائے یعنی شرح تبادلہ قایم رہے۔

کمیشن کی اس تجویز کی بنا پر گورنمنٹ ہند اور وزیر ہند کے مابین کچھ عرصہ تک خط و کتابت ہوتی رہی اور بالآخر وزیر ہند نے اس تجویز کی منظوری بذریعہ اپنی چٹھی مورخہ ۱۳ دسمبر سنہ ۱۹۰۰ عیسوی دے دی لیکن تجویز یہ کیا کہ یہ خزانہ لندن میں رکھا جاوے جس کی بابت مسٹر فنڈلے شراس لکھتے ہیں کہ "اگرچہ گورنمنٹ ہند کا منشا تو اس خزانہ کو علاوہ ہندوستان میں رکھنے کا تھا تاکہ اس کا تالہ کنجی اُن کے ہاتھ میں رہے۔ لیکن وزیر ہند نے یہ طے کیا کہ یہ منافعہ کی رقم ہندوستان سے انگلستان بھیجی جاوے اور وہاں اسٹرلنگ سکیورٹیز میں سود پر چلا دی جاوے کیونکہ انگلستان ہی وہ ملک تھا جہاں شرح تبادلہ قایم رکھنے کے لیئے اس خزانہ کی ضرورت تھی"۔

پس سنہ ۱۹۰۱ء سے ٹکسال کا منافعہ بذریعہ جہاز انگلستان جانے لگا لیکن سنہ ۱۹۰۵ء سے طریقہ انتقال بذریعہ جہاز کو ترک کر دیا گیا اور انتقال بذریعہ وزیر ہند کی ہنڈیوں کے ہونے لگا۔ یعنی انگلستان کے سوداگر جب مال کی قیمت ہندوستان بھیجنی چاہتے تھے تو وزیر ہند سوداگروں سے قیمت لیکر خزانہ معیار طلا میں جمع کر کے گورنمنٹ ہند کے نام ہنڈی لکھدیتے اور گورنمنٹ ہند اس کا بھگتان ٹکسال کے منافعہ کے روپے سے کر دیتی اس طریقہ سے یہ رقم انگلستان پہونچ جانے کے علاوہ گورنمنٹ کو یہ فائدہ بھی ہوا کہ رقم کی روانگی کے خرچ سے بچ گئی اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ کمیشن کے نام سے اتنی رقم جو سوداگروں کو سونا ہندوستان بھیجنے میں کرایہ اور بیمہ میں خرچ کرنی پڑتی گورنمنٹ اُن سے وصول کر لیتی تھی۔

سنہ ۱۹۰۷ء تک یہ خزانہ سال بسال بڑھتا گیا اور اس خزانہ سے وزیر ہند کو خرچ کچھ بھی نہیں کرنا پڑا لیکن سنہ ۱۹۰۸ء میں بارش کم ہونے کی وجہ سے ملک کی پیداوار کم ہوئی۔ اور ولایت مال کم گیا جس کی وجہ سے ہندوستان میں باہر سے روپیہ بھی کم آیا اور انگلستان میں روپے کی قیمت گرنی شروع ہو گئی یعنی شرح تبادلہ گھٹنے لگی جس کو قایم رکھنے کا صحیح طریقہ صرف یہ تھا کہ ہندوستان میں وزیر ہند کے نام ایک روپیہ میں ۱۶ پنس کے حساب سے ہنڈیاں فروخت کی جائیں۔ کیونکہ گورنمنٹ اگر ایک روپے کے ۱۶ پنس دینے کو تیار ہو جاتی تو ایک روپے کے ۱۵ پنس کون خرید سکتا تھا۔ لیکن بمشورہ وزیر ہند گورنمنٹ نے ابتداءً ایسا کرنے سے انکار کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۵ نومبر کو ایک روپیہ کی قیمت ۱۵ ۱۱/۱۶ پنس ہو گئی اُس وقت گورنمنٹ ہند نے مجبورًا ہنڈیاں بیچنی شروع کیں اور پانچ دن کے اندر اندر شرح تبادلہ ۱۵ ۲۷/۳۲ پنس ہو گئی اس طرح رفتہ رفتہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۹ء میں شرح تبادلہ ۱۵ ۱۵/۱۶ کے نرخ پر قایم ہو گئی۔ اس سال بارش خوب اور فصل اچھی ہوئی اور مشکلات کا زمانہ گزر گیا لیکن اس تھوڑے سے عرصہ میں شرح تبادلہ قایم رکھنے کے لیئے خزانہ معیار طلا سے ۸۰ لاکھ پونڈ یا ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ خرچ کرنا پڑا۔

کمیشن کی تجویز کے مطابق معیار طلا کا کل خزانہ سٹرلنگ سکیورٹیز میں سود پر لگا دیا جاتا تھا مگر سنہ ۱۹۰۸ء کے تجربے

یہ معلوم ہوا کہ یہ طریقہ بہت غلط ہی کیونکہ ضرورت پڑنے پر سونا دستیاب ہونے میں بڑی دقت ہوتی ہی مسٹر فنڈلے شیراس نے صحیح لکھا ہی کہ "سود کا زیادہ لالچ کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہی" چنانچہ ۱۹۱۳ء میں جب چیمبرلین کمیشن مقرر ہوا تو اُس نے بصراحت یہ سفارش کی کہ اس خزانہ میں سونے کے سکہ بادھات کی مالیت رفتہ رفتہ ایک کرور ۵۰ لاکھ پونڈ کر دینی چاہیئے۔ اور اس کے بعد ہمیشہ یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ خزانہ میں کم از کم بقدر نصف رقم کے سونا یا سونے کا سکہ موجود رہے لیکن کمیشن کے رپورٹ کرنے کے تھوڑے ہی دن بعد جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ اور کمیشن کی سفارش پر عمل کرنے کا باستثنائے ۱۹۱۵ء کبھی موقع ہی نہیں ملا۔ ۱۹۱۵ء میں منجملہ ایک کروڑ ۴۳ لاکھ ۶ ہزار پونڈ کے سونا ۱۲ لاکھ پچاس ہزار پونڈ کا خزانہ میں موجود تھا مگر اس کے بعد ۱۹۱۹ء تک اس خزانہ میں کوئی بھی رقم بصورت نقد جمع نہیں رہی حالانکہ ۳۱ مارچ ۱۹۱۵ء کو اس خزانہ کی جمع میں جو رقم کھڑی تھی حسب ذیل ہی:

چاندی کے سکہ کا منافعہ من ابتدائے سنہ ۱۹۰۰ء لغایتہ ۳۱ مارچ ۱۹۱۵ء	۲،۸۸،۲۳،۵۹۲ پونڈ
سود جو اس رقم سے حاصل ہوا	۸۰،۷۴،۱۹۵ پونڈ
شرح تبادلہ کا منافعہ بعد منہائی کل نقصانات	۱،۹۴،۹۱۴ پونڈ
میزان	۳،۷۰،۱۲،۷۰۲ پونڈ

۱۹۱۹ء میں بے بگٹن اسمتھ کمیشن مقرر ہوا تھا اس نے بھی اصولاً چیمبرلین کمیشن کی تائید کی کہ اس خزانہ میں کچھ سونا نقد رہنا چاہیئے کل رقم سود پر نہ چلائی جاوے مگر یہ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ بجائے نقد رکھنے کے تھوڑی میعاد کے قرضہ میں لگا دیا جاوے۔ ۱۹۲۰ء میں اس خزانہ سے کثیر رقوم شرح تبادلہ قائم رکھنے میں صرف ہوئیں جن کا مفصل بیان شرح تبادلہ کے سلسلہ میں کیا جاوے گا۔

ایک زمانہ سے ہندوستانیوں کا مطالبہ تھا کہ یہ روپیہ ہندوستان کا ہی اور اس کا خزانہ ہندوستان ہی میں رہنا چاہیئے تاکہ ضرورت کے وقت کام آسکے نیز گورنمنٹ ہند بھی اس پر مصر تھی لیکن کمیشن نے اس مطالبہ کو کوئی اہمیت نہیں دی تاہم ہندوستانیوں کی اشک شوئی کے لیے یہ تجویز کی کہ جو سونا اس خزانہ میں بصورت نقد ہو اس میں سے نصف ہندوستان میں رکھا جاوے اور نصف انگلستان میں۔ اور جو رقم سود پر چلائی جاوے وہ سب انگلستان میں رکھی جاوے لیکن اس خزانہ میں بظاہر کبھی بھی وہ معقول رقم بصورت نقد جمع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ اس لیے یہ خزانہ ہندوستان میں قائم نہیں ہوا۔ چنانچہ جب سال ۱۹۲۶ء میں ہلٹن ینگ تحقیقاتی کمیشن کا تقرر ہوا تو اس خزانہ میں ۴ کروڑ پونڈ جمع تھا اور سب کا سب انگلستان میں سود پر چڑھا ہوا تھا کمیشن مذکور نے جیسا کہ خزانہ کرنسی نوٹ کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہی۔ ان دونوں خزانوں کو یکجا کر کے ریزرو بنک کے سپرد کرنے کی تجویز کی تھی جو نامنظور ہوگئی اور یہ خزانہ بدستور ابھی تک انگلستان ہی میں ہی۔

بیسویں صدی کا دور اوّل از ۱۹۰۱ء تا ۱۹۱۴ء

بیسویں صدی کے آغاز میں جو سکّے رائج تھے اس دور میں وہ ہی جاری رہے البتہ ۱۹۰۰ء کے تجربہ کے بعد سے گورنمنٹ ساورن یعنی سونے کے سکّے کو چلانا نہیں چاہتی تھی اگرچہ اس نے یہ ذمہ داری لے رکھی تھی کہ ساورن اور نصف ساورن کے تبادلہ میں پندرہ روپے اور ساڑھے سات روپے دے گی لیکن روپے کے تبادلہ میں ساورن دینے کی ذمہ داری نہ تھی تاہم اگر خزانہ میں ساورن ہوتے تھے تو روپے کے تبادلہ میں پبلک کو دیئے جاتے تھے۔

کیونکہ ہندوستان میں کوئی سونے کی ٹکسال نہیں تھی یہ کہنا مشکل ہے کہ اس زمانہ میں کتنا ساورن چل رہا تھا لوگ نجی طور پر سونا اور ساورن باہر سے ہندوستان میں لاتے تھے اور بقول بے بنگٹن کمیٹی "بمبئی اور پنجاب کے صوبوں میں ساورن کا استعمال کوئی غیر معمولی بات نہ تھی" یعنی ان دونوں صوبوں میں ساورن معمولی طور پر چلتا تھا لیکن دراصل چلن چاندی کے سکے یعنی روپیہ کا تھا جو اب تک چل رہا ہے مگر روپے کی قیمت اس کی چاندی کے وزن کی مالیت سے زیادہ ہے اور گورنمنٹ نے قانوناً یہ ذمہ داری لے رکھی ہے کہ بیرونی ممالک کے واسطے وہ روپے کو ساورن کا پندرھواں حصہ سمجھے گی اور اسی حساب سے ساورن دے گی اس وجہ سے روپے کی قیمت اور شرح تبادلہ کے قیام کا انحصار بجائے اس کی واقعی قیمت کے ذہنی قیمت قایم رکھنے پر ہے جو دو طریقہ سے رہ سکتی ہے۔

(۱) تجارتی منڈیوں میں ہندوستان قرضخواہ رہے مقروض نہ ہو یعنی اس کے برآمد کردہ مال کی قیمت درآمد شدہ مال کی قیمت سے زیادہ رہے اور بیرونی ممالک کو ان قیمتوں کی ادائیگی کے لیے ہندوستان کا روپیہ خریدنے کی ضرورت رہے یعنی بالفاظ دیگر میزان تجارت اس کے حق میں رہے۔

(۲) روپے کے تبادلہ میں مقررہ شرح پر سونا دینے کے لیے گورنمنٹ تیار رہے۔

اِن دونوں باتوں میں سے اگر ایک بھی برقرار رہے گی تو شرح تبادلہ قایم رہے گی۔ لیکن میزان تجارت چونکہ عملاً سال بھر کے اعداد جوڑنے ہی سے معلوم ہوتی ہے اور دوران سال میں وقتی طور پر کبھی باہر سے مال زیادہ آجاتا ہے اور کبھی ہندوستان سے زیادہ چلا جاتا ہے اس لیے اس معاملہ میں گورنمنٹ کی مداخلت لازمی اور ضروری رہتی ہے۔

چونکہ تجارتی لین دین کا بھگتان نیز وزیر ہند کی اس معاملہ میں امداد بیشتر ہنڈیوں کے ذریعہ کی جاتی ہے

اس لیئے ہنڈاون کے طریقۂ کار کو پورے طور پر ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے جو حسب ذیل ہے:-

ہنڈی کی ضرورت:- ہندوستان دوسرے ممالک سے مال منگاتا ہے اور اپنا مال وہاں بھیجتا بھی ہے مثلاً فرض کیجئے کہ جاپان سے ہندوستان نے سال بھر میں دس کروڑ روپے کا مال منگایا اور پانچ کروڑ روپے کا مال جاپان بھیجا تو اُس کی قیمت کا بھگتان یوں ہوگا کہ ہندوستان دس کروڑ روپے کا سونا جاپان بھیجتا اور پانچ کروڑ روپے کا سونا جاپان سے ہندوستان کو آتا۔

پس دونوں طرف سے لانے اور لے جانے کا نتیجہ آخر یہ نکلتا کہ صرف پانچ کروڑ روپے کا سونا جاپان جاتا اس لیئے ہر سودے کے بھگتان کا سونا لانے اور لے جانے کی طوالت اور صرفہ کثیر سے بچنے کا طریقہ کار رہ گیا دنیا میں یہ ہوگیا ہے کہ بہت سے بنک بن گئے ہیں جو تبادلہ کے بنک کہلاتے ہیں اور ان بنکوں کی جگہ جگہ شاخیں ہیں اسی طرح ایک ہی بنک کی ایک شاخ ہندوستان میں اور ایک شاخ جاپان میں ہے پس ہندوستان کے لوگوں کو جو سونا جاپان بھیجنا ہوتا ہے وہ ہندوستان کی شاخ میں روپیہ جمع کر دیتے ہیں بنک والے جاپان سونا بھیجنے کا جو خرچ[1] ہوتا ہے اُس سے کچھ کم صرفہ لیکر جاپان کی شاخ کے نام ہنڈی[2] کر دیتے ہیں اور اسی طرح جاپان والے ہندوستان کی شاخ کے نام ہنڈی کرا لیتے ہیں۔ اگر بنک والے ہنڈی کا کمیشن روپیہ کی روانگی کے خرچہ سے بڑھا دیں اور ہنڈی خریدنے میں کفایت اور بچت نہ رہے تو لوگ بذریعہ جہاز سونا ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجکر اپنا کام نکال لیتے ہیں اسی طرح سال بھر تک ہوتا رہتا ہے اور آخر سال میں جس ملک کی شاخ کا باقی سونا زیادہ ہوتا ہے اُس کو سونا بذریعہ جہاز بھیجدیا جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا مثال میں پانچ کروڑ روپے کا سونا ہندوستان سے بذریعہ جہاز جاپان بھیجدیا جاوے گا۔ ہنڈی کا کام ضرور نہیں کہ بنک ہی کریں۔ بلکہ ایسے سوداگر جن کا مال جاپان گیا ہوا ہے ایسے آدمیوں کو ہنڈی دے سکتے ہیں جنہوں نے جاپان سے مال منگایا ہو۔ اس طریقہ سے ہنڈی کا ایک بازار قایم ہوگیا ہے جس میں ہر قسم کی ہنڈیوں[3] کی مانگ رہتی ہے۔ اگر ایک شخص کو جاپان روپیہ بھیجنے کی

---

[1] خرچ میں سونے کے بھیجنے کا واقعی خرچ۔ بیمہ وغیرہ کا خرچہ اور اس زمانہ کا سود جو سونے کے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے میں صرف ہوتا حساب میں لگایا جاتا ہے۔

[2] ہنڈی کہتے پرچے کو ہیں جو ایک سوداگر دوسرے سوداگر کے نام اس مضمون کا تحریر کرتا ہے کہ حامل کو اس قدر روپیہ دیدو

[3] ہنڈی کے لکھنے والے اور جس طریقہ اور غرض سے وہ لکھی جاتی ہے اُس کے اعتبار سے اس کے مختلف نام ہوتے ہیں مثلاً جب جاپان میں مال بھیجے ہوئے ہونے کی حالت میں اُس کی ضمانت پر ہنڈی لکھی جاوے تو وہ تجارتی ہنڈی (Trade Bill) کہلاتی ہے لیکن اوقات شرح تبادلہ سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے بلا ایسے مال کی ضمانت کے سوداگر ہنڈیاں دیتے ہیں وہ مالی ہنڈی (Finance Bill) کہلاتی ہے جو ہنڈی وزیر ہند گورنمنٹ ہند کے نام کرتے ہیں وہ وزیری ہنڈی

فوری ضرورت ہو تو وہ بازار میں جاپان کی ہنڈی کی تلاش کرے گا اور اگر ہندوستان کے لوگوں کا مال کثرت سے جاپان گیا ہوا ہے تو ہنڈی آسانی سے اور سستی یعنی کم صرفہ پر مل جاوے گی لیکن اگر مال کم گیا ہوا ہے تو دقت سے اور مہنگی یعنی زیادہ صرفہ پر ملے گی اور ضرورتمند مہنگی ہنڈی خریدے گا۔ ہندوستان میں مہنگی ہنڈی خریدنے کے یہ معنی ہوئے کہ ہندوستان کے زیادہ تعداد روپے کے مقابلہ میں جاپان کے این (Yen) کم تعداد میں ملے یعنی ہندوستان کے روپیہ کی شرح تبادلہ گر گئی۔ اس شرح تبادلہ گرنے کی ایک حد ہے وہ یہ کہ جب شرح تبادلہ اتنی گر جاوے کہ سونا بھیجنے میں جو خرچ ہوتا ہے اس سے زیادہ ہنڈی میں دینا پڑے تو ایسی مہنگی ہنڈی کوئی نہ خریدے گا بلکہ سونا براہ جہاز جاپان بھیجے گا اس خاص قیمت کو انگریزی میں گولڈ اکسپورٹ پوائنٹ Gold Export Point (نقطہ برآمد طلا) کہتے ہیں۔ اور جس وقت ہنڈی کی شرح نقطہ برآمد پر پہونچ جاتی ہے پھر اس سے نیچے نہیں گرتی۔ واضح ہو کہ شرح تبادلہ کمزور اسی وقت ہوتی ہے جب برآمد کے مال کی کمی ہو اور درآمد کے مال کی زیادتی۔ مگر جس وقت برآمد کے مال کی زیادتی ہوگی تو ہنڈی سستی ملے گی یعنی ہندوستان کے روپے کے مقابلہ میں جاپان کا این زیادہ ملے گا لیکن اس کی بھی ایک حد ہے یعنی ہنڈی بھیجنے والے کو جاپان کا این اتنا زیادہ دینا نہ پڑے کہ اس کے اس صرفہ سے جو جاپان سے بذریعہ جہاز سونا منگانے کا پڑتا زیادہ ہو جائے تو وہ ہنڈی نہیں بھیجے گا بلکہ جاپان سے سونا منگوالے گا۔ اس نرخ کو انگریزی میں Gold Import Point (نقطہ درآمد طلا) کہتے ہیں۔ اس طرح پر ہم دیکھتے ہیں کہ شرح تبادلہ زیادہ سے زیادہ نقطہ درآمد طلا تک اور کم سے کم نقطہ برآمد طلا تک ہو سکتی ہے اس کے اوپر جانے یا نیچے گرنے کا امکان نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر ہنڈی کے بجائے سونا ہی ایک ملک سے دوسرے ملک کو جانے لگے گا لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ سونے کے ایک ملک سے دوسرے ملک میں لانے لیجانے میں کوئی شرائط و پابندیاں نہ ہوں۔ شرائط و پابندی ہونے کی حالت میں ان نقاط کا قایم رہنا مشکل ہوگا۔

(۱) شرح تبادلہ برآمد مال کی کمی سے کمزور اور زیادتی سے مضبوط ہوتی ہے۔

(۲) شرح تبادلہ کی کمی کی انتہا نقطہ برآمد طلا سے کم اور زیادتی نقطہ درآمد طلا سے زیادہ نہیں ہو سکتی

(۳) شرح تبادلہ اس طرح سے جب ہی قایم رہ سکتی ہے کہ جب ایک ملک سے دوسرے ملک میں سونا لانے اور لیجانے میں کسی قسم کی شرائط اور پابندیاں نہ ہوں۔

انگلستان کی ہنڈیاں: جو مثال جاپان کی دی گئی ہے بعینہ یہی مثال انگلستان پر بھی صادق

(Council Bill) کہلاتی ہے اور جو ہنڈی گورنمنٹ ہند۔ وزیر ہند کے نام کرتی ہے وہ الٹی وزیری ہنڈی (Reverse Council Bill) کہلاتی ہے۔

آتی ہے۔ چنانچہ جس زمانہ میں ہندوستان کا روپیہ ۱۶ پنس کا تھا تو نقطہ برآمد طلا ۱۵ ۷/۸ پنس اور نقطہ درآمد طلا
۱۶ ۱/۸ پنس سمجھا جاتا تھا یعنی ایک روپیہ کا سونا لانے اور لیجانے کا خرچہ و سود وغیرہ ۱/۸ پنس شمار کیا جاتا
تھا جو برآمد میں گھٹا دیا جاتا تھا اور درآمد میں بڑھا دیا جاتا تھا۔

مگر دیگر ممالک کے باہمی تبادلہ اور ہندوستان کے ساتھ تبادلہ میں جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا ہے یہ
فرق ضرور ہے کہ ہندوستان کے سکہ کی (جس کا تبادلہ ہوتا ہے) یعنی روپیہ کی قیمت ذاتی اور اصلی نہیں ہے
بلکہ قانونی اور مصنوعی ہے لیکن ایسا ہونے سے اس پر اقتصادی قوانین کی پابندی اور زیادہ لازم ہو جاتی
ہے اُس سے آزاد نہیں ہو سکتا اور ایسے قوانین کی خلاف ورزی کرنے سے سوائے نقصان کے فائدہ نہیں
ہو سکتا۔ تمام ممالک میں تجارت کے مختتمہ بھگتان کے لئے سونا ہی کام میں آتا ہے اور جب کبھی شرح تبادلہ میں
گڑبڑ ہوتی ہے تو سونا اُس کو درست کر دیتا ہے۔ تمام ایسے ممالک جن میں معیار طلا ہے یہ دستور ہے کہ جب وہاں کے
لوگوں کو بیرونی ممالک میں رقم بھیجنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اُن کی گورنمنٹ سونا دیدیتی ہے اور بس اُس کے
بھیجنے بھجوانے کا انتظام سونا لینے والا خود کرتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔

اسی طرح گورنمنٹ ہند بھی روپیہ کا سونا باہر لیجانے کی غرض سے دیدیتی تھی لیکن اس کے علاوہ اس
نے یہ مزید ذمہ داری بھی لے رکھی تھی کہ وہ سونا انگلستان پہونچا بھی دے گی۔ حالانکہ معیار طلا کے ممالک میں
یہ کام جہازراں کمپنیوں کا ہے اور گورنمنٹ کو ایسے کام سے کچھ غرض نہیں ہوتی۔ تاہم ہندوستان گورنمنٹ
ایسا کرتی ہے۔

ہندوستان اور انگلستان کے درمیان تجارت میں برآمد کی قیمت ہمیشہ درآمد کی قیمت سے زیادہ
ہوتی ہے اس لیئے ہندوستان کو انگلستان سونا بھیجنے کی کبھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ انگلستان ہی کو
ہندوستان روپیہ بھیجنا پڑتا ہے۔ البتہ انگلستان کے مطالبات کی ادائیگی میں گورنمنٹ ہند کو سونا بھیجنے کی ضرورت
ہو سکتی تھی سو وہ وزیر ہند کی ہنڈیوں سے یوں پوری ہو جاتی تھی کہ سال کی مختتمہ میزان تجارت کے بھگتان
کیلئے جو سونا ہندوستان آنیوالا ہوتا تھا اُس میں سے بقدر اپنے مطالبات کے وزیر ہند لے لیتے تھے اور اُس کی
ہنڈی گورنمنٹ ہند کے نام کر دیتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ نہ تو گورنمنٹ ہند کو کبھی وزیر ہند کے نام ہنڈی لکھنے
کی ضرورت ہوتی تھی اور نہ قانوناً بلا اجازت وزیر ہند گورنمنٹ ہند ایسی ہنڈی کر سکتی تھی صرف قحط سالی وغیرہ ہو جانے
کے زمانہ میں ہندوستان کی برآمد مال کم ہو جانے کی وجہ سے ہندوستان کو واقعی طور پر سونا باہر بھیجنے کی
ضرورت ہوتی تھی۔ تو گورنمنٹ ہند الٹی وزیری ہنڈیاں وزیر ہند کے نام دے دیتی تھی جیسا کہ ۱۹۰۸ء اور ۱۹۱۸ء
میں ہوا تھا مگر زمانہ جنگ یورپ سے پھر کبھی اس کی نوبت نہیں آئی۔

ہندوستان کی میزان تجارت کا بھگتان کس طرح ہوا۔ کیونکہ بہت سی رقوم ایسی آجاتی ہیں جن کی آمد برآمد کی جانچ کرنا ممکن نہیں ہے۔ جس کو نہ دکھائی دینے والی در آمد برآمد کہتے ہیں یہ رقوم کرایہ۔ بیمہ کا خرچ کمپنیوں کا منافعہ وغیرہ جیسی ہوتی ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل تو ہوتا ہے لیکن اُس کی جانچ پڑتال کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تاہم ان اعداد سے معاملہ کے سمجھنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

ان اعداد کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۰۸-۱۹۰۷ء اور ۰۹-۱۹۰۸ء میں میزان تجارت بمقابلہ ۰۷-۱۹۰۶ء کے بقدر ایک کروڑ ۳۰ لاکھ پونڈ اور ۲ کروڑ ۳۴ لاکھ پونڈ کم ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ہندوستان میں بارش کی کمی کی وجہ سے مال کم پیدا ہوا تھا اور باوجود اس کے کہ ان سالوں میں بھی آخر سال میں میزان تجارت ہندوستان کے ہی حق میں رہی عارضی طور پر پریشانی ہوگئی تھی اور شرح تبادلہ گھٹنے لگی تھی جس کا تذکرہ خزانہ معیار طلا کے سلسلہ میں ہو چکا ہے کہ ۱۹۰۷ء کی برسات کم ہونے سے دقتیں شروع ہوئیں اور نومبر ۱۹۰۷ء ہی کا بھاؤ گرنے لگا اور اکتوبر ۱۹۰۸ء تک یہ دقتیں باقی رہیں جبکہ اچھی برسات ہو جانے کی وجہ سے معاملہ پھر سنبھل گیا۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۰۸ء کے اکتوبر تک شرح تبادلہ کو سنبھالے رکھنے کے لئے گورنمنٹ ہند نے الٹی وزیری ہنڈیاں Reverse Council Bill فروخت کیں اور اسی وجہ سے ان دونوں سالوں میں وزیر ہند کی ہنڈیوں کی میزان بہت کم ہے۔

ان تمام پریشانیوں کی جو متذکرہ بالا دو سالوں میں پیش آئیں ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں سونے کا سکہ نہیں ہے اور چاندی کا سکہ ایسا ہے جس کی قیمت اُس کے چاندی کے وزن کی قیمت سے بہت زیادہ ہے۔ ذرا سی کچھ بات ہوئی اور خیالات پریشان ہو کر اعتبار میں فرق آیا اور قیمت فوراً گرنے لگی۔

وزیر ہند کی ہنڈیاں ۔ نقشہ بالا سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ وزیری ہنڈیوں کی تعداد اس مطالبہ سے بالعموم بہت زیادہ ہے جو انگلستان کے ہندوستان کو ادا کرنے پڑتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۸۹۳ء تک چاندی کی ٹکسال بند نہیں ہوئی تھی اور روپیہ کی قیمت اُس کی چاندی کی قیمت کے برابر تھی تو گورنمنٹ کو شرح تبادلہ میں نہ تو کسی طرح کی مداخلت کی ضرورت تھی اور نہ مداخلت سے کچھ فرق پڑ سکتا تھا اس لیے گورنمنٹ صرف اپنے مطالبات ہی کے بقدر ہنڈیاں کرتی تھی لیکن جب ۱۸۹۳ء میں چاندی کی ٹکسال پبلک کے لیے بند کر دی گئی اور روپیہ کی قیمت قانوناً بڑھا دی گئی تو روپیہ ایک ایسی جنس ہو گئی جو گورنمنٹ ہی سے مل سکتی تھی اور گورنمنٹ کا خیال تھا کہ اس جنس کی قیمت اس کو کمیاب کر کے بڑھائی جا سکتی ہے اس لیے خود گورنمنٹ نے بھی اپنی ضرورتوں کے لیے پانچ سال تک چاندی کا سکہ مسکوک نہ کیا اور کچھ دنوں کے لیے وزیری ہنڈیاں بھی فروخت کرنی چھوڑ دیں۔ بالآخر ۱۸۹۸ء سے روپیہ کی قیمت درست ہو گئی اور لوگ روپیہ اور اس کی چاندی کی قیمت کا

فرق سمجھنے لگے۔ اس وقت سے وزیر ہند ہنڈیاں گورنمنٹ نہ صرف اپنے مطالبات کے لئے بلکہ دیگر اغراض کے لئے بھی فروخت کرنے لگی۔ اس کی ابتدا یوں کی گئی کہ ۱۸۹۸ء میں گولڈ نوٹ ایکٹ پاس کیا گیا جس کی رو سے وزیر ہند سونا لیکر اپنے یہاں جمع کر لیتے اور گورنمنٹ ہند کے نام ہنڈی دیدیتے اور اس قانون سے یہ فائدہ ہوگیا کہ جب کبھی وزیر ہند کی ہنڈی سکارنے کے لئے گورنمنٹ ہند کے پاس روپیہ نہ ہوتا تھا تو وزیر ہند کے اسی خزانہ کی ضمانت پر گورنمنٹ ہند نوٹ چھاپ کر جاری کر دیتی تھی اور ہنڈی سکار دیتی تھی۔ بقول مسٹر فنڈلے شیراس "اگر ایسا نہ کیا جاتا تو لوگ نجی طور پر سونا ہندوستان لے جاتے اور گورنمنٹ ہند کے خزانہ میں داخل کر کے اس کے نوٹ لیتے اور خزانہ میں سونا بیکار جمع ہو جاتا جس کو گورنمنٹ نامناسب سمجھتی تھی لہذا اس وقت سے ہنڈیاں اس غرض سے فروخت کی جانے لگیں کہ نوٹوں کے خزانہ میں سونا بیکار جمع نہ ہو اور جب چاندی خریدنے کی ضرورت ہو تو انگلستان بھیجنا نہ پڑے۔" مزید براں یہ کہ اسی قانون سے نوٹوں کے خزانہ انگلستان کی بنیاد پڑی۔

گورنمنٹ ہند کو سونے سے ہمیشہ ہی کچھ نفرت سی رہی ہے اس کے خیال میں ہندوستان میں جو شخص بھی سونا لاتا ہے اس کی غرض سوائے نوٹ خریدنے کے اشرفی یا روپیہ لینے کی ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے لوگوں کی بہبودی کے لئے ہر ایسی رقم کو جو وہ ہندوستان لانا چاہتے تھے اُن سے لیکر انگلستان کے نوٹوں کے خزانہ میں داخل کر دیا جاتا تھا اور ہندوستان میں انھیں نوٹ دیدیئے جاتے تھے۔

یہی نہیں بلکہ معیار طلا کے خزانہ کا روپیہ جو ٹکسال کے منافع سے جمع کیا جاتا تھا ۱۹۰۱ء سے وہ بھی ہنڈیوں کے ذریعہ سے انگلستان منگانا شروع کر دیا تھا نیز ۰۸-۱۹۰۷ء میں فصل خراب ہونے کی وجہ سے معیار طلا کے خزانہ میں جو کمی ہو گئی تھی وہ بھی ۱۹۰۹ء میں ہنڈیاں فروخت کر کے پوری کی گئی اور اس کے بعد سوداگروں کو آسانی پہونچانے کے لئے بھی ہنڈیاں فروخت کی جانے لگیں۔ یہاں تک کہ وزیر ہند نے ۱۶ ۳/۳۲ پنس فی روپیہ کے حساب سے بلا تعین تعداد ایسے سونے کی ضمانت پر بھی ہنڈیاں فروخت کر دیں جو آسٹریلیا اور مصر سے ہندوستان جانے والا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سونا تو انگلستان جاتا رہا اور ہنڈیاں ہندوستان میں سکاری جاتی رہیں اور رفتہ رفتہ وزیر ہند اپنی ضروریات سے بہت زیادہ رقوم کی ہنڈیاں بھیجنے رہے جس کی بابت مسٹر فنڈلے شیراس لکھتے ہیں کہ "اگرچہ وزیر ہند کی ہنڈیوں (کونسل ڈرافٹ) کے فروخت کرنے سے غرض یہ ہے کہ انگلستان میں جو سالانہ رقم اخراجات اور مالیات کے سلسلہ میں ۲ کروڑ پونڈ کی ہندوستان سے آتی ہے اور اس کے علاوہ خرید و فروخت کے لئے ۶۰ لاکھ پونڈ آتے ہیں وہ ہنڈیوں کے ذریعہ سے آجاویں مگر اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جس قدر میزان تجارت بحق ہندوستان ہے اس کا بھگتان بھی ہنڈیوں

کے ذریعہ سے انگلستان میں ہی ہو جاوے اور سوداگروں کو ہندوستان میں زیادہ سونا لے جانے کی ضرورت نہ رہے کیونکہ ہندوستان کی پبلک میں سونے کی کھپت کی زیادہ گنجائش نہیں ہے" صفحہ ۳۱۳

ہنڈیوں کی فروختگی پر ۱۴-۱۹۱۳ء میں چیمبرلین کمیشن نے اعتراض کیا تھا کہ بعض اوقات وزیر ہند بلا ضرورت بہت کم قیمت پر ہنڈیاں فروخت کر دیتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے اُس اختیار تمیزی پر جو تعداد ہنڈی اور اُن کی قیمت مقرر کرنے کا وزیر ہند کو حاصل ہے کوئی شرط سوائے اس کے عائد نہیں کی کہ ایسے نرخ سے کم پر نہ فروخت کی جاویں جو نقطہ طلا سے کم ہو۔ کمیشن کی رائے تھی کہ کسی مقررہ نرخ پر ہنڈیاں بیچی نہیں چاہئیں اور بطور دلیل کے لکھا تھا کہ "گورنمنٹ کو شرح تبادلہ کے کلی اختیارات (Monopoly) لے لینا مناسب نہیں ہے اور یہ مشکل بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نرخ مقرر کر کے سال بھر تک گورنمنٹ نباہ سکے کیونکہ ایک نرخ مقررہ پر بعض اوقات ہنڈیوں کی بکری کم ہو جانے کا احتمال ہے جس کی وجہ سے ہندوستان میں زیادہ روپیہ جمع رکھنے کی ضرورت ہوگی"۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ وزیر ہند کبھی بھی ہنڈی ایسے نرخ سے کم پر نہ بیچیں جو ہندوستان سونا لے جانے کے صرفہ کی برابر ہو مگر کمیشن نے اُن لوگوں سے اختلاف کرتے ہوئے کہا تھا کہ "کم سے کم نرخ (خواہ وہ کوئی نرخ ہو) مقرر کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شرح تبادلہ کی کمی بیشی اُتنی نہ ہو سکے گی جتنی کہ اب ہو سکتی ہے۔ اس تجویز کے مقصد سے ہم کو ہمدردی ضرور ہے کیونکہ اس وقت شرح تبادلہ میں کمی بیشی بہت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہندوستان اور دیگر ممالک میں سرمایہ کی آمد و رفت میں بہت رُکاوٹ ہے لیکن شرح تبادلہ کی کمی بیشی جہاز کے کرایہ اور بیمہ کے خرچ پر منحصر ہے وہ ایک فطرتی امر ہے اور اُس کو اگر کسی طرح پر کم کیا جائے تو گورنمنٹ پر مزید ذمہ داریاں عائد ہو جاویں گی جن کے برداشت کرنے کے لیئے ہم کوئی کافی وجہ نہیں پاتے اس لیئے ہماری رائے ہے کہ گورنمنٹ کو بازار کے نرخ پر کام کرنا چاہیئے اور اپنے روپیہ کو ایسے زمانہ میں منگانا چاہیئے جب اُس کے منگانے میں نفع ہو۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہیئے کہ تبادلہ کے بازار میں گورنمنٹ کی کارروائی کے مناسب یا نامناسب ہونے کی جانچ اس امر پر منحصر ہے کہ اُس کی ضرورت کیسی اور شرح تبادلہ کیا ہے" (از فنڈلے شیراس صفحہ ۳۰۵)

وزیری ہنڈیوں کے نیلام کا وقت اور نرخ | جنگ عظیم شروع ہونے سے پہلے ہنڈیاں ہفتہ میں ایک مرتبہ نیلام کی جاتی تھیں۔ وزیر ہند کا اعلان یہ تھا کہ وہ ہنڈیاں ۱۶ ۱/۸ پنس فی روپیہ کے حساب سے بلا تعین تعداد فروخت کریں گے جس کی وجہ سے شرح تبادلہ اس رقم سے زیادہ بڑھنے نہ پاتی تھی بلکہ مقابلہ جو کچھ ہوتا تھا وہ اس شرح سے کم کے لیئے ہوتا تھا۔ وزیر ہند اپنی ضروریات نیز تجارت کے حالات و ضروریات کے اعتبار سے ہر ہفتہ ہنڈیوں کی تعداد مقرر کرتے تھے اور لوگ ٹنڈر دیتے تھے۔ ٹنڈر کھلنے پر جن لوگوں کی قیمت سب سے زیادہ ہوتی تھی اُن کو ہنڈی دیدی جاتی تھی لیکن جب ٹنڈروں کی تعداد ہنڈی کی تعداد سے زیادہ

ہوتی تھی تو سب سندر دینے والوں میں حصہ رسد ہنڈیاں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ کم سے کم نرخ جس پر عموماً ہنڈیاں فروخت کی جاتی تھیں وہ ۱۵ ۱۹/۳۲ پنس ہوتا تھا۔ اگر تجارت کی کساد بازاری کی وجہ سے شرح تبادلہ اس نرخ سے گھٹتی ہوئی معلوم ہوتی تھی تو وزیر ہند ہنڈیاں فروخت کرنی بند کر دیتے تھے۔ اور اس ترکیب سے بھی حالت نہ سنبھلتی تو گورنمنٹ ہند (ریورس کانسل) الٹی وزیری ہنڈیاں فروخت کرنا شروع کر دیتی تھی جن کا نرخ عموماً ۱۵ ۲۹/۳۲ پنس ہوتا تھا۔ اور وزیر ہند ان ہنڈیوں کو خزانہ معیار طلا سے سکار دیتے تھے اور اس طرح شرح تبادلہ کو گرنے سے بچا لیا جاتا تھا۔ تاری ہنڈیوں کا نرخ معمولی ہنڈیوں سے زیادہ ہوتا تھا جو عموماً ۱۶ ۱/۳۲ کے نرخ پر بلا تعین تعداد فروخت کی جاتی تھیں بشرطیکہ ہندوستان میں بنک کے سود کی شرح ۸ فیصدی سے زیادہ نہ ہو۔ اگر شرح سود اس سے زیادہ ہوتی تو ۱۶ ۳/۳۲ کے نرخ سے فروخت کی جاتی تھیں۔

ہنڈیوں کے نیلام سے جو روپیہ وصول ہوتا تھا بالعموم وزیر ہند کے خزانہ عامہ میں جمع کیا جاتا تھا۔ اور حسب ضرورت نوٹوں کے خزانہ اور خزانہ معیار طلا میں بھی جمع کیا جاتا تھا۔ یعنی گورنمنٹ ہند جب ہنڈی کو نوٹوں سے سکارتی تھی تو نوٹوں کے خزانہ میں اور ٹکسال کے منافع سے سکارتی تھی تو خزانہ معیار طلا میں جمع ہوتا تھا۔

خلاصہ غرضکہ مذکورہ بالا طریقوں سے اس تمام زمانہ میں شرح تبادلہ قریب قریب ۱۶ پنس رہی سکے جاری رہے اور سونا بھی کم و بیش چلتا رہا۔ اور سوائے ۱۹۰۸ء کے کہ فصل خراب ہوئی فصلوں کی حالت اور تجارت کی حالت بھی درست تھی کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہو گئی۔

بیسویں صدی کا دور دوم از ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۹ء

یہ دور جنگ عظیم کے ابتدا سے شروع ہوتا ہے۔ لڑائی ہونے پر تو دفعتاً ہندوستان کو بھی نقصان پہونچا لیکن رفتہ رفتہ بعد میں حالات بدل گئے۔ نقصان و صدمات کا زمانہ ابتدائے جنگ سے ۱۹۱۵ء تک رہا۔ لڑائی کی خبر مشہور ہوتے ہی لوگوں میں پریشانی اور بے چینی پھیل گئی۔ بہت سے مارواڑی تاجر بمبئی سے اپنے وطن راجپوتانہ چلے گئے۔ گورنمنٹ بھی پریشان تھی۔ اس نے فوراً اپنے خزانہ کو سنبھالا اور حکم دیدیا کہ کسی شخص یا کارخانہ کے ہاتھ دس ہزار پونڈ سے کم سونا فروخت نہ کیا جائے۔ یہ کارروائی اس امید پر کی گئی تھی کہ ان شرائط کے ماتحت لوگ صرف ملک سے باہر بھیجنے کی ضرورت سے ہی سونا خریدیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ لوگوں نے پتی ڈال ڈال کر سونا خریدنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اگست کے پہلے چار روز میں ۱۸ لاکھ پونڈ کے قریب سونا گورنمنٹ کو فروخت کرنا پڑا تو مجبور ہو کر ۵ اگست ۱۹۱۴ء کو گورنمنٹ نے یہ طے کر دیا کہ کسی شخص کے ہاتھ بھی سونا فروخت نہ کیا جاوے۔

سکہ اور شرح تبادلہ لوگوں نے نکال لیا جو کل جمع شدہ رقم کا چہارم حصہ
ڈاکخانوں سے بھی اگست اور ستمبر دو مہینوں میں ۶ کروڑ روپیہ لوگوں نے نکال لیا جو کل جمع شدہ رقم کا چہارم حصہ
تھا اسی طرح متذکرہ صدر مہینوں میں ۴ ۱/۲ کروڑ روپیہ نوٹوں کا دیا گیا جس میں سے ۲ ۳/۴ کروڑ روپیہ صرف صوبئی کو
دیئے گئے لیکن فوری بے اطمینانی دور ہوگئی اور اعتبار و اعتماد بڑھتا گیا اور حالات ٹھیک ہونے لگے۔
اس عرصہ میں شرح تبادلہ قایم رکھنے کی بھی گورنمنٹ نے انتہائی کوشش کی چنانچہ وزیری ہنڈیاں اور الٹی
وزیری ہنڈیاں ۱۰ لاکھ پونڈ تک کی ہفتہ وار نیلام کی گئیں حالانکہ ۱۹۰۸ء کی قحط سالی کی پریشانی میں نہ تو مستقل طور
پر ہر ہفتہ ہنڈیوں کے نیلام کیئے گئے تھے نہ اس قدر تعداد کی ہنڈیاں فروخت کی جاتی تھیں بلکہ عموماً ۵ لاکھ پونڈ کی فروخت
کی جاتی تھیں اور کبھی دس لاکھ پونڈ کی کردی جاتی تھیں۔ یہ ہنڈیوں کا رجحان ابھی اگست ۱۹۱۴ء سے جنوری ۱۹۱۵ء تک
ہی رہا اس کے بعد تو ہنڈیوں کی مانگ ہونے لگی اور تارکی ہنڈیوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا اور ان امور ذیل کا خاص
طور پر گورنمنٹ نے لحاظ رکھا۔

(۱) شرح تبادلہ پورے طور پر قایم رکھنے کا عزم صمیم۔

(۲) لوگوں کے ہاتھ سونا فروخت نہ کیا جاوے۔

(۳) خزانہ معیار طلا میں جس قدر بھی روپیہ تھا جس کی تعداد ۴۰ لاکھ پونڈ تھی سونے میں تبدیل کر دیا گیا یہ سونا نوٹوں
کے خزانہ سے لیا گیا تھا۔

(۴) نوٹوں کے خزانہ میں بقدر رقم متذکرہ بالا سود پر لگائے جانے والے حصہ کا اضافہ کر دیا گیا۔

(۵) کرنسی نوٹوں کے اجراء و ترویج میں سہولتیں پیدا کی گئیں۔

یہ زمانہ تو جنگ کا دور اول تھا مگر ۱۹۱۵ء سے جو دور شروع ہوا وہ بڑا ہی دلچسپ ہے۔ اس زمانہ میں بیرونی
ممالک کو ہندوستان کی پیداوار اور مصنوعات کی مسلسل ضرورت رہی اور قیمتیں بھی بہت اچھی ملتی رہیں۔ برآمد بڑھتی اور
درآمد گھٹی لیکن سونے اور چاندی کی آمد میں رکاوٹیں پیدا ہو گئیں جس کی وجہ سے سکہ اور شرح تبادلہ میں بھی دقتیں
پیش آئیں۔

میزان تجارت کا بھگتان | جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے میزان تجارت کا بھگتان ذریعہ ہند کی ہنڈیوں اور
ہندوستان میں چاندی سونا آنے سے ہوا کرتا ہے اس عرصہ کے میزان تجارت کے بھگتان پر بحث و تبصرہ کرنے
سے پہلے زمانہ جنگ کے پانچ سال اور اس سے پہلے پانچ سال کا نقشہ دیتے ہیں۔

سنہ	میزان تجارت پونڈ میں	بھگتان: وزیری ہنڈیاں	بھگتان: چاندی سونا	بھگتان: میزان	باقی
۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۴ء	۲۶۲,۰۰۰,۰۰۰	۱۴۲,۰۰۰,۰۰۰	۱۲۰,۰۰۰,۰۰۰	۲۶۲,۰۰۰,۰۰۰	×
۱۹۱۴ء ۱۹۱۹ء	۲۵۴,۰۰۰,۰۰۰	۱۰۰,۰۰۰,۰۰۰	۳۶,۰۰۰,۰۰۰	۱۳۶,۰۰۰,۰۰۰	۱۱۸,۰۰۰,۰۰۰

جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جنگ کی میزان تجارت میں سے ۱۱ کروڑ ۸۰ لاکھ پونڈ کا بھگتان نہیں ہوا یعنی بقول مسٹر شیراس اس عرصہ میں ہندوستان بیرونی ممالک کو مال دست گرواں دیتا رہا اور اس کے معاوضہ حسب معمول بھگتان میں سونا چاندی نہ کھینچ سکے۔"

اور صرف اتنی ہی رقوم نہ تھیں جو کہ جنگ کی دقتوں کی وجہ سے ہندوستان نہ آسکیں بلکہ ان کے علاوہ بھی گورنمنٹ ہند کو لندن کے محکمہ جنگ کی جانب سے کثیر رقوم تقسیم کرنی پڑتی تھیں جن کا چاندی کے خزانہ سے ہندوستان کو انتظام کرنا بہت دشوار تھا۔ گورنمنٹ ہند برطانیہ اور اتحادی گورنمنٹوں کی ضروریات فراہم کرنے سامان جنگ اور آدمیوں کے بھیجنے کا بڑا کام کرنے والی جماعت تھی۔ جن کے لئے رقوم کی وصولیابی تو لندن میں کی جاتی تھی اور اُن کا بھگتان گورنمنٹ ہند کو اپنے خزانہ سے کرنا پڑتا تھا اور مشکل یہ تھی کہ لندن میں جو رقوم وصول ہو چکی تھیں اُن کو ایسے زمانہ میں کس طرح بھیجا جاوے جبکہ سونا تو اس کام میں لگایا نہیں جاسکتا اور چاندی دُنیا میں بہت کم اور مہنگی تھی (۵۵ انڈین فنانس وبنکنگ)

نیز عراق، فارس، مشرقی افریقہ میں جو لڑائیاں ہو رہی تھیں اُن کا مرکز بھی ہندوستان تھا اور یہیں سے گورنمنٹ سامان خرید خرید کر بھیجتی اور پلٹنوں کے لئے سپاہی بھرتی کرتی تھی مزید براں گورنمنٹ ہند نے برطانیہ کی جانب سے ۲۴ کروڑ پونڈ بطور قرض خرچ کیا اس کے علاوہ بعض ڈومینین (نوآبادیات) گورنمنٹ نے سامان وغیرہ خرید کر دیا اور امریکہ والوں کو بھی ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۹ء تک ۲۰ کروڑ کا مال قرض خرید وادیا۔ ان وجوہ سے چاندی کی ضرورت بہت تھی لیکن ملنا دشوار تھا اور بمصداق موئے پر سو دُرّے سوئے اتفاق سے میکسیکو میں خانہ جنگی ہو جانے کی وجہ سے چاندی کی پیداوار میں کمی ہوگئی پس ان سب وجوہات سے چاندی کی قیمت گراں ہونے لگی اور ستمبر ۱۹۱۷ء میں چاندی کی قیمت ۵۵ پنس فی اونس ہوگئی اور گورنمنٹ کو روپیہ مسکوک کرنے میں نقصان رہنے لگا مگر ستمبر ہی کے مہینے میں امریکن گورنمنٹ نے چاندی کے ملک سے باہر لے جانے کی عام لوگوں کو ممانعت کردی تاکہ قیمت زیادہ نہ بڑھنے پاوے اور خود چاندی کی فروخت شروع کر دی تب کہیں اکتوبر ۱۹۱۷ء سے اپریل ۱۹۱۸ء تک ۴۱ ۱/۲ اور ۴۹ ۱/۲ پنس فی اونس کے آس پاس چاندی کا نرخ رہا۔ اسی زمانہ میں گورنمنٹ ہند نے ایک وفد امریکن گورنمنٹ کے پاس بھیجا اور درخواست کی کہ اُن کو کسی طرح چاندی دے دے۔ امریکن گورنمنٹ نے وفد کی یہ درخواست منظور کر کے ۲۳ اپریل ۱۹۱۸ء کو Pitman پٹمین ایکٹ پاس کر دیا جس کی رو سے ۳۵ کروڑ چاندی کے ڈالر فروخت کئے گئے اور ان میں سے ہندوستان کو بیس کروڑ فائین اونس چاندی بحساب ۱۰۱ ۱/۴ سنٹ فی اونس مل گئی اور جولائی ۱۹۱۸ء سے یہ چاندی امریکہ سے ہندوستان آنے لگی ادھر جنگ بھی ختم ہوگئی اور انگلستان میں بھی مئی ۱۹۱۸ء سے اپریل ۱۹۱۹ء تک چاندی کا نرخ ۴۸ ۱/۲ پنس سے ۵۰ پنس تک رہا لیکن مئی ۱۹۱۹ء میں امریکہ اور انگلستان نے وہ

قیود اُٹھالیں جو چاندی کے بازار پر لگا رکھی تھیں تو چاندی کا نرخ پھر بڑھنے لگا۔
نوٹ کے خزانہ کا بیان لکھتے ہوئے بتایا جا چکا ہے کہ زمانہ جنگ میں چاندی کی کمی کی وجہ سے چاندی کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے پر قیود لگا کر اس سخت زمانہ کو نباہا گیا۔

زمانہ جنگ میں شرح تبادلہ | وزیر ہند کی ہنڈیوں کے اجرا کا طریقہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہفتہ وار نیلام کی جاتی تھیں اور زیادہ سے زیادہ رقم دینے والے کو ترجیح دی جاتی تھی لیکن جنگ شروع ہونے کے بعد سے شرح تبادلہ قایم رکھنے کے لیئے وزیر ہند ہنڈیوں کی شرح خود مقرر کرنے لگے۔ ۲۰ر دسمبر ۱۹۱۶ء سے شرح تبادلہ ہنڈی خریدنے والوں کی مرضی پر نہ رہا۔ بلکہ وزیر ہند کی مرضی پر ہوگیا اور ہنڈیاں صرف ایسے لوگوں کے ہاتھ فروخت کی جانے لگیں جن کا نام وزیر ہند کی منظور کردہ فہرست میں درج ہوتا تھا۔ اس طرح سے ہر فرم اور بنک کے لیئے ہنڈیوں کی وہ رقم جو وہ خرید سکتے تھے مقرر کر دی گئی تھی۔ لڑائی شروع ہونے کے چند دن بعد سولہ دن کی سکار سے جانے والی ہنڈی جاری ہوگئی اور معمولی ہنڈیاں بند ہوگئیں۔ نیز تار برقی کی ہنڈیاں چلنے لگیں۔ ہر ہفتہ ۱۰ لاکھ پونڈ کی ہنڈیوں کی تعداد مقرر کر دی گئی اور شرح فروخت تار کی ہنڈی کے لیئے ۱۶ ۱/۳۲ پنس اور ۱۶ دن کی ہنڈی کے لیے ۱۶ ۱/۸ پنس مقرر تھی لیکن جب چاندی کا نرخ بڑھنے لگا اور روپے کے مسکوک کرنے میں فائدہ نہ رہا تو ہنڈی کا نرخ بھی بڑھا دیا گیا ۲۸ر اگست ۱۹۱۷ء کو تار کی ہنڈی کا نرخ ۱۷ پنس کر دیا اور ساتھ ہی اس بات کا اعلان کر دیا کہ آئندہ (کائنسل ڈرافٹ) وزیری ہنڈیاں ایسے نرخ پر فروخت کی جاویں گی جس پر کہ چاندی خرید کی جا سکتی ہے۔

۱۲ر اپریل ۱۹۱۸ء کو ممالک متحدہ امریکہ سے چاندی کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد تار کی ہنڈیاں ۱۸ پنس کے حساب سے فروخت کی جانے لگیں اور یہ نرخ بھی ۱۳ر مئی ۱۹۱۹ء تک ہی رہا۔ کیونکہ اس تاریخ کے بعد چاندی کی فروخت پر جو قیود امریکہ اور برطانیہ نے لگا رکھے تھے اُٹھا لیئے اور چاندی کا نرخ اور بڑھ گیا تو تار کی ہنڈی کا نرخ بھی ۲۰ پنس کر دیا گیا اور اس کے بعد چاندی کے نرخ کے اعتبار سے ہنڈی کا نرخ بڑھتا ہی رہا حتیٰ کہ ۱۲ر اگست کو ۲۲ پنس ۱۵ر ستمبر کو ۲۴ پنس ۲۲ر نومبر کو ۲۶ پنس اور ۱۳ و ۲۰ دسمبر کو ۲۸ پنس ہوگیا۔

زمانہ جنگ میں سکّہ کی حالت | تجارت پر تاثرات جنگ بیان کرتے ہوئے چاندی کی کمی اور روپے کی ضرورت واضح طور پر بیان کی جا چکی ہے چونکہ زمانہ جنگ میں گورنمنٹ کو روپیہ خرچ کرنے کی زیادہ ضرورت تھی یکم دسمبر ۱۹۱۷ء سے ایک روپیہ کا نوٹ اور ۲ر جنوری ۱۹۱۸ء سے ڈھائی روپیہ کے نوٹ جاری کیئے گئے اور باوجود اس کے کہ گورنمنٹ ہندوستان میں ساورن چلانا کبھی بھی نہیں چاہتی تھی اور بالخصوص زمانہ جنگ میں سونے کا سکہ چلانا اور بھی مشکل تھا۔ تاہم بعض اوقات تو چاندی کے سکہ کی امداد کے خیال سے اور بعض اوقات پبلک میں اپنی ساکھ قایم رکھنے کے لیئے سونے کا سکہ بھی چلایا۔ چنانچہ آغاز ۱۹۱۷ء میں غلہ کی خریداری پر ۳ لاکھ

پونڈ کا سونا اور پچاس لاکھ کی ساورن لوگوں کو دی گئیں اس کے بعد فروری ۱۹۱۸ء میں ۵۰ لاکھ پونڈ شمالی ہند میں شاہی گندم کمیشن کے لیے غلہ خریدنے میں دیئے گئے۔ چونکہ ۱۹۱۸ء کے قانون کی رو سے جو شخص بھی ہندوستان میں سونا لاتا تھا اس کو گورنمنٹ لیکر نوٹ دیدیتی تھی سونا خزانہ میں بہت جمع ہو گیا تھا اور چاندی کی کمی تھی اس لیے ۱۹۱۸ء میں ٹکسال میں سونے کی اشرفیاں مسکوک کرائی گئیں اور ۲۱ اگست ۱۹۱۸ء سے سونے کی ٹکسال کی ایک شاخ کھول دی گئی تاکہ سکہ کی ضرورت پوری ہوتی رہے۔

زمانہ جنگ میں نوٹ خوب چلے چنانچہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں جاری شدہ نوٹوں کی مقدار بہ نسبت جنگ کے ابتدائی سنین کے ۱۹۰ فیصدی زیادہ تھی۔ اواخر ۱۹۱۸ء میں التوائے جنگ ہو جانے کے بعد اپریل ۱۹۱۹ء میں گورنمنٹ نے سونے کی ٹکسال کی شاخ بقول بے بنگٹن اسمتھ کمیٹی "ملازمان کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے عارضی" بند کر دی گئی۔ لیکن پھر اس کے کھولنے کی نوبت ہی نہ آئی۔

اس زمانہ میں گورنمنٹ کو سکہ کے متعلق جو مشکلات پیش آئیں اُن کا اندازہ اقتباس ذیل سے ہو سکتا ہے۔ "۱۹۱۸-۱۹ء میں جو اخراجات گورنمنٹ ہند کو کرنے پڑتے تھے اُن کے علاوہ (گورنمنٹ برطانیہ اور دوسر اتحادیوں کی) فرمائشات پوری کرنے کے لیئے چودہ کروڑ دس لاکھ روپے کی ضرورت تھی تاکہ وزیری ہنڈیوں کے علاوہ ان فرمائشوں کی قیمتوں کا بھگتان ہو سکے۔ روپے کی قلت کی وجہ سے گورنمنٹ ہند کو بڑی دقتوں کا سامنا تھا کیونکہ ان رقوم کی ادائگی کے لیئے قیمتی دھاتوں کی کافی مقدار ہندوستان بھیجنے کا سوال تو پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ انگلستان کے نوٹوں کے خزانہ میں سونے کی ایک بڑی مقدار رکھکر گورنمنٹ ہند اُسی مقدار کے نوٹ جاری کر دیتی۔ لیکن اس اندیشہ سے کہ لڑائی کا زمانہ ہے (مبادا سلطنت کی ساکھ میں فرق آجاوے) ایسا نہ کیا جا سکا تو بھی ایسے طریقہ سے جس کو لوگ پورے طور پر نہیں سمجھے ہندوستان میں نوٹ چلائے گئے اور آخر کے دو سالوں میں ۵ کروڑ ۳۹ لاکھ پونڈ کی ۲۹۰ ملین اونس چاندی جس کا ملنا اگرچہ مشکل تھا ہندوستان بھیجی گئی۔ ایک اور طریقہ بھی تھا کہ نوٹوں کے خزانہ سے ایک جزوی رقم برطانوی خزانہ کے بلوں میں سود پر لگادی جاوے یہ صورت اگرچہ بہ نسبت خزانہ میں سونا محفوظ رکھنے کے ادنی اور دوم درجہ کی تھی تاہم اس طریقہ سے بھی ہندوستان کے خزانہ سے نوٹ جاری کیئے گئے اور اُس مال کی قیمت جو اتحادیوں کے واسطے ہندوستان میں خریدا گیا تھا اور اُن ملازموں کی تنخواہیں جو اتحادیوں کی طرف سے رکھے گئے تھے ادا کی گئیں۔ حالانکہ اتحادیوں نے ان رقوم کی ادائگی انگلستان میں کر دی تھی۔ . . . . . .

بالآخر گورنمنٹ ہند نے قرضہ جنگ سے اور ہندوستانی خزانوں کے بلوں پر ہندوستان میں قرضہ لیکر ان رقوم کا بھگتان کیا۔ البتہ ایسی رقوم کی ادائگی نہیں ہوئی جو ہندوستانی قرضہ جنگ کے نام سے دی گئی تھیں

اور پھر برطانیہ کو نذر کردی گئی تھیں پس ۱۹-۱۹۱۸ء[1] (ایک سال میں) چودہ کروڑ بیس لاکھ پونڈ کی ادائگی کے لیے ۵ کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ کی تو چاندی آئی اور تین کروڑ ستر لاکھ پونڈ ہندوستانی قرضہ جنگ سے اور ۴ کروڑ پچاس لاکھ پونڈ مزید رقوم نوٹوں کے خزانہ سے سود پر چلا گیا اور ان کی ضمانت پر نوٹوں کے اجراء سے حاصل کیے گئے (انڈین فنانس اینڈ بنکنگ صفحہ ۵۹)

ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ باایں ہمہ کہ کاونش ۲ کروڑ ۳۰ لاکھ پونڈ ہندوستان کا قرضہ بذمہ انگلستان چلتا ہی رہا اور یہ کچھ غیر معمولی بات نہ تھی کیونکہ اس سے پہلے سالوں کی بھی اسی طرح کی رقوم انگلستان کے ذمہ تھیں اس کے سوا میزان تجارت کے بھگتان نہ ہونے سے بھی ہندوستان کی ایک کثیر رقم انگلستان کے ذمہ واجب تھی

عارضی صلح ۱۹۱۸ء اور شرح تبادلہ

ہندوستان کے لیے زمانہ جنگ فی الحقیقت اچھا زمانہ تھا اس زمانہ میں ہندوستان کا مال بھی بہ کثرت بکا لوگوں کو نوکریاں بھی خوب ملیں مصنوعات کی ترقی ہوئی لیکن اُس کی خدمات جنگ کا پورا صلہ اس وجہ سے نہیں ملا کہ وہ برطانیہ اور اُس کے اتحادیوں کو اپنی قدیم روایات کے خلاف مصیبت کے وقت تکلیف دینا نہیں چاہتا تھا اُس کو معلوم تھا کہ وہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے کہ جو کچھ مال اُس کے یہاں سے لیا جاتا ہے اُس کے معاوضہ میں خریدار سونا اور چاندی دیں لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اُس کی رقم بھی انگلستان میں جمع ہوتی رہی اور اپنے یہاں کے لوگوں کو عارضی طور پر کبھی نوٹوں سے اور کبھی قرضہ جنگ کی مد سے بھگتان کرتا رہا۔ ہندوستان کی اس فراخ حوصلگی کا موازنہ دوسرے ممالک سے کیا جا سکتا ہے چنانچہ بنگال چیمبر آف کامرس نے لکھا تھا کہ

"دوران جنگ میں ممالک متحدہ امریکہ کے خزانہ میں ۲۵ کروڑ پونڈ کے سونے کا اضافہ ہوا اسی طرح اسپین کے بنکوں میں ۷ کروڑ پونڈ ندرلینڈ میں ۴ کروڑ تیس لاکھ پونڈ سوئٹزرلینڈ میں ایک کروڑ ناروے سویڈن میں ایک کروڑ چالیس لاکھ پونڈ بڑھے لیکن ہندوستان میں صرف ۳ کروڑ ۶۰ لاکھ کا کل سونا آیا۔ بالفاظ دیگر یہ کہ جن ممالک کی آبادی ۱۱ کروڑ کے قریب ہے وہاں تو سونا ۳۸ کروڑ ۷۰ لاکھ کا گیا اور جس ملک کی آبادی اُن سے تگنی ہے اُس میں صرف ۳ کروڑ ۶۰ لاکھ پونڈ کا آیا" (شیراس ص۵۵)

جو نقشہ ہم ابتدا میں دے چکے ہیں اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ سے پانچ سال قبل ہندوستان میں سونے چاندی کی درآمد کا اوسط ۲ کروڑ ۴۰ لاکھ پونڈ سالانہ تھا لیکن لڑائی کے پانچ سال کے عرصہ میں کل ۳ کروڑ ۶۰ لاکھ پونڈ کا سونا آیا۔

---

[1] ہندوستان میں گورنمنٹ کا مالی سال یکم اپریل سے شروع ہوکر ۳۱ مارچ کو ختم ہوتا ہے اس لیے ایک سال کے لیے دو سال عیسوی تحریر کرنے پڑتے ہیں ۱۹-۱۹۱۸ء کا مطلب یہ ہے کہ یکم اپریل ۱۹۱۸ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۱۹ء تک۔

ممکن ہو کہ یہ کہا جاوے کہ اس زمانہ میں باہر سے تو سونا چاندی نہیں آیا مگر ممکن ہو کہ ہندوستانیوں نے روپیہ ہی بہ کثرت جمع کر لیا ہو۔ تو یہ بھی صحیح نہیں ہو کیونکہ لڑائی سے پانچ سال قبل سونا۔ چاندی اور روپیہ بقدر ۲۲۴ کروڑ کے ہندوستان میں کھپا تھا لیکن ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۹ء تک کل ۱۹۴ کروڑ روپے کھپے۔

بہر حال جوں توں کر کے زمانہ جنگ نکل گیا صلح بھی ہو گئی نیز گورنمنٹ کی کوشش و انتظام سے وہ خزانہ جس میں ۱۹۱۸ء میں ۶ کروڑ روپیہ کی چاندی رہ گئی تھی مارچ ۱۹۱۹ء میں ۱۶ کروڑ کی چاندی سے معمور تھا حالانکہ ۲۰ کروڑ ملین اونس چاندی جو امریکہ سے خریدی تھی پوری آ نہ چکی تھی (اس کی آخری قسط ۱۶ جولائی ۱۹۱۹ء کو ہندوستان پہونچی) انگلستان اور امریکہ میں اسٹرلنگ کی بابت جو معاہدہ ہوا تھا ۲۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو ختم ہو گیا اور امریکہ نے چاندی باہر بھیجنے کی ممانعت ۱۳ مئی ۱۹۱۹ء کو اور سونا باہر بھیجنے کی قیود و شرائط جون میں منسوخ کر دیں نیز گورنمنٹ کو بھی زمانہ جنگ کی طرح دوسری سلطنتوں کی طرف سے ہندوستان میں کروروں روپے خرچ کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی تھی اور چونکہ لڑائی ختم ہوتے ہی کاروبار بند سے ہو گئے تھے اُن میں بھی روپے کی کچھ زیادہ ضرورت نہ تھی تاہم گورنمنٹ نے جو شرائط و قیود ہندوستان میں چاندی اور سونے کی درآمد پر لگا رکھی تھیں انھیں نہ ہٹایا۔ نتیجی طور پر ہندوستان میں چاندی نہ تو آسکتی تھی نہ باہر ہندوستان سے جاسکتی تھی اگر باہر سے کوئی شخص سونا لاوے تو گورنمنٹ قانوناً اس کو خرید لیتی تھی ایسی حالت میں تجارتی بھگتان کے لیئے اگر مال کے عیوض مال ہندوستان میں منگایا جاتا تو دوسرے ممالک اور خود انگلستان میں مال تیار رہتا تھا اس لیئے دوسرے ممالک کے لوگوں کو روپے کی ادائگی کی سوائے اس کے کوئی اور صورت نہ تھی کہ وزیر ہند کی معرفت روپیہ بھیجیں۔ چاندی کے بازار کا حال یہ تھا کہ امریکہ تو اپنے قانون کی رو سے پابند تھا کہ اپنے ہی یہاں کی چاندی خریدے۔ رہا ہندوستان سو یہاں چاندی بکثرت تھی اور موقع بھی تھا کہ نرخ کی زیادتی کی وجہ سے باہر بھیجے لیکن مجبور تھا کہ زمانہ جنگ میں جو قانون بنا تھا ابھی تک نافذ تھا اور اس لیئے چاندی باہر نہیں بھیج سکتا تھا اس لیئے لندن کے بازار میں چاندی کی قیمت بڑھنی شروع ہوئی اور اُسی کے ساتھ ساتھ وزیر ہند نے بھی ہنڈی کی شرح تبادلہ بڑھانی شروع کر دی اور جو شرح تبادلہ لڑائی کے سخت سے سخت وقت میں ۱۸ پنس (نوٹ) سے زیادہ نہ ہوئی تھی وہ لڑائی ختم ہونے کے بعد قانون شرح تبادلہ کی خلاف ورزی کی بدولت بڑھنی شروع ہو گئی۔ کیونکہ شرح تبادلہ تعادل درآمد و برآمد سے اس وقت تک کبھی بھی گھٹ بڑھ نہیں سکتی جب تک کہ سونے کی درآمد و برآمد کی ملک میں رکاوٹ نہ ہو۔ پس چونکہ ہندوستان میں سونے کی درآمد ممنوع تھی حتیٰ کہ چاندی بھی نہ آسکتی تھی نہ جاسکتی تھی تو شرح تبادلہ بھی کسی ایک نرخ پر کیسے قایم رہ سکتی تھی بالخصوص ایسی حالت میں کہ خود وزیر ہند ہی چاندی کی قیمت کے ساتھ ساتھ اس کو بڑھا رہے تھے۔ اگر سونے اور چاندی کے داخلہ ہند پر قیود نہ رکھی جاتیں

تو شرح تبادلہ بڑھانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ کیونکہ ہندوستان میں ۱۹ر جون ۱۹۱۹ء کو سونے کا نرخ [illegible] فی تولہ تھا حالانکہ تارکی ہنڈی کا نرخ ۲۰ پنس تھا جس کے حساب سے سونے کا نرخ [illegible] فی تولہ ہونا چاہیئے تھا۔ اگر ہندوستان میں سونے کی درآمد ممنوع نہ ہوتی تو لوگ ایک پونڈ دے کر ہندوستان کو دس گیارہ روپے کیوں خریدتے وہ تو ہندوستان سونا بھیجکر ایک پونڈ میں ۲۲ روپے ادا کرسکتے تھے اسی طرح دسمبر ۱۹۱۹ء میں سونے کا نرخ ہندوستان میں [illegible] فی تولہ تھا اور ہنڈی کا نرخ ۲۸ پنس تھا یعنی ہنڈی کے نرخ کے اعتبار سے سونے کا نرخ [illegible] فی تولہ ہونا چاہیئے تھا حالانکہ سونا ہندوستان میں آنے سے یہ نرخ قائم نہ رہ سکتا تھا غرضکہ گورنمنٹ کی یہ احتیاط کہ ہندوستان میں سونے کی درآمد ممنوع رکھے جبکہ ہندوستان میں بھی زمانہ جنگ میں سونا زیادہ جمع ہو چکا تھا اور امریکہ سے جو سونے کی منڈی ہے سونے کی درآمد برآمد پر کوئی روک ٹوک نہ رکھی تھی شرح تبادلہ کے مسلمہ اصول کی خلاف ورزی تھی۔ اور اسی وجہ سے اس زمانہ میں بھی دقت اُٹھائی اور آئندہ سال بھی پریشان رہے۔

۱۹۱۹ء میں گورنمنٹ نے شرح تبادلہ اور سکہ کی تحقیقات کے واسطے کمیشن مقرر کیا جس نے ۲۲ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو اپنی رپورٹ دی۔ کمیشن کی اس رپورٹ کے ساتھ ہی بیسویں صدی کا دور ثانی ختم ہو کر تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔

کرنسی کمیشن ۱۹۱۹ء

جنگ عظیم کے بعد سکہ اور شرح تبادلہ کی گڑبڑ کی وجہ سے جو دقتیں پیش آرہی تھیں اُن کی وجہ سے ۱۹۱۹ء میں ایک کمیشن تحقیقات مقرر کیا گیا جس کے اغراض یہ تھے کہ

(۱) ہندوستان کے سکہ اور شرح تبادلہ نیز نوٹوں کی اشاعت پر لڑائی کے اثرات کا مطالعہ کرے

(۲) گزشتہ تجربہ کی بنا پر نیز آئندہ چاندی کی قیمت کا اندازہ کرکے موجودہ طریقہ میں اگر کسی تبدیلی کی ضرورت ہو تو اس کا مشورہ دے۔

(۳) یہ بھی سفارش کرے کہ کیا پالیسی اختیار کی جاوے جس سے تجارت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیئے کافی طور پر سکہ جاری رکھا جاسکے اور معیار تبادلہ طلا مستقل طریقہ پر قائم رکھا جاسکے اس کمیشن میں ۱۱ ممبر تھے جن میں صرف ایک مسٹر دادا بھائی مروان جی دلال ہندوستانی تھے کمیشن کے صدر مسٹر بے بنگٹن اسمتھ تھے جن کے نام سے یہ کمیشن مشہور ہے۔ کمیشن مئی ۱۹۱۹ء میں مقرر ہوا تھا۔ اور اس نے تمام تحقیقات انگلستان ہی میں کی صرف ۲۸ گواہوں کے بیانات قلمبند کیئے جن میں صرف ۵ گواہ ہندوستانی تھے۔ ہندوستان آنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی اور ۲۲ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو اپنی رپورٹ دیدی جس پر دسوں انگریز ممبر متفق تھے اور مسٹر دلال نے اختلافی

رپورٹ علحدہ دی تھی۔

کمیشن کی جماعت اکثریہ نے ہندوستان کے حالات پر غور کرنے کے بعد تجویز کیا کہ فی الحال دنیا میں چاندی کا نرخ بہت گراں ہے چنانچہ امریکہ میں جو چاندی اور سونے کی منڈی ہے چاندی کا نرخ ۱۳۰۶ سنٹ فی اونس ہے اس نرخ سے چاندی خرید کر روپیہ مسکوک کرانے میں گورنمنٹ کو خسارہ ہے اور روپیہ کی قیمت اُس چاندی کی قیمت سے جو اُس میں لگی ہوئی ہے کم بیٹھتی ہے اس لیئے گورنمنٹ کے لیئے چارۂ کار صرف یہی ہے کہ روپیہ کی قیمت بڑھا دے کیونکہ جب سنہ ۱۸۹۳ء میں چاندی کی ٹکسال پبلک کے واسطے بند کی گئی تو روپیہ کی قیمت ساورن کا پندرھواں حصہ مقرر کی گئی تھی یعنی ایک روپیہ ۷.۵۳۳۴۴ گرین سونے کی برابر رکھا گیا تھا مگر اس کمیشن نے سفارش کی کہ روپیہ ساورن کا دسواں حصہ رکھا جاوے یعنی ایک روپیہ ۱۱.۳۰۰۱۶ گرین سونے کی برابر کر دیا جاوے اور اس طرح شرح تبادلہ بجائے ایک روپیہ کے ۱۶ پنس کے ۲۴ پنس کر دی جاوے یعنی پچاس فی صدی کے قریب قیمت بڑھا دی جاوے ہندوستان کے مختلف شعبوں پر اس تجویز کا جو اثر پڑنے والا تھا اُس کے متعلق بحث کرتے ہوئے کمیشن نے تجویز کیا کہ تجارت کے لیئے ایک مستقل شرح تبادلہ بہت ضروری ہے اگرچہ سنہ ۱۸۹۸ء سے اب تک شرح تبادلہ ۱۶ پنس رہی ہے مگر اب چاندی کا نرخ بڑھ جانے کی وجہ سے اس شرح کا قایم رکھنا مشکل ہے اس لیئے روپیہ کی قیمت ۲۴ پنس کر دی جاوے۔

ہندوستان میں چیزوں کی گرانی پر اثر شرح تبادلہ بڑھ جانے سے روپیہ کی قیمت بڑھ جائے گی اور چیزوں کی قیمت جو اس زمانہ میں گراں ہو رہی تھی مبدل بہ ارزانی ہو جاوے گی۔ کیونکہ شرح تبادلہ بڑھ جانے سے چیزوں کی قیمت کا گرنا لازمی ہے۔ قیمتوں کے گرنے کی بابت کمیشن نے لکھا کہ

"سنہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۲۱ کرور ۶۰ لاکھ آبادی یعنی ۷۲ فی صدی کا کاشتکاری پیشہ ہے جس میں سے ۱۶ کروڑ ۶۰ لاکھ وہ لوگ ہیں جو یا تو خود اپنی زمین کاشت کرتے ہیں یا دوسروں سے زمین لیکر کاشت کرتے ہیں۔ ان میں سے جن لوگوں کے پاس اپنی ضروریات سے فاضل غلّہ بچ رہتا ہے اُس کو وہ بازار میں فروخت کر سکتے ہیں اگرچہ غلہ کے گراں ہونے سے بظاہر اُن کو فائدہ ہے لیکن جو چیزیں بیرونی ممالک سے آتی ہیں اور جو ضروریات زندگی ہیں بالخصوص کپڑا ان چیزوں کی قیمت بھی اُن کو زیادہ ہی دینی پڑتی ہے۔ اس سے قطع نظر بالعموم یہ ہوتا ہے کہ کاشتکار اپنی ضروریات روزمرہ اور بیج کے لیئے فصل سے پہلے ہی قرض لے لیتا ہے اور فصل کے وقت بصورت جنس ساہوکار کو ادا کر دیتا ہے پس غلہ کی گرانی سے کاشتکار کو کچھ فائدہ نہیں پہونچتا بلکہ ساہوکار کا گھر بھرتا ہے۔ اور جو کاشتکار ایسے ہیں جن کے پاس اتنا غلہ بچتا ہی نہیں جس کو وہ فروخت کریں اُن کو غلّہ کی گرانی سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو اپنی پیداوار ہی سے کھانے کا گزارہ چلاتا ہے اور مشکل یہ ہوتی ہے کہ جن چیزوں کے خریدنے کی اُسے ضرورت ہے اُن کی بڑھی ہوئی قیمت کو اُس کا تھوڑا سا سرمایہ کافی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح۔ بالی بلدیے

اور مزدور جو کھیتوں میں کام کرتے ہیں اور جن کی تعداد ۴ کروڑ ۰۱ لاکھ سے بھی زیادہ ہو اُن کو تو غلہ اور دیگر اشیاء کی گرانی سے نقصان ہی نقصان ہو۔ البتہ یہ ممکن ہو کہ اُن کو کچھ بچت اس واسطے ہو جاتی ہو کہ انھیں مزدوری میں بھی غلہ ہی ملتا ہو۔ لیکن ان لوگوں کے علاوہ ایک بڑی جماعت اور ہو جس کی آمدنی لگی بندھی ہو مثلاً زمیندار جن کا گزران لگان اور کرایہ پر ہو یا ملازمان گورنمنٹ یا دوسرے پیشہ کرنے والے اُس کو تو اشیاء کی گرانی سے سخت ہی تکلیف ہو اور شہروں میں رہنے والوں کی بھی جو کاشتکار نہیں ہیں یہ حالت ہو نیز کارخانوں کے مزدور اور نجی ملازمت کرنے والوں کی مزدوریاں اور تنخواہیں لڑائی کے زمانہ میں اگرچہ آدمیوں کی زیادہ مانگ ہونے کی وجہ سے کچھ بڑھ گئی تھی لیکن جس سرعت سے چیزوں کی قیمتیں بڑھی ہیں' اس رفتار سے عموماً مزدوریاں نہیں بڑھیں جن کی وجہ سے لوگ سخت مصیبت میں مبتلا ہیں کیونکہ اب تک بھی اُن کی مزدوری کی شرح اور قیمتوں کی شرح ایک سطح پر نہیں پہونچ سکی ہو" (پیرا نمبر ۴۰) اور کمیشن نے اپنی مندرجہ بالا رائے کی تائید میں گورنمنٹ ہند کی رائے کا خلاصہ بھی نقل کیا۔

نیز شرح تبادلہ بڑھانے کا مال کی درآمد اور برآمد پر جو اثر ہوگا اُس کو مختصراً رپورٹ کے پیرے ۴۹ میں بدیں الفاظ بیان کیا ہو کہ "درآمد کے مال کی قیمت اسٹرلنگ ہو (جو ہندوستان کے سوداگر کو انگلستان میں ادا کرنی پڑتی ہو) جس کا دارومدار تیاری مال اور کرایہ وغیرہ کے اخراجات پر ہو کہ لاگت کس قدر پڑتی ہو پس اگر شرح تبادلہ بڑھتی ہو تو مال کی قیمت میں کم روپے دینے پڑتے ہیں (کیونکہ مال کی قیمت اسٹرلنگ میں ہی) اور ہندوستان میں وہ مال سستا فروخت کیا جا سکتا ہو۔ اسی طرح برآمد کے مال کو لیجئے مثلاً گیہوں کی قیمت کا دارومدار دیگر ممالک کی پیداوار اور مانگ پر ہو (چنانچہ لندن گیہوں کی منڈی ہو اور گیہوں کا جو نرخ وہاں ہوتا ہو وہی نرخ دُنیا میں اور ہندوستان میں ہوتا ہو اور چونکہ لندن میں نرخ اسٹرلنگ سے ہوتا ہو اس لیے ہندوستان میں اسٹرلنگ ہی کے اعتبار سے گیہوں کا نرخ اُترتا چڑھتا رہتا ہو) پس جتنی گیہوں ایک اسٹرلنگ کی ملے گی شرح تبادلہ بڑھنے سے اسٹرلنگ کے دام گر جاویں گے اور اُتنی ہی گیہوں کے روپے کم ملیں گے اور کاشتکار کا نقصان ہوگا۔

"لیکن گیہوں کی قیمت کی تمثیل ایسی اشیاء اور اجناس میں نہیں دی جاسکتی جن کی ہندوستان کو مانوپولی حاصل ہو (یعنی وہ چیز کسی اور ملک میں پیدا ہوتی ہی نہیں) جیسے کہ جوٹ (سن) کہ ہندوستان اُس کی قیمت جو چاہے لے سکتا ہو۔ کیونکہ شرح تبادلہ بڑھ جانے پر بھی ہندوستانی کاشتکار کو اختیار ہو کہ وہ اسٹرلنگ ہی میں اس کی قیمت زیادہ مقرر کر کے اپنے روپے پورے وصول کرے۔ لیکن عملاً ہندوستانی کاشتکار کو اپنے مال کی اسٹرلنگ میں قیمت مقرر کرنے اور دام بڑھانے کا کلی اختیار نہیں ہو سکتا جس کی وجہ سے ممکن ہو کہ شرح

تبادلہ بڑھانے سے جوٹ (سن) کی قیمت میں بھی کچھ کمی ہو جاوے گی"

یہ ثابت کرنے کے بعد کہ شرح تبادلہ کی زیادتی سے برآمد اور درآمد کے مال کی قیمت گر جاوے گی کمیشن کی جماعت اکثر یہ پیرے ۵ میں لکھتی ہے۔

"اس لئے ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ بحالات موجودہ تمدنی اور اقتصادی طور پر یہ مناسب نہیں ہے کہ روپیہ کی شرح تبادلہ کم کرنے کی طرف (جو پہلے تھی) رجعت قہقری کریں۔ ایسا کرنے سے قیمتیں بڑھ جاوینگی جس سے تمدنی اور اقتصادی بے چینی میں اضافہ کا اندیشہ ہے۔

شرح تبادلہ کے اضافہ کا ہندوستان کی تجارت پر اثر شرح تبادلہ کے بڑھنے سے تجارت پر جو اثر پڑے گا اُس کی بابت ان ممبران کمیشن نے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ شرح تبادلہ بڑھانے سے مال کی درآمد میں اضافہ ہوتا ہے اور برآمد میں رکاوٹ ہوتی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اثر محض عارضی ہوتا ہے اور اب کہ مزدوری اور دوسرے اخراجات بھی اس شرح تبادلہ کی مناسبت سے قایم ہو چکے ہیں اور کوئی عارضی اثر باقی نہیں رہا ہے" (حالانکہ مئی ۱۹۲۵ء میں کمیشن کے تقرر کے وقت روپیہ کی شرح تبادلہ ۱۸ پنس تھی اور دسمبر ۱۹۲۵ء میں جس وقت کمیشن نے رپورٹ پیش کی شرح تبادلہ ۱۸ پنس فی روپیہ ہو چکی تھی اور اس تبدیلی کو مشکل سے چھ ماہ ہوئے تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ اس شرح تبادلہ کے مطابق مزدوریاں اور اخراجات قایم ہو چکے ہیں۔)

"آج کل ہندوستان کی تجارت خوشحال ہے اور ایسی حالت میں ہے کہ وہ اپنی خوشحالی قایم رکھ سکتی ہے کیونکہ آج کل بیرونی ممالک میں خام مال اور اجناس کی کمی ہے اس لیئے ہندوستان کے مال کی مانگ بھی مسلسل رہنے کی اُمید ہے حتیٰ کہ (نئے شرح تبادلہ کے مطابق) چیزوں کی قیمتیں قایم ہو جاویں۔ اس کے ساتھ ہی چونکہ ان بیرونی ممالک میں جو ہندوستان کا مال خریدیں گے چیزوں کی قیمتیں بہت زیادہ ہیں اس لیئے اُمید ہے کہ ہندوستانی مال پیدا کرنے والوں کو بھی باوجود شرح تبادلہ کے اضافہ کے قیمت میں کافی روپیہ ملتے رہیں گے! اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شرح تبادلہ کی زیادتی سے جو نقصان ہوتا ہے اُس کی تلافی کے لیئے کچھ فوائد بھی خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں جس سے مال پیدا کرنے والوں کو فائدہ پہونچ جاتا ہے۔ مثلاً اُس سامان کی قیمت جو بیرونی ممالک سے آتا ہے مثلاً مشینیں وغیرہ جو آتی ہیں ان کی قیمت کم پڑنے لگتی ہے اور ہندوستانیوں کے روزمرہ کے اخراجات بڑھنے سے رک جاتے ہیں اور جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مزدوریاں زیادہ نہ بڑھیں گی"

سلسلہ تحریر میں آگے چلکر لکھتے ہیں کہ "جو شہادت ہمارے سامنے پیش ہوئی ہے اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں

کہ شرح تبادلہ بڑھ جانے سے ہندوستانی تجارت کو کوئی مستقل نقصان نہ پہونچے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
تاہم ایک شرط لگانا ضروری ہے (وہ یہ ہے کہ اگرچہ) گمان غالب تو یہ ہے کہ ایک عرصہ تک چیزوں کی قیمتیں زیادہ ہی رہیں گی اور کمی ہوگی بھی تو رفتہ رفتہ۔ لیکن ہماری توقع کے خلاف اگر دنیا میں دفعتاً اشیا کی قیمتوں میں تخفیف ہونے لگی تو گڑبڑ اور انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ہندوستان میں کاشت وغیرہ کے اخراجات اُسی رفتار سے کم نہ ہوں اور ہندوستانی تجارت برآمد اس قدر کم ہو جاوے کہ موجودہ شرح تبادلہ کا قایم رکھنا مشکل ہو جائے۔ ایسی حالت میں ضروری ہوگا کہ اس مسئلہ پر دوبارہ غور کیا جاوے اور ایسے طریقے اختیار کیے جاویں جو ان تبدیل شدہ حالات کے مطابق ہوں"۔

شرح تبادلہ کا مصنوعات و رکارخانوں پر اثر

شرح تبادلہ کے اضافہ سے ہندوستان کی مصنوعات اور کارخانوں پر جو اثر پڑے گا اُس کا پیرے ۵۸ میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "بعض گواہوں نے ہماری توجہ ہندوستانی صنعتی ترقی کی طرف منعطف کراتے ہوئے اس اندیشہ کا اظہار کیا ہے کہ شرح تبادلہ کے اضافہ سے اُس کو نقصان نہ پہونچ جاوے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ شرح تبادلہ کی زیادتی کی وجہ سے عارضی طور پر بدیشی مال سودیشی مال کے مقابلہ میں آنے لگے گا خصوصاً ایسے ممالک سے تو ضرور ہی آوے گا جن میں مال کی تیاری کے اخراجات کم ہیں۔ لیکن جہاں تک یورپ اور امریکہ کی مصنوعات کا تعلق ہے ان ہر دو ملکوں میں چونکہ آج کل مصنوعات کی تیاری کی لاگت بہت زیادہ ہے اُمید ہے کہ یہ زیادتی اس نقصان کی تلافی کر دے گی اور اس طرح وہ زمانہ نکل جاوے گا جس میں نئی شرح تبادلہ کے مطابق اشیا کی قیمتیں قایم ہونگی۔ اس کے علاوہ شرح تبادلہ کی زیادتی سے ہندوستان کو یہ فائدہ ہوگا کہ یہاں خام پیداوار اور مزدوری سستی ہوگی اور نئے کارخانوں کے لیے ممالک غیر کی تیار کردہ مشینوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے وہ بھی کم قیمت میں ملیں گی اور ہندوستانیوں کو روپے کی بچت رہے گی ان تمام حالات پر غور کرنے کے بعد ہماری رائے ہے کہ شرح تبادلہ کے اضافہ سے ہندوستان کی صنعتی ترقی کو کوئی سخت نقصان نہ پہونچے گا"

انگلستان کے مطالبات کی ادائیگی

آخر میں ممبران کمیشن انگلستان کے مطالبات کی ادائیگی کا ذکر کرتے ہیں اور پیرہ ۵۳ میں لکھتے ہیں کہ

"۱۸۹۳ء میں پبلک کے لیے روپیہ مسکوک کرانے سے بند کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ گورنمنٹ ہند کو روز بروز شرح تبادلہ کے گرنے سے انگلستان کے مطالبات کی ادائیگی میں دقت پیش آتی تھی اس لیے شرح تبادلہ ۱۶ پنس فی روپیہ مقرر کر دینے سے گورنمنٹ کی مالی حالت کو بہت فائدہ پہونچا اور گورنمنٹ کا کام

بلا مزید ٹیکس لگانے کے چلنے لگا۔ اب شرح تبادلہ کے اضافہ سے گورنمنٹ کو مزید فائدہ ہوگا۔ انگلستان کے مطالبات دوکرور پچاس لاکھ پونڈ کے قریب ہیں جس کی ادائیگی کے لیئے روپیہ اگر ۱۶ پنس کا ہو تو ۳۷½ کروڑ روپیہ درکار ہوتا لیکن ۲۴ پنس کے حساب سے صرف ۲۵ کرور روپیہ دینا پڑے گا اور ۱۲½ کروڑ روپے کی گورنمنٹ کو بچت ہوگی۔ ہم جو ہندوستان کا روپیہ (نوٹ کے خزانہ کا اور معیار طلا کے خزانہ کا) انگلستان میں اسٹرلنگ کے قرضہ میں لگا ہوا ہے اُس کے روپے بنانے میں نقصان بھی ہوگا جو ۲۴ پنس کے شرح تبادلہ سے بقدر ۴۸ر۳ کرور ہوگا۔ مگر انگلستان کے مطالبات کی ادائیگی میں جو سالانہ بچت ہندوستان کو ہوگی وہ اس نقصان کے پورا کرنے کی مد میں رکھی جاوے تو ۳ سال میں یہ کمی پوری ہو جاوے گی۔ اور اس کمی کے پورا کرنے کے بعد اختیار ہے کہ اس بچت کے روپے سے کوئی اور نفع بخش کام کیئے جاویں۔ یا ٹیکس کم کردیئے جاویں"۔

نتیجہ ان سب توضیحات کے بعد رپورٹ کے پیرہ ۵۴ میں ممبران کمیشن لکھتے ہیں کہ "ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ شرح تبادلہ کے اضافہ سے ہندوستان کے مفاد کو نقصان نہیں پہونچے گا بلکہ بہت سے فائدے حاصل ہوں گے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ زیادہ شرح تبادلہ کس چیز کے مقابلہ میں مقرر کی جاوے (یعنی سونے کے یا اسٹرلنگ کے)"

سونا یا اسٹرلنگ کمیشن کو یہ سوال قایم کرنے کی کہ روپے کا تبادلہ بمقابلہ ساورن (یعنی سکہ طلائی) یا بمقابلہ اسٹرلنگ یعنی (نوٹ کاغذی) کے مقرر کی جاوے۔ اس وجہ سے ضرورت پیش آئی کہ جنگ عظیم شروع ہونے کے بعد گورنمنٹ انگلستان نے اپنے نوٹوں یعنی اسٹرلنگ کے تبادلہ میں سونے کا سکہ یعنی ساورن دینا بند کر دیا تھا جس کی وجہ سے اسٹرلنگ بازار میں بٹہ سے چلتا تھا یعنی ایک پونڈ کے نوٹ پر تقریباً ۲ شلنگ بٹہ لگتا تھا۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سنہ ۱۸۹۹ء میں روپیہ ساورن کا ¹⁄₁₅ حصہ مقرر کیا گیا تھا یعنی ۱۶ پنس سونے کی برابر تھا اور نوٹ یعنی اسٹرلنگ کی بازاری قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی اس وجہ سے کمیشن نے اس سوال کے جواب میں قرار دیا کہ روپے کی شرح تبادلہ بمقابلہ سکہ طلائی یعنی ساورن کے ۲۴ پنس (سونے) کے مساوی سمجھی جاوے نیز یہ بھی سفارش کی کہ اگر روپیہ اس شرح سے گرنے لگے تو گورنمنٹ ہند اُلٹی ہنڈیاں وزیر ہند کے نام (ریورس کانسل) فروخت کرکے روپیہ کے ۲۴ پنس دینے کی ذمہ داری کرلے تو روپے کی شرح تبادلہ مقررہ شرح سے کم نہیں ہوگی۔

بعض گواہوں نے کمیشن سے کہا تھا کہ اس وقت کی حالت نہایت غیر معمولی ہے اور مناسب یہ ہے کہ اس وقت عجلت سے شرح تبادلہ کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہ کیا جاوے مگر کمیشن نے کہا کہ اگرچہ واقعی طور پر حالت غیر معمولی ہے لیکن اس کی وجہ سے فیصلہ کو التوا میں ڈالنا مناسب نہیں ہے۔

سکہ و شرح تبادلہ

مسٹر دلال کی رائے

مسٹر دلال ہندوستانی ممبر کمیشن نے اکثریت کی رائے سے اتفاق نہ کیا اُن کا کہنا یہ تھا کہ ۱۸۹۳ء تک تو ہندوستان میں معیار نقرہ جاری تھا لیکن ۱۸۹۳ء میں گورنمنٹ نے بدل کر معیار طلا کر دیا تو اُس وقت سے چاندی کی قیمت کا خیال کرنا ہی بیجا ہے۔ روپیہ ساورن کا پندرھواں حصہ قرار دیا جا چکا ہے اور ہر چیز کی قیمت روپیہ کی اس حیثیت کے اعتبار سے مقرر ہو چکی ہے۔ اگرچہ اب ہندوستان کے معیار کو بجائے معیار طلا کے معیار تبادلہ طلا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مگر یہ صرف لفظی ہیر پھیر ہے کیونکہ معیار تبادلہ طلا میں بھی گورنمنٹ کو پندرہ روپے کا ایک ساورن دینا پڑتا ہے اور معیار طلا میں بھی ساورن دینا پڑے فرق صرف اسی قدر ہے کہ معیار تبادلہ طلا کے نام سے صرف بیرونی ممالک میں لے جانے کو ساورن ملتا ہے اور ہندوستان میں خرچ کرنے کے لیئے نہیں ملتا تاہم روپے کی ایک مستقل قیمت مقرر ہونے کے اعتبار سے کچھ بھی فرق نہیں ہے۔

اس وقت روپیہ ساورن کا ایک جزو ہے اور پندرہ روپے کا ساورن ایسا ہی ہے جیسے کہ ۲۰ شلنگ کا ایک پونڈ ہے۔ جب چاندی کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے ۲۰ شلنگ کا ایک پونڈ نہیں ہو جاتا تو دس روپے کا ایک ساورن کیوں ہو جس سے ملک کا سخت نقصان ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ "جنگ عظیم کے اثرات مختلف ممالک پر مختلف ہوئے چنانچہ ہندوستان کا جہاں تک تعلق ہے یہ زمانہ نہایت خوشحالی کا زمانہ تھا کیونکہ لڑائی میں عملی حصہ لینے کے علاوہ یہ ملک لڑنے والوں کے لیئے غلہ اور مسالہ فراہم کرتا تھا جو لڑائی جاری رکھنے کے لیئے اشد ضروری تھا لیکن باوجود اس خوشحالی کے زمانہ کے جس میں یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ ہندوستان کی مالی حالت مضبوط ہو جاوے گی اب یہ وقت آ گیا ہے کہ اُس کے سکہ اور شرح تبادلہ میں اس قسم کی تبدیلی کی جا رہی ہے جس کی بدولت ہندوستان کے عوام مستقل مصائب میں گرفتار ہو جاویں گے۔

یہ شرح تبادلہ کی تبدیلی ہمارے حکام اپنی مرضی اور اپنے احکام کے ذریعہ سے عمل میں لا رہے ہیں میں یہ تسلیم کرنے کے لیئے تیار نہیں ہوں کہ چاندی کی زیادتی اس زبردست تبدیلی (شرح تبادلہ) کا موجب بتائی جا سکتی ہے۔ بخلاف اس کے میری رائے یہ ہے کہ چاندی کی قیمت زبردستی بڑھائی گئی ہے جس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ ہندوستان سے چاندی کے اسٹاک کو دنیا کے بازاروں میں لیجا کر فروخت کرنے کی ممانعت کی گئی اور شرح تبادلہ بڑھا دی گئی" سلسلہ تحریر بہ جاری رکھتے ہوئے امریکہ کے چاندی خریدنے کے قانون کا تذکرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امریکہ کے قانون کا نتیجہ اور مآل کار یہ ہے کہ امریکہ اپنے یہاں کی چاندی ایک ڈالر فی اونس کے حساب سے اُس وقت تک خریدتا رہے جب تک کہ اُس کا چاندی کا وہ اسٹاک پورا نہ ہو جائے جو ۱۹۱۸ء میں ہندوستان اور دوسرے ممالک کو چاندی دینے کی وجہ سے کم ہو گیا تھا۔ پس امریکہ کی چاندی کسی دوسری جگہ نہ بک سکتی تھی (اور نہ

امریکہ دوسری جگہ سے چاندی خرید سکتا تھا اس طرح) امریکہ تو چاندی کے بازار سے خارج ہوگیا اور ہندوستان بازار سے حکماً نکال دیا گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ "آج کل لندن میں ۶۰ پنس فی اونس چاندی کی قیمت ہے وہ اس طرح پر پیدا کی گئی ہے کہ ہندوستان کو چاندی باہر بھیجنے کی ممانعت کردی گئی ہے اور شرح تبادلہ بڑھا دی گئی ہے جس کی وجہ سے اگر ہندوستان سے دساور کو چاندی بھیجی بھی جاوے تو اس کے دام کم ملیں گے۔ اس لیئے ہندوستان سے دساور میں چاندی بیچنے کے لیئے بھیجنا نفع بخش کاروبار نہیں رہا ہے اگر چاندی دساور بھیجنے کی ممانعت نہ ہوتی اور شرح تبادلہ اس قدر نہ بڑھا دی گئی ہوتی تو ہندوستانیوں کے لیئے چاندی بیچنا نفع بخش کام ہوتا۔ اور اگر ہندوستان سے چاندی دساور میں جاکر بکنے لگتی تو چاندی کا نرخ گر جاتا۔ بدیں حالات چاندی کا بڑھا ہوا نرخ محض مصنوعی ہے جس کی بناپر روپیہ اور ساورن کے پرانے قایم شدہ شرح تبادلہ کو بدلنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ ہندوستان قیمتی دھاتوں کے لیئے ایک حوض ہے جس میں جو دھات پہونچ جاتی ہے پھر نکل نہیں سکتی۔ آج اس کا موقع تھا کہ اس بیان کی تردید ہوسکتی۔ کیونکہ کثرت سے لوگ اس وقت چاندی کو فروخت کردیتے اگر گورنمنٹ یہ قیود و شرائط عائد نہ کرتی۔"

"دنیا کے دساوروں میں ہندوستانی چاندی فروخت کرنے کی ممانعت کوئی نئی بات نہیں ہے پہلے بھی جب چاندی کی درآمد پر تو محصول لے لیا جاتا تھا اور برآمد پر وہ محصول واپس نہ کیا جاتا تھا تو بھی یہی کیفیت تھی"

"کہا یہ جاتا ہے کہ اگر عام طور پر چاندی برآمد کرنے کی اجازت دیدی جاتی تو لوگ سکے بھی باہر بھیج دیتے اور ہندوستان میں سکہ کی کمی ہوجاتی۔ ممکن ہے کہ یہ اعتراض انگلستان میں ہوسکتا ہو جہاں چاندی کے چھوٹے سکے بہت کم ہیں لیکن ہندوستان کی بابت یہ اعتراض بالکل فضول ہے کیونکہ ہندوستان میں موجودہ روپیہ اس روپیہ سے بہت زیادہ ہے جو گردش میں رہتا ہے ہندوستان میں (۳) اور (۴) ارب روپیہ کا اندازہ کیا جاتا ہے جو لین دین کی حاجت سے بہت زیادہ ہے (علاوہ ازیں) جو چاندی تجارت کی غرض سے ہندوستان سے باہر دساور کو بھیجی جاتی اس کی مقدار زیادہ ہونے کی ضرورت نہ تھی (کیونکہ دساور میں خریدار کم تھے) امریکہ تو (جو کہ چاندی کا ایک بڑا گاہک ہے) اپنے قانون کی وجہ سے اپنے ہی ملک کی چاندی خریدتا تھا باقی دو بڑے گاہک اور تھے ایک خود ہندوستان دوسرے چین جن کی ضروریات کے لیئے کچھ زیادہ چاندی درکار نہ تھی"

ہم پہلے زیر عنوان (شرح تبادلہ دوران جنگ میں) یہ بتا چکے ہیں کہ ۱۹ مئی ۱۹۱۹ء تک خود گورنمنٹ ۱۸ پنس (لوٹ) فی روپیہ کے حساب سے ہنڈیاں فروخت کرتی رہی اس کے بعد امریکہ کے معاہدہ ختم ہوجانے پر ہنڈی کا نرخ بڑھنا شروع ہوا اور چند ماہ میں ایک روپیہ ۱۸ پنس کا ہوگیا اس شرح تبادلہ بڑھانے کی بابت مسٹر دلال کہتے ہیں "ہمارے حکام اپنے حکموں سے شرح تبادلہ بڑھاتے ہیں۔ شرح تبادلہ بڑھانے کی بابت صرف ایک مرتبہ

ہم سے اُس وقت مشورہ کیا تھا جب شرح تبادلہ ۲ شلنگ سے ۲ شلنگ کی گئی تھی اُس وقت بھی ہیں نے اپنا فرض سمجھ کر اس کے خلاف احتجاج کیا تھا۔"

" شرح تبادلہ ۱۶ پنس سے بڑھا کر رفتہ رفتہ ۲۰ پنس کر دی گئی ہے اور وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ چاندی کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے روپیہ کی چاندی کی قیمت اُس کی اُس قیمت سے جو باعتبار اسٹرلنگ مقرر کی جاتی تھی زیادہ ہوتی جاتی تھی لیکن یہ وجہ کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ گورنمنٹ کا تو ارادہ ہی یہ ہے کہ آئندہ چاندی کا نرخ اگر گر بھی جاوے تو بھی شرح تبادلہ ۱۶ پنس سے بہت زیادہ ہی رکھا جاوے۔"

مسٹر دلال نے شرح تبادلہ بڑھانے کی سخت مخالفت کی اور روپیہ کے مسکوک کرانے کے مسئلہ پر انھوں نے کہا کہ جب تک چاندی کی قیمت زیادہ ہے گورنمنٹ ہند روپی کا مسکوک کرانا چھوڑ دے لیکن اُس کو لیگل ٹنڈر رکھے نیز آئندہ استعمال کے لئے دو روپی کا چاندی کا سکہ اسی مقدار اور زیادہ کھوٹ کا بنا دے جس کے مسکوک کرنے میں خسارہ نہ رہے۔ البتہ جب چاندی کا نرخ امریکہ میں ۹۲ سنٹ فی اونس سے کم ہو جاوے اُس وقت معمولی روپیہ مسکوک کرنا شروع کر دے کیونکہ ۹۲ سنٹ کے بھاؤ میں اس روپیہ کو مسکوک کرنے سے نقصان نہیں ہے۔ پس صرف اتنی سی بات کے واسطے ہندوستان کی پرانی شرح تبادلہ کو گڑبڑ میں ڈالنا مناسب نہیں ہے۔"

کرنسی نوٹ پر عملدرآمد مسٹر دلال نے روپی کی قلت دور کرنے کے لئے تجویز کیا تھا کہ پبلک کے واسطے اشرفیاں مسکوک کرنے کی غرض کے لئے بمبئی میں سونے کی ٹکسال کھول دی جاوے۔ نیز چاندی اور سونے کی درآمد برآمد پر سے قیود اُٹھانے کی سفارش کی لیکن مسٹر دلال کی یہ سب سفارشیں بے اثر رہیں اور گورنمنٹ ہند نے بہ مشورہ وزیر ہند اکثریت کی رپورٹ پر فروری سنہ ۱۹۲۰ء سے عملدرآمد شروع کر دیا۔ چنانچہ جب پارلیمنٹ کے ممبر نے اس کی بابت سوال کیا تو وزیر ہند نے جواب دیا تھا۔

"مجھ کو معلوم ہے کہ کرنسی کمیٹی کی رپورٹ پر گورنمنٹ کے عملدرآمد کرنے پر بعض لوگ اعتراض کر رہے ہیں لیکن حالت ایسی تھی کہ رپورٹ کے چھپتے ہی اُس پر عملدرآمد شروع ہو جانا ضروری تھا جیسا کہ سنہ ۱۸۹۳ء میں معاملات طے کر لینے کے بعد فوراً اُن پر عملدرآمد شروع کر دیا گیا تھا اور ٹکسال بند کر دی گئی تھی گورنمنٹ ہند اکثریت کی رپورٹ سے متفق ہے اور اب اسی پالیسی پر کاربند ہے"

Annual Register Page 452

اس طرح پر کرنسی رپورٹ ختم ہوئی۔ اس رپورٹ پر ہم اپنی تنقید اگلے باب میں کریں گے۔

کرنسی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ کرنسی کمیشن کی رپورٹ پر عملدرآمد کے نتائج بیان کرنے سے پہلے اُس کی خاص خاص اہم دلائل و تجاویز کی طرف ناظرین کی توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ کمیشن کا تقرر تو اس غرض سے ہوا تھا کہ سکہ۔ شرح تبادلہ اور چاندی کی قیمت پر جنگ عظیم کا جو اثر ہوا ہے اُن پر غور اور آئندہ پیش آنے والے

حالات پر نظر کر کے ایسی تجویزیں سوچیں اور بتائیں کہ جن پر عمل کرنے سے سکہ چلتا رہے اور شرح تبادلہ قایم رہے۔ لیکن کمیشن نے رپورٹ میں سب سے زیادہ اہمیت اس واقعہ کو دی کہ ہندوستان میں اشیا کی قیمتیں بہت زیادہ ہو گئی ہیں جن کے انسداد کی ضرورت سب سے مقدم ہے اور اس کے دفعیہ کے لیئے تدبیر یہ بتائی کہ شرح تبادلہ بڑھا دی جائے کمیشن کی رائے میں شرح تبادلہ بڑھانے سے علاوہ اس کے کہ ہندوستان میں اشیا کی قیمتیں گر جانے سے عوام کا فائدہ ہوگا گورنمنٹ ہند کا یہ فائدہ بھی مد نظر تھا کہ جو رقوم انگلستان کے مطالبات کی ادائگی میں اُس کو بھیجنی پڑتی ہیں اُن میں ۱۲½ کروڑ کی بچت ہو جائے گی بظاہر تو یہ دونوں چیزیں الگ معلوم ہوتی ہیں لیکن واقعتاً باہم لازم و ملزوم اور ایک دوسرے کا سبب اور نتیجہ ہیں اس لیئے ان پر یکجائی اظہار خیال کیا جاتا ہے۔

زیادتی قیمت اور مطالبات برطانیہ | خود کمیشن کو یہ تسلیم ہے کہ ہندوستان کی آبادی میں ۷۰ فیصدی زراعت پیشہ ہیں ملازمت پیشہ لوگوں نیز وکیلوں ڈاکٹروں اور مہاجنوں کی تعداد کسی طرح ۲ فیصدی سے زیادہ نہیں ہے باقیماندہ صناع کاریگر اور مزدور ہیں جو ہاتھ سے کام کرنے والے ہیں کارخانہ دار بہت کم ہیں۔ مزید برآں ہندوستان کے زرعی ملک ہونے کی وجہ سے غلہ اور خام اجناس کی برآمد ہوتی ہے اور مصنوعات کی درآمد اور مقدار کے اعتبار سے برآمد درآمد سے بہت زیادہ ہے مثلاً ۱۹-۱۹۱۸ء ہی کو لیجیے کہ اس سال برآمد شدہ مال کی قیمت ۱۶ کروڑ پونڈ اور درآمد شدہ مال کی قیمت ۱۱ کروڑ پونڈ کے قریب تھی پس اگر شرح تبادلہ ۱۶ پنس فی روپیہ لے جاوے تو ہندوستان کو ۲۴۰ کروڑ روپیہ برآمد شدہ مال کی قیمت کا ملتا ہے اور ۱۶۵ کروڑ روپیہ درآمد شدہ مال کا دینا پڑتا ہے لیکن اگر شرح تبادلہ ۲۴ پنس فی روپیہ ہو تو اسی مال کے ۱۶۰ کروڑ روپیہ ملیں گے اور ۱۱۰ کروڑ دینے پڑیں گے یعنی پہلی صورت میں ہندوستان کے لوگوں کو ۷۵ کروڑ روپیہ ملتا ہے تو دوسری صورت میں ۵۰ کروڑ روپیہ ہی ملتا ہے اور ۲۵ کروڑ روپیہ کا نقصان رہتا ہے اس قدر نقصان صرف اسی حالت میں ہے کہ باوجود شرح تبادلہ بڑھ جانے کے برآمد اور درآمد مال کی حالت ایک جیسی ہی رہے حالانکہ ایسا قریب قریب ناممکن ہے جیسا کہ کرنسی کمیشن نے بھی تسلیم کیا ہے کہ زیادہ شرح تبادلہ درآمد کو بڑھاتی ہے اور برآمد میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے اور اس طرح پر اور مزید نقصان ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے چنانچہ ہندوستان میں بھی شرح تبادلہ کے اضافہ سے برآمد پر اثر پڑا جس کی وضاحت آئندہ کی جاوے گی۔ سر دست تو یہی بتانا ہے کہ فرض کیجیے کہ شرح تبادلہ بڑھتی ہے اور برآمد و درآمد جوں کی توں رہتی ہے تو فائدہ و نقصان کیا اور کس کا ہے حساب مصرحہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ شرح تبادلہ ۲۴ پنس ہو جانے سے برآمد شدہ مال کی قیمت میں ۸۰ کروڑ روپے کا نقصان رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ نقصان کس کو ہوا تو جواب صاف ہے کہ ہندوستان کے کاشتکاروں کو برعکس اس کے ۵۵ کروڑ روپیہ کا منافع مال درآمد کرنے والوں کو ہوا کیونکہ اُن کو درآمد شدہ مال کی قیمت بجائے ۱۶۵ کروڑ کے ۱۱۰ کروڑ روپے دینے پڑیں گے اور بارہ کروڑ روپے کا فائدہ گورنمنٹ کو ہوگا کیونکہ

کرنسی کمیشن نے بہ صراحت یہ لکھا ہے کہ برطانیہ کے مطالبات دو کروڑ پچاس لاکھ پونڈ سالانہ گورنمنٹ ہند کو ادا کرنے پڑتے ہیں جو ۱۶ پنس فی روپیہ کے حساب سے ۳۷½ کروڑ روپے ہوتے ہیں اور شرح تبادلہ ۲۴ پنس ہو تو ۲۵ کروڑ ہی ہوں گے بس اس طرح ۱۲½ کروڑ روپے سالانہ کی گورنمنٹ کو بچت ہوگی (ظاہر بات ہے کہ یہ بچت چھپر پھاڑ کے آسمان سے تو آنے سے رہی آئے گی یہیں سے اور حساب صاف بتا رہا ہے کہ یہ کاشتکاروں کی جیبوں سے آتی ہے) مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو نقشہ ذیل

خرچ		آمدنی	
کاشتکار کے نقصان سے	۸۰ کروڑ روپے	بصورت نفع	۸۰ کروڑ روپے
		درآمد والوں کو	۵۵ کروڑ روپے
		گورنمنٹ	۱۲½ کروڑ روپے
		تبادلہ کا جو لوگ کام کرتے ہیں (بالخصوص اُن میں گورنمنٹ شامل ہے)	۱۲½ کروڑ روپے
میزان	۸۰ کروڑ	میزان	۸۰ کروڑ روپے

یعنی کاشتکاروں کو اسی کروڑ کا نقصان ہوا اور درآمد کرنے والوں، روپیہ انگلستان بھیجنے والوں اور گورنمنٹ کو ۸۰ کروڑ روپے کی بچت ہوئی یا بالفاظ دیگر ۸۰ کروڑ روپیہ کاشتکار کی جیب سے نکل کر درآمد کرنے والوں گورنمنٹ اور دیگر اشخاص کی جیب میں چلا گیا۔

کرنسی کمیشن نے لکھا ہے کہ غلہ کی قیمت بڑھنے سے کاشتکاروں کو بہت کم فائدہ ہوگا بلکہ اصل فائدہ مہاجنوں کو ہوگا جن سے کاشتکار قرضہ لیتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ فائدہ محض سوداگروں کا ہے کہ جن کی تعداد ملک میں بہت کم ہے مگر اہل کمیشن ہوں یا صاحبان تدبر و فکر ہوں دونوں ہی اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ مہاجن اور برآمد غلہ کے تاجر تو مثل جوں کے ہیں جو انسان کا خون چوستی ہے (اس تمثیل سے ہمارا مدعا ان کی توہین نہیں ہے) اور فرق محض اس قدر ہے جوں کی خون کشی سے تو نقصان ہی نقصان ہے لیکن مہاجنوں اور برآمد غلہ کے تاجروں سے ضرورت کے وقت روپیہ اور مال کی قیمت مل جانے کی صورت میں کاشتکاروں کو فائدہ بھی ہے (بشرطیکہ شرح سود بہت زیادہ نہ ہو) اور ایسی صورت میں یہ طبقے ملک کی مدنیت کے اجزاء ضروری ہیں وہ تو اپنا نفع اور کمیشن ہی لینے والے ہیں اصلی فائدہ اور نقصان تو کاشتکار ہی کو ہوتا ہے اس لئے یہ کہنا کہ شرح تبادلہ کم ہونے سے جو غلہ کی قیمت بڑھتی ہے اُس کا فائدہ کسانوں کو نہیں ہوتا سراسر بے بنیاد ہے۔ اسی طرح شرح تبادلہ بڑھنے سے نقصان بھی کسان ہی کا ہوتا ہے۔ بار بار کہا جاتا ہے کہ زیادہ شرح تبادلہ کی وجہ سے اگرچہ کاشتکاروں کو غلہ کے دام کم ملتے ہیں لیکن ان کی ضروریات زندگی کا جو مال باہر سے آتا ہے وہ ان کو سستا ملنے کی وجہ سے ان کا یہ نقصان پورا ہو جاتا ہے۔

اس لیے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ درآمد شدہ مال کہاں تک عوام اور کاشتکاروں کے استعمال میں آتا ہے اس غرض سے ہم ۱۹۳۸ء کے درآمد شدہ مال کے شمار و اعداد پیش کرتے ہیں۔

اس سال مفصلہ ذیل اشیا باہر سے ملک کے اندر آئیں

سوتی کپڑا معہ سوت	۳۶ فی صدی
شکر	۹ فی صدی
لوہا اور اسٹیل	۶ فی صدی
ریشم	۳ فی صدی
مشین	۳ فی صدی
پٹرول اور تیل	۲ فی صدی
لوہے کا سامان	۲ فی صدی
دیگر اشیاء	۳۸ فی صدی

۱۰۰ فیصدی جس میں کاغذ۔ لکڑی کا گودا۔ نمک اور ٹین کے ڈبوں میں جو کھانا وغیرہ آتا ہے شامل ہیں۔

ان اشیاء درآمد شدہ میں دیکھنا یہ ہے کہ یہ چیزیں امرا کے فائدہ اور استعمال کی زیادہ ہیں یا غربا کے استعمال کی۔ سب سے زیادہ مقدار کپڑے کی ہے جسے زیادہ تر شہری اور روپے والے خریدتے اور پہنتے ہیں گاؤں میں بسنے والے غریب کسان بھی خال خال ولایتی کپڑا پہنتے ہیں تاہم وہ ابھی تک بیشتر ہاتھ کا کتا اور بنا ہوا کپڑا پہنتے ہیں شکر کی جگہ وہ بیچارے گڑ اور راب کھاتے ہیں۔ لوہا اور اسٹیل بھی سوائے ہل کی پھالی اور کواڑوں کی زنجیروں اور چند پیتریوں کے اُن کے کام کا نہیں [illegible] کارخانہ دار ہی خریدتے ہیں۔ ریشم تو اُن کے خواب خیال میں بھی نہیں آتا۔ پیٹرول آئل بھی ان کے استعمال میں کم ہی آتا ہے زیادہ تر موٹروں اور انجنوں میں کام آتا ہے وہ لوگ اپنے چراغوں میں جلانے کے لیے بالعموم اپنی پیدا کی ہوئی سرسوں کے تیل ہی پر گذر کرتے ہیں کاغذ کی قسم میں ان کے کام کی کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ تمام ہندوستان میں خواندوں کی تعداد ہی کل ۷ فی صدی ہے نمک ضرور ان کے خرچ میں آتا ہے رہا ٹین کے ڈبوں میں بند سامان خوراک وغیرہ یہ چیزیں تو بیشتر امیروں ہی کے لیے مخصوص ہیں اس لیے درآمد شدہ مال کے منافع میں سے بمشکل ۲ فی صدی حصہ اس کنگال اور غریب کسان کو ملتا ہے جو آبادی کا ۸۰ فیصدی ہے اور ۹۸ فیصدی منافع آبادی کے اس حصہ کو ہوتا ہے جو بمشکل ۲۰ فیصدی آبادی ہے اور اس پر ہی معاملہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ باہر کا مال سستا پڑنے سے ہندوستان کے دستکار

اور کاریگر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے ہیں۔ اب اس امر کا تصفیہ کہ غریب طبقہ سے روپیہ لیکر بڑے اور دولتمند لوگوں میں تقسیم کر دیا جانے کا طریقہ کہاں تک جائز ہی ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔

درآمد کے مال کے سستے ہونے سے واقعی فائدہ کس کو ملتا ہی؟

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ صاف ظاہر ہی کہ شرح تبادلہ بڑھنے کی وجہ سے برآمد کے دام گر جاتے ہیں اور کاشتکار کو نقصان ہونے لگتا ہی اور نفع گورنمنٹ ہند کو اپنے مطالبات کی ادائگی میں اور درآمد کے مال منگانے والوں اور دوسرے ایسے اشخاص کو جو اپنا روپیہ انگلستان بھیجتے ہیں پہونچ جاتا ہی اس بارہ میں دوسری مد پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہی جو درآمد کے مال کرنے والوں کی جیب میں کوئی رقم نہیں پہنچتی ہی۔ بلکہ اُن کو مال سستا ملنے لگتا ہی یعنی خرچ کم کرنا پڑتا ہی لیکن یہ روپیہ واقعتاً بیرونجات کے کارخانہ داروں کی جیب میں پہنچ جاتا ہی جس کی وجہ سے وہ اپنا مال ہندوستان کے بازاروں میں سستا بیچنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

مثلاً مثال مذکورہ بالا میں برآمد کے مال کی قیمت ۱۲ کروڑ پاؤنڈ تھی اور درآمد کے مال کی قیمت ۱۱ کروڑ پاؤنڈ یعنی ولایت کے سوداگروں کو ہندوستان کے کاشتکاروں کو ۱۲ کروڑ پاؤنڈ دینے تھے اور ہندوستان کے خریداروں سے ۱۱ کروڑ پاؤنڈ لینے تھے ۱۶ پنس کی شرح تبادلہ کے اعتبار سے گورنمنٹ انگلستان کے سوداگروں سے ۱۲ کروڑ پاؤنڈ لیکر ہندوستان کے کاشتکاروں کو ۱۸۰ کروڑ روپیہ دیتی۔ لیکن ۲۴ پنس کی شرح تبادلہ ہو جانے کی حالت میں وہ صرف ۱۲۰ کروڑ روپیہ دے گی اور ۶۰ کروڑ روپیہ بچا کر رکھ لے گی اب ۱۶ پنس کی شرح کے اعتبار سے ہندوستان کے خریداروں سے اُس کو ۱۶۵ کروڑ روپیہ لینا چاہیئے تھا لیکن ۲۴ پنس کی شرح ہو جانے پر اُن سے صرف ۱۱۰ کروڑ لے گی اور ۶۰ کروڑ بچے ہوئے روپیہ میں سے ۵۵ کروڑ روپیہ نکال کر اس رقم کو ۱۶۵ کروڑ کرکے انگلستان کے کارخانہ داروں کا ۱۱ کروڑ پاؤنڈ کا بھگتان کر دے گی اور باقیماندہ ۵ کروڑ روپیہ میں سے کچھ رقم ان لوگوں کی امداد میں صرف کرے گی جو اپنا روپیہ انگلستان بھیجنا چاہتے ہیں اور باقیماندہ کو اپنے پاس رکھیگی جو شرح تبادلہ کے منافع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہی۔

اس طریقہ سے ولایت کے کارخانہ داروں کو تو ۱۱ کروڑ پاؤنڈ جو پہلے ملتے تھے وہ اب بھی مل گئے لیکن شرح تبادلہ کی اس اُلٹ پھیر کی بدولت اُن کے مال کی قیمت ہندوستان کے بازار میں آکر بقدر ۳۳⅓ فیصدی کے گھٹ جائیگی۔ جب درآمد کے مال میں اس قدر تخفیف ہو جائیگی تو ہندوستان کے کارخانہ داروں سے مقابلہ کرنا مشکل پڑ جائیگا اس کے لیئے یا تو اُن کو اپنے مال کی قیمت بقدر ایک ثلث کے گھٹانا پڑے گی یا کارخانہ کو بند کرنا پڑے گا قیمتوں کا بقدر ایک ثلث کم کرنا آسان کام نہیں ہی اس تبدیلی سے ہندوستان کی مصنوعات کے تباہ ہو جانے کا سخت اندیشہ ہی۔ ان واقعات سے نتیجہ صریح یہ نکلتا ہی کہ زیادتی شرح تبادلہ سے ہندوستان

کے کاشتکاروں اور کارخانہ داروں اور صناعوں سب ہی کو نقصان پہونچے گا۔

ممبر مالیات کا بیان خود گورنمنٹ کو تسلیم ہے کہ انگلستان کے مطالبات کی ادائیگی میں شرح تبادلہ بڑھنے کی وجہ سے ۱۲½ کروڑ کی جو بچت ہوتی ہے وہ درحقیقت کاشتکار کی جیب سے نکالی جاتی ہے۔ چنانچہ سر مالکم ہیلی نے (حال ہز ایکسلنسی گورنر یوپی) جو اس زمانہ میں ممبر مالیات تھے اپنی تقریر امپیریل کونسل میں شرح تبادلہ کی زیادتی اور گورنمنٹ کو ۱۲½ کروڑ روپئے کی بچت ہونے کے سلسلہ میں فرمایا تھا "کہ گورنمنٹ کا منشا یہ ہے کہ ایسی شرح تبادلہ قایم کی جاوے کہ جس کی رو سے وہ چاندی خرید کر روپیہ بنا سکے اور نوٹ کے بدلے میں روپیہ دے سکے علاوہ بریں چونکہ ہندوستان میں چیزوں کی قیمتیں بہت زیادہ ہیں جس سے تمام لوگ پریشان ہیں اس لیئے گورنمنٹ ان کو بھی کم کرنا چاہتی ہے۔ تیسرے یہ کہ زیادتی شرح تبادلہ سے جو بچت ہوگی وہ صوبجاتی گورنمنٹوں میں تقسیم کر دی جائے گی یعنی اُن سے روپیہ کم لیا جائے گا۔ برخلاف اس کے اگر مسٹر فضل بھائی کی تجویز پر عمل کر کے رفتہ رفتہ شرح تبادلہ ۱۶ پنس کر دی جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو صوبجات کی حکومتوں سے زیادہ روپیہ لینا پڑے گا یا فوراً نئے ٹیکس لگا کر روپیہ جمع کرنا پڑے گا تاکہ جو نئی کونسلیں قایم ہونگی وہ ملک کی اصلاحی تجاویز کو چلا سکیں" اس کے بعد کاشتکاروں کے نقصان پہونچنے کی بابت جو دلائل دیئے جا رہے تھے اُن کی نسبت فرماتے ہیں:۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ کہا جا رہا ہے کہ جس رقم کو ہم منافعہ سمجھتے ہیں وہ حقیقت میں منافعہ نہیں ہے بلکہ محض بظاہر گورنمنٹ کو بچت معلوم ہوتی ہے واقعتاً یہ رقم کاشتکاروں کی جیب سے نکالی جاتی ہے۔ اس دعوے کی اثبات میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ جو رقم انگلستان بھیجی جاتی ہے وہ ایسا ہی ہے کہ گورنمنٹ نے گویا (کاشتکاروں کا) مال (لیکر انگلستان) بھیجا۔ اگر گورنمنٹ کو انگلستان ۲ کروڑ پچاس لاکھ پونڈ بحساب پندرہ روپئے فی ساورن بھیجنے ہوں تو ۳۷½ کروڑ روپئے کا (مال) انگلستان بھیجتی ہے اور کاشتکار کو بھی قیمت میں ۳۷½ کروڑ روپئے مل جاتے ہیں لیکن شرح تبادلہ اگر دس روپئے فی ساورن کر دی جائے تو گورنمنٹ (مال تو اتنا ہی بھیجے گی مگر حساب کی رو سے) صرف ۲۵ کروڑ روپیہ انگلستان پہنچے گا اور کاشتکار کو بھی (اتنے ہی مال کے) صرف ۲۵ کروڑ روپیہ ملیں گے اور ۱۲½ کروڑ کا نقصان رہے گا۔ یہ دلیل ضرور درست ہے لیکن دلیل نامکمل ہے۔ یہ دلیل اُس وقت بھی پیش کی جاتی تھی جب روپئے کی قیمت ۱۶ پنس مقرر کی جا رہی تھی اور مجھے یہ توقع نہیں ہے کہ آج کوئی شخص اس بات کا مدعی ہے کہ گذشتہ ۲۰ سال میں کاشتکاروں کو سخت نقصان ہوا ہے۔ آپ لوگ اس کو بالواسطہ (خفیہ) ٹیکس کہتے ہیں۔ لیکن آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ یہ ٹیکس بہت سی اجناس کے بارہ میں تو زیادہ تر اور مانوپلی کی اجناس (جو صرف ہندوستان میں ہی پیدا ہوتی ہیں) کے بارہ میں قریب قریب تمام تر اُن لوگوں کو دینا پڑتا ہے جو بیرونی ممالک سے مال منگاتے ہیں"

آنریبل مسٹر ہیلی کے اس بیان کے متعلق مسٹر جی ایف میڈن نے جو بہت ماہر مالیات ہیں ۲۶ مارچ [illegible]
کے اخبار ٹائمز میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں وہ لکھتے ہیں :-

"مسٹر ہیلی یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ کاشتکار کو ۱۲½ کروڑ کا نقصان ہو رہا تھا لیکن وہ اس نقصان کو یہ کہہ کر
گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں کہ بہت سی اجناس صرف ہندوستان ہی میں پیدا ہوتی ہیں اور ہندوستان کو
اُن کی مونوپلی حاصل ہے اور اس وجہ سے اُس کو اختیار ہے کہ ان کو جس نرخ پر چاہیں فروخت کریں۔ مجھے امید ہے کہ اب
جب مسٹر ہیلی اس صفائی سے پھر گفتگو کرنے لگیں تو صراحت سے یہ بھی فرما دیں گے کہ وہ کون سی اجناس ہیں
جن کی ہندوستان کو مونوپلی حاصل ہے اور یہ بھی بتلا دیں گے کہ شرح تبادلہ بڑھنے سے ان کی قیمتوں پر کیا اثر ہوا
اور جیسی اور چیزوں کی قیمتیں گھٹ گئی ہیں ان کی بھی گھٹی ہیں کیونکہ یہ بات کہ شرح تبادلہ کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے
وہ بیرونی ممالک کے خریداروں کو دینا پڑا ہے۔ وہ تب ہی ثابت کر سکتے ہیں کہ جب ان چیزوں کی قیمتیں جن کی
مونوپلی حاصل ہے اُن کی قیمتیں نہ گھٹیں) جہاں تک مجھے معلوم ہے صرف جوٹ ہی ایک ایسی جنس ہے جس کی
مونوپلی ہندوستان کو حاصل ہے اور میں ممبر مالیات صاحب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ۱۹۱۲-۱۳ء میں جوٹ کی قیمت
۸۰ روپے کے قریب تھی اور آج اس کی ۵۷ یا اس سے بھی کم ہے یا بالفاظ دیگر اگرچہ ہندوستان میں قیمتوں کے
بڑھنے کی بابت بڑی بڑی باتیں کی جاتی ہیں پھر بھی جوٹ کے کاشتکار کو جو مونوپلی کا بہت بڑا مالک سمجھا جاتا
ہے آج اُس کی حالت بمقابلہ ۱۹۱۲-۱۳ء کے خراب ہے اور دیگر اشیاء کی قیمتوں میں جو اضافہ ہوا ہے اُس کی رو سے
تو اُس کی حالت اور بھی زیادہ خراب ہے۔ کیونکہ جو چیز اب ۵۷ روپے میں خریدی جاتی ہے وہ ۱۹۱۲-۱۳ء میں ۴۴ روپے
میں خریدی جا سکتی تھی۔"

مسٹر میڈن نے اسی مضمون میں ممبر مالیات کے اس بیان کے متعلق کہ اگر شرح تبادلہ گھٹا دی جائے تو اب
جو ۱۲½ کروڑ کی بچت گورنمنٹ کو ہوتی ہے اس کے بجائے یا تو صوبجات کی گورنمنٹوں سے زیادہ رقم لینی پڑے گی
یا ہم کو نئے ٹیکس لگا کر روپیہ جمع کرنا پڑے گا تاکہ نئی کونسلوں کی نئی اسکیمیں چلائی جا سکیں۔ لکھا ہے :-

"ممبر مالیات نے یہ بات بہت صاف گوئی سے کہی کہ اگر کاشتکار [illegible] دو یا تم کو اور زیادہ
رقم دو مجھے افسوس ہے کہ ہیلی صاحب نے اپنی دلیل کے پورے معنی کو [illegible] سادہ
لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میری تنخواہ سو روپے ہو اور [illegible]
ہو کہ جب تک مجھ کو ماہانہ تنخواہ نہ ملے میرا خرچ نہ چل سکے اور اگر میرا آقا اس [illegible]
روپے کا اضافہ نہ کرے تو مسٹر ہیلی کی دلیل کے مطابق مجھے یہ حق حاصل ہے کہ [illegible]
میں جو کچھ ہو اس سے چھین لوں۔ اس لیے کہ مجھے تو اپنی کمی کسی نہ کسی طرح پوری [illegible]

(ہندوستان) کے مالک اپنے ملازم (گورنمنٹ) کو زیادہ رقوم (مالیہ کی شکل میں) دینے کے لئے تیار نہ ہوں تو یہ ملازم (گورنمنٹ) اپنے کو اس کا مستحق سمجھتی ہے کہ اپنی کمی اپنے ایسے مالکوں (اس ملک کے باشندوں) کی جیبوں سے پوری کرے جو مقابلہ کرنے کے قابل نہ ہوں اور اسی لیے انھوں نے ان غریبوں (کسانوں) سے وہ رقم وصول کرنی شروع کر دی ہے۔" (صفحہ ۵۰ کتاب موسومہ ہندوستان کی تاریخ سکہ کا ایک باب")

"مجھے اندیشہ ہے کہ اس تمثیل سے مسٹر ہیلی ناخوش ہوں گے لیکن میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ اس میں کیا غلطی ہے میں گورنمنٹ کے اس فعل کو کھلم کھلا بیان کرتا ہوں اور سوائے اس صورت کے کوئی دوسری صورت ایسی نہیں ہے کہ جس سے اس صریح بے انصافی کا اندازہ جو اس ملک کے کروڑوں غریبوں کے ساتھ کی جا رہی ہے عام لوگوں کو کرا سکوں"

"علاوہ ازیں مسٹر ہیلی کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ صرف گورنمنٹ کا ۲ کروڑ ۵ لاکھ پونڈ کا مطالبہ ہی نہیں ہے جس کی ادائگی ہندوستان کے برآمد شدہ مال سے کی جاتی ہے بلکہ غیر ممالک کے جو لوگ ہندوستان میں آئے ہوئے ہیں اور یہاں کسی قسم کا روزگار کرتے ہیں مثلاً ریلوے کمپنیاں۔ بیمہ کمپنیاں۔ جہاز کی کمپنیاں وغیرہ وغیرہ جو کہ وہ بھی اپنی رقوم انگلستان بھیجتے ہیں تو وہ بھی اسی شرح سے بھیجی جاتی ہیں۔ مسٹر ہیلی تو ان رقوم کا ٹھیک تخمینہ ہو سکتے ہیں مگر میں اس وقت ان رقوم کو ایک کروڑ پونڈ فرض کیے لیتا ہوں۔ بس جس طرح گورنمنٹ ۲ کروڑ ۵ لاکھ پونڈ انگلستان بھیجنے میں کسانوں سے ۱۲½ کروڑ روپیہ لے لیتی ہے اسی طرح باہر کے لوگ اور کمپنیاں جب ایک کروڑ پونڈ باہر بھیجتے ہیں تو ہندوستان کے کسان سے ۵ کروڑ روپے لے لیتے ہیں۔ بھلا گورنمنٹ کو کیا حق ہے کہ غریب کسانوں سے ان کمپنیوں کو بھی پانچ کروڑ روپے دلوائے؟ وہ ایسا کیوں کرتی ہے۔ صرف اس لیئے کہ وہ سکہ اور شرح تبادلہ کی مشین اس طرح چلاتی ہے کہ اس سے غریب کسانوں کی جیبیں خالی ہوتی رہیں اور اُن کو خبر بھی نہ ہو اور جبکہ وہ خود ایسا کرتی ہے تو مجبور ہے کہ دوسرے لوگ بھی جب اس مشین سے فائدہ اُٹھا کر جیبیں خالی کریں تو وہ خاموش رہے" (صفحہ ۵۸ کتاب مذکور)

پس صاف ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کی اپنی ۱۲½ کروڑ روپے کی بچت کی بدولت دوسرے لوگوں کو بھی کروڑوں روپے کی بچت ہوتی ہے اور کسان کو ۱۹-۱۹۱۸ء کے حساب میں ۸۰ کروڑ روپے کا نقصان ہوا۔ اگر گورنمنٹ کو شرح تبادلہ سے اتنا روپیہ نہ ملتا اور روپے کی ضرورت ہوتی تو بقول ممبر مالیات لوگوں پر ٹیکس لگا کر رقم وصول کی جاتی اور ظاہر ہے کہ ٹیکس اُن لوگوں پر لگایا جاتا جو روپے والے دولتمند اور ٹیکس دینے کے قابل ہیں لیکن شرح تبادلہ بڑھانے سے ۱۲½ کروڑ روپیہ کو غریب کسانوں سے گورنمنٹ نے لیا اور کروڑوں روپیہ دوسرے لوگ اُڑا لے گئے اس طرح پر کہ شرح تبادلہ کی زیادتی سے اشیا کی قیمتیں کم ہو جانے کا اثر بیچارے غریب کسان پر تو یہ پڑتا ہے

کہ ان کے سرمایہ کی مالیت گھٹ جاتی ہے لیکن اس سے جو منافع ہوتا ہے اس سے اس کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا ہے اور یہی کیفیت ان غریب لوگوں کی ہے جو کاشتکاروں کے یہاں مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

کمی قیمت اشیاء سے کسی جماعت کو اگر زیادہ فائدہ ہوسکتا ہے تو وہ مقررہ تنخواہیں پانے والے لوگوں کی جماعت ہے جو کہ ہندوستان میں باعتبار اپنی تعداد کے ایک فی صدی سے بھی کم ہے لیکن اس جماعت کو بھی اگر تکلیف پہنچتی ہے تو غلہ اور اجناس کی گرانی سے ہوتی ہے۔ ریشم کی ساڑھیوں۔ موٹر کاروں اور گراموفون کی گرانی سے ان پر کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکتا اور موجودہ ارزانی نے تو پورے طور پر ثابت کر دیا کہ گرانی کا زمانہ تو جوں توں کرکے گذر گیا لیکن ارزانی کا زمانہ تو گورنمنٹ کو بھی نباہنا دو بھر ہو رہا ہے۔

ہندوستان کی تجارت اور صنعت پر شرح تبادلہ

بیسویں صدی کے دور اول میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ شرح تبادلہ کی زیادتی سے درآمد میں ترقی اور برآمد میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ کرنسی کمیشن نے بھی اس اصول کو تسلیم تو کیا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ یہ اثرات عارضی ہوتے ہیں اور آج کل کہ مزدوری اور دوسرے اخراجات بھی شرح تبادلہ کے سطح پر قایم ہو چکے ہیں اور اس طرح یہ اثرات زائل ہو چکے ہیں" کمیشن کے اس بیان میں دو باتیں تنقیح طلب ہیں۔ اول یہ کہ "عارضی" کی مدت کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ مزدوری اور اخراجات شرح تبادلہ پر کس طرح قایم ہو چکے ہیں۔

پہلے ہم دوسرے مسئلہ پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ ۱۶ پنس کی شرح تبادلہ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۹ء تک کم و بیش قایم رہی کیونکہ ۱۹۱۹ء میں شرح تبادلہ ۱۰ پنس (نوٹ) کی تھی جو ۱۶ پنس (سونے) سے کم تھی۔ جنوری ۱۹۲۱ء سے دسمبر ۱۹۱۹ء تک ۱۸ پنس سے ۲۰ پنس رہی جو سونے کے اعتبار سے صرف ۲۲ پنس تھی اور چونکہ سونے کی درآمد ہندوستان میں گورنمنٹ نے بند کر رکھی تھی اس لیئے اس شرح تبادلہ کا تعلق محض بیرونی ممالک سے تھا کیونکہ ہندوستان میں سونے کا نرخ ۲۶ روپے سے کم نہ ہوا تھا تو شرح تبادلہ اندرون ملک میں سونے کے نرخ کے اعتبار سے ایک شلنگ ۲ پنس کے قریب تھی اور ۱۸۹۳ء سے ۱۹۱۹ء تک جبکہ کمیشن نے رپورٹ کی کبھی بھی ایسا وقت نہیں آیا کہ سونے کا نرخ پندرہ روپے چودہ آنے ہوا ہو۔ پس یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں مزدوری اور اشیاء کی قیمتیں شرح تبادلہ کی سطح پر آ چکی تھیں نیز واقعات ما بعد سے کمیشن کے اس دعوے کی اور بھی صریح تردید ہو گئی۔

رہی دوسری بات کہ شرح تبادلہ کا اثر تجارت پر عارضی ہوتا ہے سو واقعہ یہ ہے کہ شرح تبادلہ کو ایک سطح پر قایم رکھنا بھی کسی قانون یا ایکٹ کے پاس کر دینے سے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ۱۸۹۳ء کا تجربہ ہمارے سامنے ہے کہ باوجود ۱۶ پنس شرح تبادلہ کا قانون بنا دینے کے پانچ برس کی مسلسل کوششوں کے بعد اس شرح کا قیام ہوا تھا اور خود گورنمنٹ کو بھی اس کا احساس تھا چنانچہ مسٹر شیبروک ولیمس ڈائرکٹر سنٹرل بیورو آف انفارمیشن

Director: Centeral Bureau of Information
اپنی کتاب ہندوستان ۱۹۲۰ء میں گورنمنٹ کی پالیسی کے متعلق لکھتے ہیں کہ "۱۹۳۰ء کے تجربہ کی بنا پر کہ جب ۱۶ پنس کا تناسب قایم کیا گیا تھا تو مسلسل پانچ برس تک ضرب سکہ بند رکھنے پر ۱۹۰۸ء میں کہیں مقررہ شرح تبادلہ قایم ہوئی تھی اور گورنمنٹ ہند کو خود بھی یہ توقع نہ تھی کہ یہ تناسب فوراً قایم ہو جائے گا تاہم اُس نے شرح تبادلہ پر اثر ڈالنے کے لیئے کچھ اُلٹی وزیری ہنڈیاں فروخت کیں" صفحہ ۸۰

دوسری مثال ہیکوڈیٹ Hackodate کی ہمارے سامنے ہے وہ پہلے تو جاپانی کے ملوں کی خریداری کے ۱۷ ڈربا ہر بھیجتا تھا یا شرح تبادلہ کی بدولت خود وہاں مل بننے لگے حتیٰ کہ دیگر ممالک کو سپلائی ہونے لگی اور یہ اثر محض دو سال میں شرح تبادلہ گر جانے کی وجہ سے ہوا اس لیئے لفظ عارضی کی مدت بیان کرنا بہت مشکل ہے اور اس تھوڑے عرصہ میں بھی کافی نفع و نقصان ہو سکتے ہیں اور حال کا تجربہ تو یہ ہو کہ سالہا سال بھی یہ اثرات زائل نہیں ہوتے۔ چنانچہ ۱۹۱۸ء-۱۹ء میں میزان تجارت بقدر ۱۱۹ کروڑ روپے کے ہندوستان کے حق میں تھی لیکن ۱۹۱۹ء-۲۰ء میں میزان تجارت یہی نہیں کہ برابر ہوگئی ہو بلکہ بقدر ۱۱۰ کروڑ کے (حساب ۲۰ پنس) اُلٹی ہندوستان کے خلاف ہوگئی۔

مصنوعات کے متعلق تو خود کمیشن کو تسلیم ہو کہ "ہم محسوس کرتے ہیں کہ زیادتی شرح تبادلہ کی وجہ سے مقابلہ کرنے والی مصنوعات باہر سے بہ کثرت آنے لگیں گی بالخصوص ایسے ممالک سے جہاں تیاری کے اخراجات کم ہیں" لیکن اُنھیں توقع تھی کہ انگلستان اور یورپ میں چونکہ اخراجات زیادہ ہیں یہاں کی مصنوعات پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن کمیشن نے امریکہ اور جاپان کے مقابلہ کا کچھ خیال نہ کیا۔ بلحاظ واقعات مذکورہ بالا اس بارہ میں کمیشن کی رائے کو صحیح کہنا مشکل ہے۔

چاندی کی قیمت کی زیادتی کمیشن نے شرح تبادلہ بڑھانے کی تائید میں ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ چاندی کی قیمت زیادہ ہے لیکن یہ زیادتی قیمت تو در اصل گورنمنٹ کے ابتدائی غلط فیصلہ دینے کی بدولت ہوئی جس کی ابتدا لڑائی ختم ہونے کے آٹھ مہینے بعد (کمیشن کے مقرر ہونے کے وقت) سے ہوئی اور کمیشن کے دوران تحقیقات ہی میں چاندی کا نرخ کہیں سے کہیں پہونچ گیا اور اس زیادتی نرخ کو شرح تبادلہ کے بڑھانے کی بنیاد قرار دیا گیا۔ جس کو مسٹر دلال نے اپنی اختلافی رپورٹ میں بصراحت تحریر کیا ہے اور واقعات پیش آمدہ سے مسٹر دلال کی رائے کی پوری تصدیق بھی ہوگئی۔

شرح تبادلہ ۲۴ پنس مقرر کرنے کے لیئے کمیشن نے جو دلائل بیان کیئے تھے مختصر لکھنے کے بعد اُس تدبیر کو بیان کرنا ضروری ہے جس کو شرح تبادلہ قایم رکھنے کے لیئے اختیار کرنے کی کمیشن نے سفارش کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ

"چیمبرلین کمیشن نے سفارش کی تھی کہ گورنمنٹ ہند کو اعلان کر دینا چاہیئے کہ وہ گنجایش کے موافق جب کبھی اُس سے درخواست کی جائے گی وزیر ہند کے نام اُلٹی وزیری ہنڈیاں ایسی شرح پر فروخت کیا کرے گی جو سونے کے انگلستان لے جانے کے خرچ کے مطابق ہوگی۔ ہم اس تجویز سے کلیتاً متفق ہیں۔ مگر ہم کو معلوم ہوا ہے کہ پچھلے زمانہ میں ایسی ہنڈیاں فروخت کرنے سے پہلے وزیر ہند سے استصواب ضروری تھا اس لیے ان ہنڈیوں کے فروخت کرنے میں دقت ہوتی ہے۔ پس اس طریقہ اجرائے ہنڈی کا عوام میں اعتبار پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ افسران ہندوستان بلا استصواب وزیر ہند کارروائی کر سکیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ابتدائے جنگ میں تار کی ہنڈی سے روپیہ بھیجنے کی لوگوں کو جو سہولت بہم پہونچائی گئی تھی اُس کو تاجروں نے بہت پسند کیا تھا اس لیے ہم سفارش کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہند کو اختیار دیا جائے کہ بلا استصواب وزیر ہند (جو ہر دفعہ کیا جاتا) اعلان کر دیا کرے کہ ہر ہفتہ ایک مقررہ تعداد اُلٹی وزیری ہنڈیوں کی اور تار کی ہنڈیوں کی ایسے زمانے میں فروخت کرے گی جب شرح تبادلہ کمزور رہو۔ یہ شرح حسب دستور سابق سونے کو انگلستان بھیجنے کے خرچ کے اعتبار سے قایم کی جائے گی اگرچہ انگلستان میں جب تک اسٹرلنگ (نوٹ) کا سونا نہیں ملتا یہ ناممکن ہوگا کہ کسی ایسے نرخ کا اعلان کیا جا سکے جس پر کہ مسلسل ہنڈیاں فروخت کی جائیں۔ تاہم گورنمنٹ ہند کو تیار رہنا چاہیئے کہ جب کبھی کسی کو انگلستان روپیہ بھیجنے کی ضرورت ہو تو مناسب نرخ مقرر کر کے (ہنڈیاں فروخت کرے) اور بالفرض اگر ہماری تجویز نسبت شرح تبادلہ منظور کر لی گئی تو فی الحال دس روپیہ میں (گورنمنٹ بعد منہائی اخراجات روانگی) ایک ساورن کے ہم قیمت اسٹرلنگ (نوٹ) فروخت کرے گی"۔

کمیشن کی سفارش کے مطابق اُلٹی وزیری ہنڈیوں کی فروخت کا مطلب یہ تھا کہ

(۱) جو کام عموماً انگلستان سونا لے جانے سے پورا ہو سکتا ہے اُس کو اُلٹی وزیری ہنڈیاں فروخت کر کے پورا کیا جائے یعنی گورنمنٹ ہند سونے کی قیمت ہندوستان میں لے لے اور وزیر ہند کے نام ہنڈی دیدے جس کو وزیر ہند سونا دیکر سکا رو یں۔

(۲) ایسی ہنڈیاں اُس زمانہ میں فروخت کی جائیں جبکہ شرح تبادلہ کمزور رہو

(۳) جس وقت تک کہ انگلستان میں نوٹ کے تبادلہ میں سکہ نہ ملے اُس وقت تک وزیر ہند ہنڈی کا سونا نہیں دیں گے بلکہ اُس وقت کے بازار کے نرخ کے حساب سے نوٹ دیں گے۔

اس سفارش کی بنا پر ۱۹۲۰ء کے شروع میں اُلٹی وزیری ہنڈیاں بہ کثرت فروخت کی گئیں۔ وزیری ہنڈیوں کی فروخت کا رواج عرصہ سے چلا آتا تھا لیکن اُلٹی وزیری ہنڈیاں صرف اسی وقت فروخت کی جاتی تھیں جبکہ میزان تجارت ہندوستان کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرح تبادلہ گر رہی ہو۔ اس وقت

شرح تبادلہ بڑھاکر زیادہ قایم کی گئی اور اس کے قایم رکھنے کے لیئے اُلٹی وزیری ہنڈی کی فروخت کی اجازت دی گئی اس تدبیر کے اثرات اُلٹی وزیری ہنڈیوں کی فروخت کے سلسلہ میں بیان کیئے جاویں گے۔

بیسویں صدی کا تیسرا دور

اور

کرنسی کمیشن کی سفارشات پر عملدرآمد

سکہ کی تاریخ سنہ ۱۹۲۰ء ایک یادگار سال ہو اس سال میں جو تبدیلیاں معرض وقوع میں آئیں وہ قریب قریب عدیم المثال ہیں ان تبدیلیوں کے اعتبار سے یہ دور فروری سنہ ۱۹۲۰ء سے شروع ہوتا ہو۔ تبدیلیوں کے بیان کرنے اور سفارشات کمیشن پر عملدرآمد کی کیفیت بیان کرنے سے قبل ہم ہندوستان کی اس وقت کی حالت پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں تاکہ واقعات پیش آمدہ کی اہمیت خیال میں آسکے۔

فروری سنہ ۱۹۲۰ء میں ہندوستان کی حالت یہ تھی کہ

(۱) ہندوستان کا کروڑوں روپیہ انگلستان میں پڑا ہوا تھا جس کو لڑائی کے زمانہ میں ۲ وجوہ سے نہیں لایا گیا تھا۔

(الف) انگلستان جنگ میں مصروف تھا اور اُس کی ضروریات کا کوئی اندازہ نہ ہوسکتا تھا تو ایسی حالت میں انگلستان سے سونا باہر لے جانا اُس کی حالت کو خطرہ میں ڈالنا تھا

(ب) چاندی کی مانگ زیادہ ہونے کی وجہ سے گورنمنٹ کو سکہ بنانے میں نقصان ہونے لگا تھا اور گورنمنٹ ہند کے چاندی کے اسٹاک بہت کم رہ گئے تھے اس وجہ سے جس قدر رقم انگلستان سے ہندوستانیوں کے پاس بھیجی جاتی اُس کا بھگتان گورنمنٹ ہند کو روپیہ سے کرنا پڑتا جسکی گورنمنٹ ہند کے پاس گنجایش نہ تھی۔

(۲) لڑائی کو ختم ہوئے سترہ مہینے کے قریب ہو چکے تھے۔ اور آٹھ مہینے کا عرصہ گزر چکا تھا کہ امریکہ نے جو سونے چاندی کی منڈی ہو قیمتی دھاتوں کی درآمد برآمد پر سے سب قیود اُٹھالی تھیں لیکن ہندوستان میں یہ قیود بدستور عاید تھیں جن کی وجہ سے نہ کوئی ہندوستان میں باہر سے چاندی لاسکتا تھا نہ لیجاسکتا تھا یہی حال سونے کا تھا اور کوئی بھولے سے لے بھی آتا تو گورنمنٹ قانوناً ایک نرخ مقررہ پر اُسکو چھین کر بدلے میں نوٹ دیدیتی تھی۔

(۳) انگلستان اور دوسرے ممالک کے لوگ ہندوستان کے لوگوں کے مقروض تھے لیکن اُن کے پاس مصنوعات نہ تھیں کہ ہندوستان والوں کو بھیج سکتے اور نہ سونا بھیج سکتے تھے بلکہ جو کچھ اُن کو بھیجنا تھا وہ صرف وزیر ہند کی معرفت بھیج سکتے تھے۔

لیکن وزیر ہند اپنی مجبوریوں کی وجہ سے روپیہ بھیجنے کی سبیل نہ کر سکتے تھے اس لیے رفتہ رفتہ وہ ایک روپیہ کو بجائے ۱۶ پنس میں بیچنے کے ۲۸ پنس میں بیچنے لگتے تھے حالانکہ ہندوستان میں سونے کے نرخ کے اعتبار سے روپیہ کی قیمت زیادہ سے زیادہ ۲۴ پنس تھی۔ اور لوگوں کو سونا ہندوستان بھیجنے کی اگر اجازت ہوتی تو وہ وزیر ہند سے اس قدر مہنگا روپیہ خریدنے کے بجائے خود سونا ہندوستان بھیج دیتے۔

(۴) فروری کا مہینہ عین فصل کا زمانہ تھا۔ بندرگاہیں باہر جانے والے مال سے پٹی پڑی تھیں لیکن روپے کی قلت اور شرح تبادلہ کی زیادتی کی وجہ سے مال باہر بھیجنے میں مشکلات پیش آ رہی تھیں۔

(۵) مصنوعی طور پر شرح تبادلہ اس قدر بڑھی ہوئی ہونے کی وجہ سے کاروبار مندا تھا اور شرح تبادلہ ۲۸ پنس سے گر رہی تھی۔

(۶) تجارت کے سلسلہ میں ہندوستان کو کسی کا ایک پیسہ دینا نہ تھا بلکہ لینا تھا اُس کی حیثیت ایک قرضخواہ کی تھی اور متوقع تھا کہ اس کے مطالبات کی ادائیگی میں لوگ رقوم بھیجکر اپنے قرضہ سے سبکدوش ہوں

(۷) ہندوستان کا جو کروڑوں روپیہ باہر تھا وہ اسٹرلنگ (نوٹ) کی شکل میں ۱۶ - اور ۱۸ پنس فی روپیہ کے حساب سے خرید کر جمع کیا گیا تھا۔ لیکن کمیشن کی تجویز کے مطابق روپے کی قیمت تو بڑھ گئی اور سٹرلنگ کے دام گر گئے تھے جس کی وجہ سے ہندوستان کا خزانہ انگلستان میں رکھے ہی رکھے نصف کے قریب آ لگا

(۸) کرنسی کمیشن نے شرح تبادلہ ایک روپیہ کے چوبیس پنس (سونے کے) تجویز کی تھی۔ اور اس وقت انگلستان میں صرف نوٹ چلتے تھے جس کے ۳۳ یا ۳۴ پنس سونے کے ۲۴ پنس کے برابر تھے۔ بازاری شرح تبادلہ زمانہ جنگ کے بعد بھی کبھی ۲۸ پنس (نوٹ) سے زیادہ نہیں ہوئی تھی یعنی واقعی شرح تبادلہ ۲۴ پنس (سونے) کی دوران جنگ میں تو کیا اس کے بعد بھی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر کمیشن نے چونکہ ۲۴ پنس (سونے) کی قیمت مقرر کر دی تھی حالانکہ موجودہ شرح تبادلہ اُس سے کم تھی اس لیے وزیری اُلٹی ہنڈیاں فروخت کرنا ضروری سمجھا گیا۔ اگرچہ اُلٹی وزیری ہنڈیوں کی فروخت کی کوئی شرط پوری نہ ہوتی تھی۔

ان حالات میں بمشورہ وزیر ہند گورنمنٹ ہند نے ۲ فروری کو یہ اعلان کر دیا کہ کرنسی کمیشن کی رپورٹ کے مطابق روپیہ کی شرح ۲۴ پنس (سونے) کی مقرر کی جاتی ہے اور اس شرح کے قائم رکھنے کے لیے آئندہ جمعرات ۵ فروری سے اُلٹی وزیری ہنڈیاں حسب معمول ۲۳ پنس فی روپیہ کے حساب سے اور تار کی ۳۲ $\frac{15}{16}$ پنس کے

حساب سے نیلام کی جاویںگی حالانکہ اُس تاریخ بازار میں ہنڈی کا نرخ ۲۰ پنس فی روپیہ کا تھا۔

کمیشن کی رپورٹ کے موافق ایک روپیہ ساورن کا دسواں حصّہ مقرر کیا گیا لیکن بازار کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی۔ کمیشن نے تو سونے کا نرخ پندرہ روپے چودہ آنے فی تولہ قرار دیا تھا اور اپنے زعم میں دلائل سے یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ ہندوستان میں مزدوری اور دیگر اخراجات اُن کی تجویز کردہ شرح تبادلہ کے مطابق پہلے ہی قایم ہو چکے ہیں"۔ لیکن ہندوستان کے بازار کی کیفیت یہ تھی کہ جب کمیشن کا تقرر ہوا تو سونے کا نرخ ۳۰ روپے فی تولہ سے زیادہ تھا۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء میں جب کمیشن نے اپنی رپورٹ پیش کی سونے کا نرخ ۲۴ روپے فی تولہ کے قریب تھا اور جب اُس کی تجویز کا نفاذ ہوا تب بھی سونے کا نرخ ۲۴ روپے فی تولہ سے کم نہیں تھا۔ یہ زمانہ بھی کیا عجیب زمانہ تھا کہ کمیشن اور گورنمنٹ تو چلا رہے تھے کہ سونے کا نرخ پندرہ روپے چودہ آنے ہو اور ہندوستانی کہتے تھے کہ جتنا سونا تم چاہو پچیس روپے فی تولہ کے حساب سے ہمیں دیدو۔ ہم سب خرید لیں گے۔

گورنمنٹ نے سونا سستا کرنے کے اپنے وعدے کو دو طریقوں سے پورا کرنا چاہا۔ اول یہ کہ وزیر ہند کے نام اُلٹی وزیری ہنڈیاں فروخت کرتی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان میں پندرہ روپے چودہ آنے وصول کر کے انگلستان میں ایک تولہ سونا دیدیتی تھی اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ گورنمنٹ ہندوستان میں سونا فروخت کرتی تھی لیکن اُس کا یہ طریقہ نہیں رکھا تھا کہ پندرہ روپے چودہ آنے لیکر ایک تولہ سونا دیدے بلکہ کیا یہ جاتا تھا کہ جتنا سونا فروخت کرنا ہو اُس کے ٹنڈر لے لیئے جاتے تھے اور جن لوگوں کے زیادہ نرخ کے ٹنڈر ہوتے تھے اُن کو سونا دیدیا جاتا تھا۔ دس روپے فی تولہ یا اس سے کچھ کم کا نفع ایسا نہ تھا کہ لوگوں کو نچلا بیٹھنے دیتا۔ لوگوں نے اپنے کاروبار چھوڑ دیئے اور جو روپیہ ملتا اُس کی اُلٹی وزیری ہنڈیاں خریدنے اور سونے کے ٹنڈروں میں لگانے لگے لیکن سونے کے لیئے ٹنڈر دینا اور اُلٹی وزیری ہنڈیاں خریدنا ہر شخص کے بوتے کا کام نہ تھا۔ کیونکہ اُلٹی وزیری ہنڈی کی درخواست کم از کم پانچہزار پونڈ کی ہونا ضروری تھی جس میں سے پانچواں حصّہ یعنی ایک ہزار پونڈ درخواست کے ساتھ جمع کرنے کی شرط تھی۔ اور اسی قسم کی شرائط سونے کے ٹنڈروں کے لیئے بھی تھیں اس لیئے یہ کام چھوٹی حیثیت کے لوگوں کا نہیں تھا بلکہ بڑے بڑے بنکوں اور کھپتی سٹہ والوں کا تھا تاہم چھوٹے لوگوں نے بھی پتی ڈال ڈال کر اس کام کو شروع کر دیا اور ہر جمعرات کو بمبئی مدراس اور کلکتہ میں ایک ہنگامہ برپا ہونے لگا۔ گورنمنٹ نے پہلے ہفتہ میں ۲۰ لاکھ پونڈ کی دوسرے ہفتے پچاس لاکھ کی اور اس کے بعد ہر ہفتہ بیس بیس لاکھ کی ہنڈیاں فروخت کیں۔ خریداروں کی تعداد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹ فروری کو جب تیسرا نیلام ہوا جس میں ۲۰ لاکھ پونڈ کی ہنڈیاں نیلام کی گئیں تھیں تو

درخواستوں کی مجموعی تعداد ۱۲ کروڑ بیس لاکھ پونڈ تھی اور اس لیئے جتنی رقم کی درخواست تھی اُس کا ڈیڑھ فی صدی کے حساب سے درخواست دہندوں کو تقسیم کیا گیا تھا۔

گورنمنٹ کی ہنڈیوں میں تمام بازار کا روپیہ لگ جانے کی وجہ سے کاروبار کے لیئے روپیہ کی قلّت ہونے لگی اس لیئے سوداگروں نے احتجاج اور پروٹسٹ کیا۔ فروری کا مہینہ عین فصل کا زمانہ تھا۔ ولایت جانیوالے مال سے بازار بھرے پڑے تھے لیکن روپیہ تھا کہ اُلٹی وزیری ہنڈیوں کی خرید میں لگایا جا رہا تھا۔ اور کسی کے پاس مال باہر بھیجنے کو روپیہ نہ تھا جس کی وجہ سے لوگوں کی حالت خراب ہوگئی اور بہی خواہان تجارت چلا اُٹھے۔ بعض لوگوں نے اس کیفیت کا اندازہ کمیشن کی رپورٹ اور گورنمنٹ کا اعلان شایع کرنے ہی کر لیا تھا چنانچہ مسٹر بی۔ ایف۔ میڈن ماہر مالیات نے ۲۰ فروری کے اخبار ٹائمز میں اس تصفیہ کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے لکھا۔

کہ "اُلٹی وزیری ہنڈیوں کا مقصد یہ ہوتا ہے

(۱) جب سونا ملک سے باہر بھیجنا ہو تو اُس کے بجائے ہنڈی بھیجدی جاوے۔

(۲) سونا ملک سے باہر بھیجنے کی ضرورت اُس وقت ہوتی ہے جب برآمد کے مال میں کمی ہو جاوے اور میزان تجارت ملک کے خلاف ہو جاوے۔

(۳) برآمد کے مال میں کمی ہو جانے کی وجہ سے سونا باہر بھیجنے کی ضرورت ہوتی ہے تو شرح تبادلہ گھٹ جاتی ہے تو بحالات موجودہ یہ معنی ہوئے کہ روپیہ کی قیمت باعتبار اسٹرلنگ کے گرنے لگی۔

(۴) صرف شرح تبادلہ گرنے کی وجہ سے سونا باہر بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی جب تک نقطہ برآمد طلا سے بھی زیادہ نہ گر جاوے یعنی سونا باہر بھیجنے میں بچت نہ ہونے لگے۔

(۵) ہندوستان میں نقطہ طلا فرضی ہے ...... صحیح یا غلط اب شرح تبادلہ ۲۴ پنس مقرر کردی گئی ہے جس کے حساب سے نقطہ طلا ۲۳ ۳/۱۶ پنس ہوگا۔

لہذا اب دیکھنا یہ ہے کہ ان وجوہ میں سے کونسی وجہ ہے جو گورنمنٹ اُلٹی وزیری ہنڈیاں فروخت کر رہی ہے درآنحالیکہ

(۱) برآمد کے مال کی کمی نہیں بلکہ زیادتی ہے عین فصل کا وقت ہے۔ روئی اور سن وغیرہ باہر جا سکتی ہے لیکن ان کے باہر بھیجنے میں شرح تبادلہ بڑھنے اور اُلٹی وزیری ہنڈیاں بھیجے جانے کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ میزان تجارت ہمارے خلاف نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو شرح تبادلہ پہلے ۲۸ پنس تھی اب اُس سے کم ہوتی لیکن واقعہ اس کے برعکس ہے۔

(۲) کوئی شخص یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ ہماری برآمد کا مال درآمد شدہ مال کی قیمت کے ادا کرنے کے لیئے ناکافی ہو
(۳) میزان تجارت انگلستان کے خلاف ہو اور ہندوستان کے خزانہ سے اُس کو پورا کرنے کی کوشش
کی جا رہی ہو دوران جنگ میں تو ہم کو مجبور کیا گیا کہ اپنے مال کے عوض میں سونا لینے کے بجائے ۱۶ پنس اور
۱۸ پنس فی روپیہ کے حساب سے نوٹ لیں اور اس طرح ہر جو مال ہندوستان سے جاتا تھا اُس کی
قیمت سوداگروں سے بحساب مذکورہ بالا وزیر ہند وصول کرکے انگلستان کے خزانہ میں جمع کرلیتے تھے
لیکن اب ادائگی کے وقت اس خزانہ میں سے ایک روپے کے ۳۲ پنس سے ۲۶ پنس تک انگلستان والوں
کو دیئے جاتے ہیں جس کے یہ معنی ہوئے کہ ہمارے خزانہ کی قیمت نصف رہ گئی"۔

ایک اور مضمون ۱۷ فروری کو مسٹر ایس۔ آر۔ بومن جی نے اخبار ٹائمز میں لکھا تھا:۔

"کہ مسٹر میڈن کا سوال بہت ٹھیک ہو کہ وہ وجوہ کیا ہیں جن کی بنا پر گورنمنٹ اُلٹی وزیری ہنڈیاں فروخت کررہی ہو۔ کیا میزان تجارت ہمارے خلاف ہوگئی ہو۔ یا کہ ہمارے قرضخواہ ہم سے قرضہ کا مطالبہ کررہے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہو کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں ہو پس ہندوستانی حق بجانب ہیں اگر یہ سوال کریں کہ یہ نیلام کس کے فائدے کے لیئے کیئے جا رہے ہیں۔ ان نیلاموں کا نتیجہ ایسا ہی ہو جیسا کہ ہندوستان سے سونا جہاز میں بھر کر بھیجدیا جاوے۔ لیکن جیسا کہ مسٹر میڈن نے ثابت کیا ہو نہ تو میزان تجارت اور نہ ہماری بین الاقوامی پوزیشن کا یہ اقتضیٰ ہو کہ اس وقت اُلٹی وزیری ہنڈیاں فروخت کی جائیں"۔

"جناب والا۔ آج کل ہندوستان کے مال کو سخت نقصان پہونچایا جارہا ہو اور قانونی فتویٰ دے کر ڈاکہ ڈالا جارہا ہو جسے کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ الفاظ میں ایک منظم لوٹ کے سوا دوسرے الفاظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ہمارے اسٹرلنگ کے خزانے جنھیں اس طرح لوٹا جارہا ہو وہ خزانے ہیں جن کے جمع کرنے میں ہم کو سالہا سال لگے ہیں . . . .

مثلاً ہمارا سونا نوٹوں کے خزانہ میں نیز معیار طلا اور خزانہ عامہ میں تھا جو ہندوستان سے انگلستان منتقل کیا گیا تھا جس کے منتقل کیئے جانے کی وجوہ میں سے بڑی وجہ برطانیہ کے خزانہ کی امداد تھی۔ دوسرے ہر شخص جانتا ہو کہ دوران جنگ میں بہت زیادتی کے ساتھ میزان تجارت ہمارے حق میں رہی اور ہم کو حق تھا کہ اپنے مال کی قیمت سونے میں وصول کرنے کا مطالبہ کرتے لیکن مصیبت کے وقت ہم انگلستان اور اُس کے اتحادیوں کو پریشان کرنا نہیں چاہتے تھے اس لیئے سال بسال اپنے مطالبات کی ادائگی میں خزانہ انگلستان کے بل لیتے رہے اور ہماری قریب ۱۴ کروڑ پونڈ اسٹرلنگ کے رقم جمع ہوگئی تھی جس زمانہ میں یہ رقم جمع کی گئی شرح تبادلہ ۱۶ پنس تھی جس کے حساب سے ہمارا تقریباً ۲۱۰ کروڑ روپیہ ہوتا ہو۔ مگر گزشتہ جمعرات ۱۲ فروری کو

الٹی ہنڈیاں ۳۴ ۳/۳۲ پنس فی روپیہ کے حساب سے فروخت ہونے پر ہماری ۲۱۰ کروڑ روپے کی پونجی ۹۰ کروڑ روپے کی رہ گئی ہے..........

قاعدہ سے یہ نقصان برطانوی خزانہ کے نام لکھا جانا چاہیئے۔ ہمارے حاکموں نے جو اپنے آپ کو ہمارا ٹرسٹی اور امین سمجھتے ہیں اس کا کیا انتظام کیا ہے؟ ان الٹی وزیری ہنڈیوں کا مآل کار یہ ہو رہا ہے کہ ہندوستان کا روپیہ گورنمنٹ کے خزانہ میں کھنچا چلا جا رہا ہے اور وہ بھی ایسے وقت میں کہ وصول مالگذاری سے گورنمنٹ کو پہلے ہی بہت روپیہ مل رہا ہے حالانکہ ابھی ہندوستان سے باہر مال بھیجنے کے لیئے روپیہ کی ضرورت ہے اور یہی پالیسی پر اس وقت عمل ہو رہا ہے اس سے روپے کی سخت قلت ہو گئی ہے۔ اور اس کو اگر فوراً بند نہ کیا جائیگا تو جو خرابی ہوگی بیان سے باہر ہے۔"

غرضکہ ابتدا میں ہندوستانی تاجروں کی طرف سے احتجاج ہوتے رہے آخر میں انگریز بھی اس احتجاج میں شریک ہونے لگے۔ اخبار ٹائمز نے اس نیلام کے بند کیئے جانے کی حمایت میں خود مضمون پر مضمون لکھے لیکن گورنمنٹ نے کچھ بھی پروا نہ کی اور نیلام برابر جاری رکھے۔

گورنمنٹ ہند کا بیان
لیکن ۲۳ فروری ۱۹۲۰ء کو گورنمنٹ نے ایک چٹھی شایع کی جس میں یہ تو تسلیم کیا کہ بہت سے سٹہ والوں نے ان ہنڈیوں کے نیلام سے فائدہ اٹھایا ہے مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ جن لوگوں نے دوران جنگ میں بکثرت منافعہ کما کر جمع کیا تھا وہ منتظر تھے کہ شرح تبادلہ ٹھیک ہو تو اپنے روپے کو انگلستان بھیجیں۔ اب چونکہ شرح تبادلہ ٹھیک ہو گئی ہے وہ کثرت سے روپیہ بھیج رہے ہیں۔ لہذا سٹہ بازی کا انسداد کرنے کے لیئے کنٹرولر آف کرنسی (افسر سکہ) کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ جس درخواست کو چاہیں نامنظور کر دیں۔

گورنمنٹ کے اس طرز پر ہندوستانیوں نے مزید شور مچایا کہ اس اختیار تمیزی سے افسر مذکور ناجائز فائدہ اٹھائے گا کیونکہ ان معاملات میں اس قدر منافعہ کثیر ہے کہ ایک مرتبہ تو "فرشتوں کی بھی رال ٹپک جاوے گی"۔ نیز اس شرط سے یہ شکایت بھی پیدا ہوئی کہ امریکن، جاپانی، اور انگریزی بنکوں کی درخواستیں تو منظور رہیں اور ہندوستانیوں کی نامنظور کر دی گئیں۔ لہذا بڑے بڑے بنک ۳۴ پنس کے حساب سے ہنڈیاں خرید چھوٹے تاجروں کو ان کے ہاتھ ۳۱ پنس کے حساب سے فروخت کرنے لگے اور چشم زدن میں ۳ پنس فی روپیہ کا منافعہ کما لیتے تھے جس کی میزان ایک ایک ہفتہ میں پندرہ اور بیس ہزار کی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس پر بھی ۳ مارچ ۱۹۲۰ء کے اخبار ٹائمز میں مسٹر ایس۔ آر۔ بومن جی نے ایک مضمون لکھا تھا۔

"لڑائی سے پہلے بھی جبکہ انگلستان خوشحال تھا یہ شکایت تھی کہ برطانیہ نے ہندوستان کے قدرتی

خزائن کو یہاں سے لیجا کر اور تجارت پر قبضہ کر کے ہندوستان کو غریب و مفلس کر دیا ہے لیکن اب کہ برطانیہ مالی مشکلات میں مبتلا ہے یہ شکایت روز بروز اور بڑھتی جاتی ہے۔ برطانیہ کی خوشحالی کے زمانہ میں ہندوستان کی دولت کم و بیش ڈھکے چھپے طریقہ سے جاتی تھی لیکن آجکل کی یہ باقاعدہ ترسیل خفیہ بھی نہیں ہے۔ یہ تو پبلک رائے کے خلاف علانیہ دست برد اس غرض سے جاری ہے کہ برطانیہ کی ان موجودہ مالی مشکلات میں جو اس کو امریکہ کے ساتھ تجارت میں پیش آرہی ہیں امداد دی جائے"۔

سیاسیات میں تو نیک نیتی کے ساتھ اس بارہ میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ ہندوستانی کہاں تک ذمہ دار حکومت کے اہل ہیں لیکن مالیات اور اقتصادیات میں تو شمار و اعداد و حساب سے پتا بت کیا جا سکتا ہے کہ واقعی یہ تصرف بیجا ہے جس کو قانوناً جائز بنا لیا گیا ہے۔ اور اس میں تو اختلاف رائے کی گنجایش بھی نہیں ہے جب ایوان تجارت کی نمائندے ہندوستانی گورنمنٹ کی پالیسی پر کھلم کھلا اعتراض اور سخت لہجہ میں نکتہ چینی کرتے ہیں تو گورنمنٹ نہایت آسانی سے یہ ثابت کر سکتی ہے کہ اعتراض غلط ہے"۔

غرضکہ تاجروں کو اس پالیسی کے خلاف بالعموم اشتعال تھا۔ ہر طرح کے مضامین لکھے اور تقریریں کرنے میں کچھ باک نہ تھا۔ اسی زمانہ میں یعنی ۱۹۲۰ء میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کا اجلاس ہوا۔ اس میں بھی آنریبل سر فضل بھائی کریم بھائی جیسے اعتدال پسند بھی اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکے اور بجٹ پر تقریر کے دوران میں انھوں نے کہا۔

امپیریل کونسل کا اجلاس اور سر فاضل بھائی کریم بھائی بیان: "پندرہ روپے فی ساورن کی شرح بیس برس تک ایسے زمانہ میں قایم رکھی گئی جس میں اس شرح سے ہندوستان کا فائدہ تھا۔ اور زمانہ جنگ کے ایسے زمانہ میں بھی قایم رکھی گئی جس میں ہندوستان کو اس شرح سے نقصان تھا اور عارضی صلح کے بعد بھی اس کو قایم رکھا گیا جبکہ ہندوستانی تجارت کو شدید نقصان پہونچا لیکن اب کہ توقع کی جاتی تھی کہ برطانیہ اور اتحادی اس صلہ میں کہ ہندوستانیوں نے ان کے لیے ہر طرح کی امکانی قربانیاں کی ہیں اچھا سلوک کریں گے تو ہم دیکھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ شرح تبادلہ انتہائی حد تک بڑھا دی گئی ہے۔ اور جس زمانہ میں کہ شرح تبادلہ قایم رکھنے کی ضرورت تھی گورنمنٹ نے اس میں سخت تزلزل پیدا کر دیا ہے اور کرنسی کمیشن کی اکثریت نے اس کا کوئی مفید علاج تجویز نہیں کیا ہے"۔

"میں اُن لوگوں میں سے ہوں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ برطانوی حکومت سے اس ملک کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ انگریزوں نے اپنا سرمایہ یہاں ایسے کاموں میں لگایا جن پر ہندوستانی خواہ بوجہ جہالت یا خواہ بوجہ غربت سرمایہ نہ لگا سکتے تھے اور اپنے اسی عقیدے کی بنا پر میں یہ کہنے کے لیے مجبور ہوں کہ

گورنمنٹ نے برطانوی سرمایہ کو آئندہ ہندوستان آنے سے روک کر اور جو سرمایہ یہاں لگا ہوا ہے اُس کو یہاں سے واپس منگانے کے مواقع بہم پہونچا کر ہندوستان کو سخت نقصان پہونچایا ہے۔ اس ملک میں جو سرمایہ چھ فیصدی سے دس فیصدی تک کے منافعہ کے خیال سے لگایا گیا تھا اُس کے آج کل واپس لئے جانے میں سو فی صدی کا نفع تو قیمتوں کی زیادتی کی وجہ سے ہے اور سو فی صدی سے زیادہ شرح تبادلہ کی وجہ سے مل رہا ہے"

اس کونسل میں ممبروں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ممبر مالیات نے تسلیم کیا ہے کہ "الٹی وزیری ہنڈیاں نیلام کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس وقت ہندوستان میں ۱۰۰ پونڈ کے عوض ہم کو مبلغ ۷۲۰ سات سو بیس روپے مل رہے ہیں حالانکہ پہلے ۱۵۰۰ ایک ہزار پانچسو روپے جمع کر کے ہم نے ۱۰۰ سو پونڈ لیئے تھے"۔ لیکن ممبر مالیات نے کہا کہ گورنمنٹ کو ایسی شرح تبادلہ قایم کرنا تھی جس سے چاندی خرید کر روپیہ بنا سکے اور بڑھی ہوئی اشیا کی قیمت گھٹ سکے نیز گورنمنٹ کو مطالبات کی ادائیگی میں بچت ہو سکے۔

مارچ ۱۹۲۶ء میں ہنڈیوں کے نیلام پر مزید شرائط | باوجود ہر قسم کی کوشش کے گورنمنٹ ستہ والوں کو الٹی وزیری ہنڈیوں کی خرید سے نہ روک سکی تو بالآخر مارچ میں یہ شرط عائد کی کہ درخواست کے ساتھ بجائے ۲۰ فیصدی کے ۵۰ فی صدی رقم جمع کی جاسے۔ درخواست کم از کم پانچہزار پونڈ کی دی جاسکتی تھی جس ہفتہ یہ حکم جاری ہوا اُس سے پچھلے ہفتہ میں ۲۰ لاکھ پونڈ کی ہنڈیوں کا نیلام ہوا تھا اور اس میں ۱۵ کروڑ تیس لاکھ پونڈ کی درخواستیں آئی تھیں جس کی رو سے اگر کسی شخص کو پانچہزار پونڈ لینے ہوں، تو تین لاکھ بیاسی ہزار پچاس پونڈ کی درخواست دینی چاہیئے تھی اور درخواست کے ساتھ ۲۰ فیصدی کے حساب سے چھہتر ہزار پانچسو پونڈ جمع کرنے چاہیئے تھے یعنی ملنے والی رقم سے ۱۵ گونہ پیشگی رقم جمع کرنی پڑتی تھی جسے معمولی کاروبار میں کوئی شخص بھی گوارا نہیں کر سکتا لیکن یہ کثیر منافع ہی تو تھا جس کی وجہ سے لوگ دوڑ رہے تھے اب اس نئی شرط یعنی زیادہ رقم پیشگی جمع کرنے کے حکم سے کوئی ایسا معیار تو قایم نہیں ہوا کہ جس سے درخواست دہندہ کے ضرورتمند ہونے یا نہ ہونے کا کوئی تصفیہ ہو سکتا البتہ درخواست دینے والوں پر زیادہ روپیہ دینے کی شرط عائد ہو گئی۔

اپریل ۱۹۲۶ء میں ہنڈیوں کی تعداد میں تخفیف | اپریل ۱۹۲۶ء میں ہنڈیوں کے خلاف احتجاج میں انجمن کارخانہ داران بھی شامل ہوئی اور اس نے علاوہ دیگر مطالبات کے ایک مطالبہ یہ بھی کیا کہ کمیشن کے تمام ممبر بالحاظ اکثریت و اقلیت اس پر متفق ہیں کہ سونے کی درآمد پر جو قیود ہیں اُٹھا دینی چاہئیں لیکن گورنمنٹ نے اس پر اس وقت تک عملدرآمد نہیں کیا حالانکہ اس پر عملدرآمد ہونا بہت ضروری ہے۔

نہ معلوم ان احتجاجات سے متاثر ہو کر یا کسی اور مصلحت سے اپریل میں گورنمنٹ نے یہ اعلان کر دیا کہ ۲۹ اپریل سے بجائے ۲۰ لاکھ پونڈ کی ہنڈیوں کے ۱۰ لاکھ پونڈ کی ہنڈیاں نیلام کی جائیں گی حالانکہ اس وقت

علاوہ ایک ہفتہ کے جس میں ۵۰ لاکھ پونڈ کی ہنڈیاں فروخت کی گئیں جنہیں ہر ہفتہ ۲۰ لاکھ پونڈ کی ہنڈیاں فروخت کی جاتی تھیں یعنی ہنڈیوں کی تعداد میں تخفیف کر دی۔

چاندی کی قیمت میں کمی | ادھر تو ہندوستان میں یہ شور و غل مچ رہا تھا ادھر خلاف توقع کرنسی کمیشن کی پیشین گوئی کی نہایت سرعت سے تردید شروع ہوگئی تھی یعنی چاندی کی قیمت گرنے لگی تھی۔ ۲۴ پنس شرح تبادلہ قایم کرنے کی سب سے بڑی وجہ کرنسی کمیشن نے یہ بیان کی تھی کہ امریکہ میں چاندی کا نرخ ۱۱۰½ سنٹ فی اونس کے قریب ہے اور جب تک کہ نرخ ۹۲ سنٹ فی اونس نہ ہو جائے موجودہ شرح تبادلہ (۱۶ پنس فی روپیہ) کے اعتبار سے چاندی کے روپیہ مسکوک کرنے میں نقصان ہے۔ اور اسی وجہ سے ایک روپیہ ۲۴ پنس کی برابر قرار دیا گیا تھا۔ لیکن جون ۲۰ ۱۹ء میں چاندی کا نرخ امریکہ میں ۵۰ سنٹ فی اونس ہوگیا اور گورنمنٹ کو روپیہ مسکوک کرکے ۱۶ پنس فی روپیہ شرح تبادلہ مقرر کرنے میں خسارہ کی صورت باقی نہیں رہی تھی اور حقیقت میں تو وہ بنیاد ہی مسمار ہوگئی جس پر ۲۴ پنس کے روپے کی تعمیر کھڑی کی گئی تھی۔

اس وقت گورنمنٹ کی حالت بہت عجیب تھی اس کو پانچ مہینے کے قریب کرنسی رپورٹ کی سفارش کے موافق روپیہ کو ۲۴ پنس (سونے) کی شرح پر قایم کرنے کی کوشش کرتے گزر چکے تھے اور کروڑوں روپیہ کا خزانہ اس کی نذر ہو چکا تھا۔ سونے کا نرخ پندرہ چودہ آنے فی تولہ کرنے کی غرض سے لندن سے سونا بازاروں میں بھی بھیجا گیا لیکن سونے کا نرخ اس تمام جد و جہد کے بعد بھی ؏۵ بیس روپے تولہ سے زیادہ تھا اور اس اعتبار سے روپیہ کی شرح تبادلہ ۱۶ پنس سے زیادہ نہ ہونے پائی تھی جس کی وجہ سے لوگوں میں ہیجان بڑھ رہا تھا۔ ادھر چاندی کے نرخ نے بیچ میں دھوکا دیدیا تو اور دقت ہوئی اور ہندوستانی تاجروں کے ایوان کی طرف سے گورنمنٹ کو تار بھی دیئے گئے تو گورنمنٹ نے مجبوراً آخر جون میں ۲۴ پنس (سونے) کی شرح قایم کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اعلان کر دیا کہ ۲۱ رجون سے الٹی وزیری ہنڈیاں ۲۳ ۲۹/۳۲ پنس فی روپیہ کے حساب سے فروخت کی جائنگی یعنی ۲۴ پنس (سونے) سے ناتہ چھوڑ کر ۲۴ پنس (نوٹ) سے رشتہ قایم کر لیا[1] نیز یہ اعلان بھی کر دیا کہ آئندہ ستمبر کی امپیریل کونسل میں کمیشن کی سفارشات کے مطابق ایک قانون پاس کرکے ساورن کی قانونی قیمت دس روپے کر دی جائے گی اور ۱۲ رجولائی کے بعد گورنمنٹ ایک ساورن پندرہ روپے میں نہیں لے گی۔ لیکن اس اعلان سے بھی ساورن کی قیمت پر کچھ اثر نہیں پڑا۔ البتہ بہت سے لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ آئندہ واقعی طور پر ساورن کی قیمت ؏۱۰ روپیہ میں ہو جائے گی خزانوں پر

---

[1] اس زمانہ میں انگلستان میں نوٹ پر بٹہ ہونے کی وجہ سے ۲۴ پنس سونے کے قریب ۲۳ پنس (نوٹ) کی برابر تھے۔ اس طرح ہنڈی بجائے ۲۳ پنس کے ۲۴ پنس پر فروخت کی جانے لگی۔

بکثرت ساورن داخل کردیں اور گورنمنٹ کو اس طرح پر سونا مل گیا۔ تاجروں نے گورنمنٹ کے اس اعلان کے خلاف بھی آواز بلند کی کہ باوجود ان تمام نقصانات کے اور چاندی کی قیمت گر جانے کے بھی گورنمنٹ شرح تبادلہ ۲؍ ہنس کیوں قائم رکھنا چاہتی ہے چنانچہ اخبار ٹائمز نے اپنی اگست ۱۹۲۰ء کی ایک اشاعت میں لکھا کہ

"وائسرائے نے اپنے اس ارادہ کا اعلان کیا ہے کہ ساورن کو بجائے پندرہ روپے کے دس روپے میں لیگل ٹنڈر بنانے کا قانون پاس کرادیں گے۔ ہم کو انتظار ہے کہ دیکھیں ہمارے افسران اس پالیسی اختیار کرنے کی کیا مصلحت بتاتے ہیں۔ کیونکہ کرنسی کمیشن نے جو سفارشیں کی تھیں اُن کی قیمت تو اتنی بھی نہیں جتنی کہ اس کاغذ کی قیمت ہے جس پر وہ لکھی گئی تھیں۔ ․ ․ ․ ․ ․ ․

ہم اس معاملہ میں قبل از وقت فیصلہ دینا نہیں چاہتے لیکن یہ بتلا دینا چاہتے ہیں کہ جو مواد ہمارے سامنے موجود ہے اُس کی رو سے تو گورنمنٹ کے اس ارادہ کو ہم صحیح نہیں کہہ سکتے۔"

اسمبلی میں شرح تبادلہ کا قانون بالآخر ۳؍ اگست کو سکہ اور نوٹ کے قانون میں ترمیم کا بل پیش کیا گیا۔ مسٹر ٹاٹا نے جو سر فضل بھائی کریم بھائی کی جگہ کونسل میں ممبر ہوگئے تھے اس بل کی مخالفت کی۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ بل اس وقت ملتوی ہو جائے کیونکہ ابھی تک حالات غیر معمولی ہیں اور آئندہ کونسل میں پیش کیا جاوے۔ لیکن آئندہ اسمبلی نئی اصلاحات کی بنا پر آنے والی تھی اس لیے گورنمنٹ اس قانون کو ملتوی کرنا نہیں چاہتی تھی چنانچہ مسٹر ٹاٹا کی رائے نامنظور کردی گئی۔ مسٹر ٹاٹا نے بل کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ ساورن کو دس روپے کا لیگل ٹنڈر بنانا چاہتے ہیں۔ اپنی اس اسکیم کو آپ عملی جامہ کس طرح پہنائیں گے کیا دس روپے کے تبادلہ میں آپ ساورن دیں گے۔ آج کل سونے کا بھاؤ ۲۴ فی تولہ ہے لیکن ساورن اگر ۱۰ روپے کا کردیا جاتا ہے تو سونے کا نرخ ۱۵ فی تولہ ہونا چاہیئے پس اس ۹ کے فرق کو آپ کس طریقہ سے ہٹا دیں گے۔

اس کے علاوہ اس وقت قانون کے پاس کرنے میں کیا مصلحت ہے۔ اور کیا جلدی ہے۔ اور کیا سوائے اس صورت کے کہ گورنمنٹ سونے کو بازار میں نیلام کرے اس ۹ فی تولہ فرق کے مٹانے کی کوئی دوسری صورت ہوسکتی ہے۔ گورنمنٹ لاکھوں تولہ سونا فروخت کرچکی ہے لیکن بے فائدہ۔ ہاں میرے خیال میں صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہندوستان میں روپے کے چلن میں اتنی کمی کردی جائے کہ جس کی وجہ سے تمام ملک مالی مصائب میں مبتلا ہو جاوے اور لوگ بجائے سونا خریدنے کے مجبوراً اپنے زیورات فروخت کرنے کیلئے بازاروں میں نکال لائیں" سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے اُنھوں نے کہا

اب میں دریافت کرتا ہوں کیا گورنمنٹ نے کبھی غور کیا کہ اس تبدیلی کا اثر اس کثیر زرعی آبادی پر کیا

ہوگا جو نہایت غریب اور مقروض ہے۔ دس ساورن کا جو مال وہ باہر بھیجتے ہیں اور جس کے اُن کو اس وقت مافقہ روپے ملتے ہیں اس کے بعد سو روپے ملنے لگیں گے لیکن اس کو ساہوکار اور گورنمنٹ کے جو مطالبات دینے ہیں بدستور قایم رہیں گے۔ اس کے پاس تو ان مطالبات دینے کے بعد پہلے ہی بہت کم بچتا تھا لیکن نئی شرح تبادلہ میں تو وہ ختم ہی ہو جاوے گا۔ مجھے معلوم ہو کہ کرنسی کمیشن نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ دُنیا میں اشیا کی قیمتیں اس قدر زیادہ ہوگئی ہیں کہ موجودہ نرخ کے اعتبار سے کاشتکار کو نقصان نہ ہوگا۔ لیکن اُن کے اس بیان کی تکذیب چند مہینوں کے واقعات ہی پورے طور پر کر چکے ہیں۔ باوجود ان حالات کے کیا نئی شرح تبادلہ کو زبردستی قایم کرنا کسی طرح درست قرار دیا جا سکتا ہے۔"

تاہم یہ قانون پاس ہونا تھا پاس ہوگیا اور مخالفت سے کچھ بھی بن نہ پڑا اور گورنمنٹ قانون پاس ہونے کے چند دن بعد تک بدستور اُلٹی وزیری ہنڈیاں فروخت کرتی رہی۔ لیکن آخر ستمبر میں بند کر دی گئیں۔

کتاب (ہندوستانی سکہ کی تاریخ کا ایک باب) مطبوعہ ٹائمز پریس بمبئی کا مصنف ہنڈیوں کے نیلام بند کرنے کے بارہ میں لکھتا ہے کہ

"یہ تباہ کن نیلام بظاہر اس واسطے جاری رکھے گئے تھے کہ شرح تبادلہ اُس وقت تک بڑھی ہوئی قایم رکھی جا سکے جب تک کہ ایسی ہی شرح تبادلہ کی بابت قانون پاس ہو جائے۔ کیونکہ قانون پاس ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد آخر ستمبر میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ اُلٹی وزیری ہنڈیوں کا نیلام تا اطلاع ثانی بند کیا جاتا ہے"۔

(حکام نے) اپنی آبرو بچانے کے لیئے یہ اختیار رکھ لیا تھا کہ جب مناسب معلوم ہوگا پھر نیلام کریں گے۔ گورنمنٹ کی اس چھٹی کا (جس میں نیلام بند کرنے کا حکم تھا) عجیب ترحصہ وہ ہے (جس میں نیلام بند کرنے کے وجوہ بتائے ہیں) جس میں لکھتے ہیں کہ "جب ہندوستانی سکہ کا قانون جس میں ساورن کی قیمت دس روپے مقرر کی گئی ہے پاس کرتے وقت مجلس مقننہ میں اس تمام مسئلہ پر نظر ثانی کا موقع ملا۔ اور اب گورنمنٹ ہند نے یہ اجازت وزیر ہند طلب کیا ہے .... وغیرہ وغیرہ"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب انڈیا آفس والوں نے اپنا مقصد کہ روپیہ کو قانوناً ۲۴ پنس کے برابر مقرر کر دیا جاوے حاصل کر لیا تو گورنمنٹ ہند کو اجازت دیدی کہ اُلٹی وزیری ہنڈیوں کا نیلام بند کر دیا جاوے"۔

یہ پر از حوادث زمانہ بھی بالآخر ختم ہوگیا جس کے متعلق ٹائمز آف انڈیا ایئر بک ۱۹۲۱ء کا مصنف لکھتا ہے

"شرح تبادلہ قایم کرنے کے ارادہ سے جس پالیسی کا اجرا کیا گیا تھا اُس کا انجام یہ ہوا کہ ملک میں شرح تبادلہ میں اتنی انتہائی کمی پیش ہونے لگی جتنی کہ کسی خوشحال ملک میں امکاناً ہو سکتی ہے۔ تجارت میں انتہائی گڑبڑ پڑ گئی گورنمنٹ کو بھی عظیم نقصانات ہوئے اور سیکڑوں بڑے بڑے تاجر دیوالہ کے کنارہ پہونچ گئے" صفحہ ۱۰۱

ہنڈیوں کا نیلام بند ہونے کے بعد تاجروں کی حالت | خدا خدا کرکے یہ مصیبت کا زمانہ تو کٹ گیا اور لوگ سمجھتے تھے کہ اب آرام و اطمینان سے رہیں گے لیکن قسمت میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ یعنی جس وقت شرح تبادلہ زیادہ تھی برآمد کرنے والے سوداگر تباہ ہو رہے تھے اور بیرونی ممالک کا مال سستا پڑنے کی وجہ سے درآمد کرنے والے سوداگر گورنمنٹ کی پالیسی پر بھروسہ کرکے بیرونی ممالک کو آرڈر پر آرڈر بھیج رہے تھے لیکن بقول شخصے "حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد" گورنمنٹ ۲۴ پنس شرح کا قانون آناً فاناً پاس کرکے بیٹھ گئی اور آئندہ اس معاملہ میں مداخلت کرنے سے دست کش ہو گئی تو مصنوعی طور پر جو شرح تبادلہ بلند تھی گرنے لگی ۲۴ پنس سے ۲۲۔ اور ۲۲ سے ۲۱۔ اور ۲۱ سے ۲۰ غرض جوں جوں دن گزرتے جاتے تھے ووں ووں شرح تبادلہ نیچے گرتی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ دسمبر میں ۱۶ ۳/۴ پنس پر نوبت پہنچ گئی جو بمقابلہ اسٹرلنگ یعنی نوٹ کے تھی اور اور سونے کے مقابلہ میں تو ۱۴ پنس کے قریب تھی برآمد مال کے سوداگر پریشان تھے رزولیوشن پاس کرتے ہیں۔ بھاگ دوڑ کرتے ہیں گورنمنٹ کو اس کے وعدہ یاد دلاتے ہیں لیکن سب کا جواب خاموشی ہے دوسری طرف درآمد مال کے سوداگر تباہ ہیں قانون میں تو لکھا ہے کہ ایک روپیہ کے ۲۴ پنس ملیں گے لیکن کپڑے کے سوداگر ہیں کہ ایک روپے کے بیس پنس کیا معنی کوئی پندرہ پنس بھی نہیں دیتا۔ کیا کریں جس مال کو دس روپے کا سمجھ کر منگایا گیا تھا اس کے اب ولایت والوں کو دیتے وقت بیس روپے دینے پڑیں گے۔ اتنی تو نفع کی بھی امید نہ تھی۔ الامان والحفیظ پکار اٹھے پنچائتیں کیں انگلستان والوں سے کہا کہ دام گھٹاؤ۔ آپس میں قرار دیا کہ مال آ گیا تو آ جائے۔ دام اس وقت تک نہ دو جب تک کہ ایک روپے کے ۲۴ پنس نہ ملیں۔ سونے کے نہ ہوں نوٹ کے صحیح لیکن ہوں ۲۴ پنس۔ اور جو شخص اس قرارداد کے خلاف کرے گا سزاوار جرمانہ ہوگا۔ غرض بقول شخصے پہاڑ کی چڑھائی پر بھی لعنت اور اس کی اترائی پر بھی لعنت۔ اس شرح تبادلہ کی کمی بیشی دونوں ہی پر لعنت پڑتی رہی۔

اس پر موئے کو مارے شاہ مدار مستزاد یہ ہوا کہ آخر ۱۹۲۰ء میں بارش اچھی نہ ہونے کی وجہ سے غلہ کم پیدا ہوا غرض ہر طرح نقصان ہی نقصان تھا لیکن اس مصیبت ناک سال کے ختم ہونے پر میزان تجارت کی پڑتال اور اس سال کے نقصان دیکھے جاتے ہیں تو عبرت ہوتی ہے۔

لڑائی شروع ہونے سے قبل پانچ سال کا اوسط میزان تجارت ۸۰ کروڑ روپیہ سالانہ ہندوستان کے حق میں تھا یعنی (ہندوستان سے برآمد شدہ مال کی قیمت بمقابلہ ہندوستان میں درآمد شدہ مال کے زیادہ تھی) اس کے بعد زمانہ جنگ میں بھی میزان تجارت اوسطاً ۷۰ کروڑ روپے سالانہ ہندوستان کے حق میں ہی نیز سنہ ۱۹۱۹، ۲۰ء میں جو سال مارچ ۱۹۲۰ء کو ختم ہوا میزان تجارت ۱۱۹ کروڑ روپے کے ہندوستان کے

حق میں تھی مگر یہ سال نزاعی جو مارچ ۱۹۲۱ء کو ختم ہوا ممکن ہے کہ لوگوں کا یہ خیال ہو کہ چونکہ اس سال نقصانات بہت ہوئے ہیں معاملہ برابر سرابر پڑ گیا ہوگا اور کسی کو کسی سے کچھ لینا دینا نہ ہوگا تو وہ یہ سُننے کے لیے تیار ہو جائیں کہ میزان تجارت بقدر ۱۱۸½ کروڑ روپے (بہ حساب پندرہ پنس فی روپیہ) ہندوستان کے خلاف ہو گئی۔ اور یہ دینے پڑ گئے۔

میزان تجارت کے اُلٹ دینے میں بہت بڑا حصہ شرح تبادلہ کے زیادہ ہونے کا بھی تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ اصول کہ بڑھتی ہوئی شرح تبادلہ درآمد کو بڑھاتی اور برآمد کو روکتی ہے۔ کتنا صحیح ہے۔

۱۹۲۰ء کے نقصانات | اس طرح خدا خدا کر کے ۱۹۲۰ء ختم ہوا جو سکہ کی تاریخ میں پچاس برس سے کم وقعت نہیں رکھتا۔ جب سال ۱۹۲۱ء شروع ہوا ہے تو کم و بیش حسب ذیل حالت موجود تھی۔

(۱) اُلٹی وزیری ہنڈیاں پانچ کروڑ پچاس لاکھ پونڈ کی فروخت ہو چکی تھیں

(۲) اس کے علاوہ کئی لاکھ پونڈ کی ہنڈیاں ڈاک خانوں میں بک چکی تھیں

(۳) اس سودے میں ۳۵ سے ۴۰ کروڑ روپے تک کا نقصان ہو چکا تھا

(۴) علاوہ ازیں گورنمنٹ نے ساورن کی نئی شرح یعنی دس روپے قایم کرنے کے لیے راستہ صاف کرنے کے لئے بہت سا سونا بازار میں سستے نرخ پر نیلام کیا تھا جس میں نقصان اُٹھانا پڑا اس نقصان کی صحیح تعداد سرکاری طور پر معلوم نہیں ہے۔

(۵) بازاروں میں اُلٹی وزیری ہنڈیوں کا سٹہ ہونے کی وجہ سے روپیہ نہیں رہا تھا اور برآمد کے مال میں بہت کمی ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ سالہا سال سے میزان تجارت جو بحق ہندوستان رہا کرتی تھی اس سال میں ہندوستان کے خلاف ہو گئی اور برآمد کے سوداگروں کو سخت نقصان ہوا۔

(۶) ہندوستان کا کروڑوں روپیہ انگلستان پہونچ چکا تھا

(۷) درآمد کے مال منگانے والوں نے گورنمنٹ کے قایم کردہ شرح تبادلہ پر بھروسہ کر کے ولایت والوں کو کثیر سامان کے آرڈر دیئے تھے لیکن آخر سال میں شرح تبادلہ گھٹ جانے کی وجہ سے اول سوداگروں میں مال خریدنے کی طاقت نہ رہی۔ اور بجائے نفع کے اُن کو نقصان ہونے لگا۔ اور انھوں نے مال کا لینا بند کر دیا۔ اس طرح یہ گورنمنٹ کے کثیر نقصان کے علاوہ تاجروں کو بھی سخت نقصان اُٹھانا پڑا۔

بیسویں صدی کا دور سوم حصہ دوم ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۵ء تک

اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ میں بیانات پہلے بتایا جا چکا ہو کہ ۲ ستمبر ۱۹۲۰ء کو جب گورنمنٹ نے شرح تبادلہ قایم رکھنے سے ہاتھ اٹھا لیا تو شرح تبادلہ گرنے لگی اور دسمبر کے مہینہ میں بہت گر چکی تھی درآمد کرنے والے سوداگروں میں بیحد پریشانی تھی۔ ابتدائے ۱۹۲۱ء میں شرح ۱۵ پنس اسٹرلنگ یعنی ۱۲ پنس (سونے) سے بھی کم ہو گئی تھی تو مارچ ۱۹۲۱ء کے اجلاس اسمبلی میں سر مالکم ہیلی (حال ہز ایکسلنسی گورنر یوپی) ممبر مال نے سوداگروں کے احتجاجات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا

"میں اسمبلی کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ گزشتہ سال اسی زمانہ میں امپیریل کونسل میں میں نے صاف صاف یہ کہا تھا کہ یہ بتلانا نا ممکن ہی کہ اس سال میں شرح تبادلہ میں کیا کیا تبدیلیاں واقع ہونے والی ہیں۔ معمولی تجارتی اور کاروباری عقل سے کام لیکر سوداگروں کو چاہیئے تھا کہ (آئندہ معاملات میں شرح تبادلہ کے) اوتار چڑھاؤ کا لحاظ رکھ کر انتظام کر لیتے"۔ ممبر مال نے یہ کہکر گورنمنٹ کو بری الذمہ قرار دیدیا۔

اسی زمانہ میں جب گورنمنٹ کی پالیسی پر کونسل آف اسٹیٹ میں اعتراض کیے گئے اور سوال کیا گیا کہ آئندہ بھی بلا مشورہ کونسل اسی طرح تبادلہ میں مداخلت کا ارادہ ہو یا نہیں تو گورنمنٹ کے سکریٹری مالیات نے یقین دلایا کہ "آئندہ اگر کوئی اصولی تبدیلی کی جاوے گی یا نئی شرح تبادلہ قایم کی جاوے گی یا مستقل کوئی حل نکالنے کی کوشش کی جارے گی تو اُس کو گورنمنٹ ہند یا وزیر ہند خود بخود نہ کریں گے"۔

اسی طرح ۱۹۲۲ء میں اسمبلی میں انہیں مطالبات کا اعادہ کیا گیا تو ۲۴ جنوری ۱۹۲۲ء کو ممبر مالیات نے یقین دلایا کہ "ممکن ہی اب بھی ایسے لوگ ہوں جن کو اندیشہ ہو کہ ہم ان خزانوں (معیار طلا کا خزانہ) کو شرح تبادلہ کے مصنوعی طور پر بڑھانے کے لیئے کام میں لائیں گے۔ اور اس میں شک نہیں ہی کہ اس خزانہ کا استعمال صرف یہی ہو سکتا ہی کہ ہم اُلٹی وزیری ہنڈیاں فروخت کریں۔ لیکن میں بہرحال اسمبلی کو یہ گارنٹی دے سکتا ہوں کہ شرح تبادلہ قایم کرنے یا بڑھانے کے لیئے مذکورہ بالا طریقہ پر ہم آئندہ اُلٹی وزیری ہنڈیاں اُس وقت تک فروخت نہ کریں گے جب تک کہ اس اسمبلی سے (اجازت نہ لے لیں)"

اسی سلسلہ میں ممبر مالیات نے یہ بھی فرمایا کہ "جلدی سے روپے کی قلت کر دینا ہمارے لیئے بہت مشکل ہی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور وزیری ہنڈیاں فروخت کرکے وزیر ہند شرح تبادلہ نہیں بڑھا سکتے"۔

لہ شرح تبادلہ بڑھانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہی کہ روپے کی جنس کو کمیاب کر دیا جائے۔ یعنی پبلک میں روپے کی گردش کو گورنمنٹ کم کرے اور روپیہ کا توڑا کر دے جیسا کہ ۱۸۹۳ء سے ۱۸۹۸ء تک گورنمنٹ نے اپنی ضروریات کے لیئے بھی ٹکسال میں روپیہ مسکوک نہ کرایا اور

سر وٹھلداس ٹھیکرسی Sir Vithaldas Thakercy
نے ممبر مالیات کی اس تقریر کے جواب میں اندیشہ کا اظہار کیا تھا کہ

"اگرچہ یہ گارنٹی دی جاتی ہو کہ الٹی وزیری ہنڈیاں اُس وقت تک فروخت نہ کی جائیں گی جب تک کہ اس بارہ میں اسمبلی سے مشورہ نہ کر لیا جاسے گا لیکن جب بھی شرح تبادلہ میں مداخلت کا موقع ہوگا وزیر ہند اپنی طاقت کا استعمال کریں گے کیونکہ اندیشہ یہ ہو کہ شرح تبادلہ یوں بھی بڑھائی جاسکتی ہو کہ جب تاجروں کو ہندوستان کی ہنڈیوں کی ضرورت ہو تب وزیر ہند ہنڈیوں کے فروخت کرنے سے انکار کردیں"

جس کے جواب میں ممبر مالیات نے پھر کہا کہ "وزیر ہند شرح تبادلہ پر بہت کم اثر ڈال سکتے ہیں"۔

اس تمام بحث مباحثہ اور رد و قدح کا اصلی راز یہ تھا کہ گورنمنٹ تین طریقوں سے شرح تبادلہ بڑھا سکتی ہو:

(۱) الٹی وزیری ہنڈیاں فروخت کر کے

(۲) ہندوستان میں روپیہ کی قلت کر کے

(۳) ضرورت کے وقت وزیری ہنڈیاں فروخت کرنے سے انکار کر کے

پس اگرچہ ممبر مالیات نے الٹی وزیری ہنڈیوں کی فروخت کے متعلق اسمبلی کا اطمینان کر دیا تھا لیکن باقیماندہ دو طریقے ایسے تھے جن کے متعلق گورنمنٹ نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا اور واقعات پیش آمدہ سے ان اندیشوں کی تصدیق ہوتی ہو۔

روپے کی قلت کرنا سنہ ۱۹۲۱ء سے سنہ ۱۹۲۴ء تک شرح تبادلہ بڑھانے کے لیے گورنمنٹ روپے کو کمیاب کرنے کی تدابیر کرتی رہی چنانچہ جنگ عظیم سے پہلے سے سکہ اور نوٹ کے اجرا کا اوسط ۲۰ کروڑ روپے سالانہ تھا۔ لیکن سنہ ۲۲-۱۹۲۱ء میں نیا سکہ گورنمنٹ نے صرف دو کروڑ روپے کا جاری کیا۔ اور سنہ ۲۳-۱۹۲۲ء میں صرف ۳ کروڑ روپے کا سکہ جاری کیا حالانکہ ان سالوں میں فصل اچھی ہونے کی وجہ سے لوگوں کو روپے کی بہت زیادہ ضرورت تھی اور رفتہ رفتہ شرح تبادلہ بڑھتی رہی چنانچہ جولائی سنہ ۱۹۲۳ء میں شرح ۱۶ پنس (نوٹ) ہو گئی آخر سنہ ۱۹۲۳ء اور وسط سنہ ۱۹۲۴ء میں روپے کی اس قدر قلت تھی کہ امپیریل بنک کی شرح سود ۸ فیصدی رہی جون میں ۱۷ پنس (نوٹ) کے

سلہ اور نہ وزیری ہنڈیاں فروخت کیں۔ اس طریقہ کو (Deflation) یعنی روپے کی قلت کرنا کہتے ہیں جس سے قیمت بڑھ جاتی ہو اس کے برعکس روپے کی ریل پیل کر دینے سے قیمت گر جاتی ہو اس کا نام (Inflation) روپے کی کثرت کر دینا ہو۔ جب سنہ ۱۹۲۰ء میں شرح تبادلہ گر گئی تھی تو گورنمنٹ نے روپے کی قلت کر کے شرح تبادلہ بڑھانے کی بے حد کوشش کی جس کا تذکرہ مفصل آئندہ ہوگا۔ لیکن الفاظ "Deflation" اور "Inflation" ضرورت سے زیادہ کثرت اور قلت کو کہتے ہیں حسب ضرورت بڑھنے اور گھٹنے کو انگریزی میں Contraction اور Expansion

[illegible]

لگ بھگ جولائی میں ۱۷ پنس سے کچھ زیادہ اور اگست میں ۲۴ر۱۷ ہوگئی جو ۱۶ پنس (سونے) کے برابر تھی۔ جب شرح تبادلہ یہاں تک پہونچ گئی تو ستمبر ۱۹۲۴ء کے اجلاس اسمبلی میں ممبران نے مطالبہ کیا کہ چونکہ شرح تبادلہ قریب شرح ۱۶ پنس تک پہونچ چکی ہے اب اس کو قائم کر دینا چاہیے اور اگر ضروری ہو تو کمیشن مقرر کر دیا جائے لیکن گورنمنٹ نے اس تجویز کو منظور نہ کیا۔ بلکہ معلوم ایسا ہوا کہ وہ اس سے زیادہ شرح تبادلہ کی متلاشی تھی جس پر آئندہ روپیہ کی قیمت قائم کرنا چاہتی تھی چنانچہ اس نے ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو وزیر ہند کو ایک تار دیا اور لکھا کہ "ایک ایسا مستقل نرخ چاہیے جو ۱۶ پنس (سونے) سے زیادہ ہو" انگلستان کی مالی حالت اس زمانہ میں روبہ ترقی تھی اور یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ عنقریب اس قابل ہو جائے گا کہ اپنے نوٹ کے بدلے میں پوری قیمت کا سونا دے سکے اس لیے بظاہر گورنمنٹ ہند اس وقت ۱۶ پنس سے زیادہ شرح تبادلہ بڑھانا نہیں چاہتی تھی مگر وزیر ہند مصر تھے کہ شرح اور بڑھا دی جائے جیسا کہ گورنمنٹ ہند کے تار بنام وزیر ہند سے معلوم ہوتا ہے جو آٹھ اکتوبر کو دیا گیا تھا جس میں لکھا تھا "بازار میں روپے کی قلت ہمارے راست گورنمنٹ کی اس کارروائی کا نتیجہ جو اس نے اس مقصد کے لیے کی ہے یعنی روپیہ کے بڑھنے پر سخت قیود عائد کر رکھی ہیں۔ اب اگر ہم چاہیں بھی تو ہم کو آئندہ روپیہ کے اضافہ کرنے کی درخواست کو نامنظور کرنے میں سخت دقتوں کا مقابلہ ہوگا۔ اور اگر ہم اس نرخ کو بہت زیادہ سخت رکھینگے تو مالیات میں سخت نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے" جس کا جواب ۱۰ اکتوبر کو وزیر ہند نے یہ دیا "مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شرح تبادلہ کا مسئلہ واقعی اس قدر زیادہ اہم نہیں ہے جتنا کہ حد سے زیادہ روپیہ کی قلت کا دور کرنا ہے جس سے اقتصادی اور مالی حالت کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے" گویا کہ وزیر ہند اس وقت اس بات میں خاموش ہوگئے مگر خلش باقی تھی اور شرح تبادلہ بڑھانے کے خیال نے وزیر ہند کو بے چین بنا رکھا تھا تو پھر گورنمنٹ ہند نے اپنے تار مورخہ ۴ نومبر ۱۹۲۴ء کے نمبر پیرے میں روپیہ کی مزید قلت کرنے کے خلاف اظہار رائے کرتے ہوئے لکھا کہ "ہمیں شک ہے کہ آپ نے ان امور پر غور نہیں فرمایا کہ اس عرصہ میں ہندوستان میں اقتصادی ترقی بہت ہوگئی ہے اور گورنمنٹ نے ان گزشتہ سالوں میں روپیہ کی مقدار بڑھنے میں بہت روک تھام کی ہے پچھلے دو سالوں میں ہندوستان کے مال کی بہت مانگ رہی ہے جس کی وجہ سے میزان تجارت بہت زیادہ اس کے حق میں ہے جس کے بھگتان کرنے کے لیے روپیہ کے بڑھانے کی ضرورت ہے"

ان ترکیبوں سے ہندوستان میں روپیہ کی قلت کر کے گورنمنٹ نے آہستہ آہستہ شرح تبادلہ کو بڑھایا علاوہ ازیں ایک اور خاص امر کی وجہ سے گورنمنٹ کو روپیہ کی قیمت بڑھانے میں بہت امداد ملی اور وہ یہ تھی کہ ۱۹۲۰ء کے قانون کی رو سے روپیہ قانوناً ۳ر۱۱ گرین (قریب ۲ رتی) کا تھا اس لیے

اگر کوئی شخص میزان تجارت کے بھگتان میں براہ راست سونا لا کر ہندوستانیوں کو روپیہ دینا چاہتا اور وہ گورنمنٹ کو سونا دے کر سکہ لینا چاہتا تو گورنمنٹ اُس کو حسب قانون مذکورہ بالا ایک تولہ کے عوض بیس روپیے دیتی حالانکہ سونے کی بازاری قیمت ۳۰ فی تولہ سے زیادہ تھی۔ ایسی حالت میں گورنمنٹ کو کون سونا دے سکتا تھا۔ اس طرح پر مجبوراً لوگ جس شرح پر اسٹرلنگ کے تبادلہ میں گورنمنٹ روپیہ دیتی تھی اُس کو لیتے تھے اس لئے کہ ہر شخص کے لیے تو یہ مشکل تھا کہ وہ سونے سے اپنے روپیہ کا بھگتان کرسکے۔

غرضیکہ ان طریقوں سے شرح تبادلہ بڑھائی گئی اور جب وہ ۱۸ پنس پر پہنچ گئی تو اُس کو اس شرح پر قائم رکھا گیا حتیٰ کہ جون ۱۹۲۵ء میں انگلستان کی حالت بالکل سنبھل گئی اور وہاں نوٹوں کے تبادلہ میں سونا دینے کا اعلان ہو گیا جس سے ایک روپیہ جو اب تک ۱۸ پنس اسٹرلنگ (نوٹ) کے برابر تھا ۱۸ پنس (سونے) کا ہو گیا اور اس کے بعد سے اسٹرلنگ اور پاونڈ کا فرق مفقود ہو گیا اور پھر اسٹرلنگ کا مفہوم انگلستان میں سکہ یا روپیہ کا ہو گیا۔

کرنسی کمیشن کا تقرر اس حالت کے بدلتے ہی گورنمنٹ نے بغیر زیادہ انتظار کئے ۲۵ راگست ۱۹۲۵ء کو ایک کرنسی کمیشن کا تقرر کر دیا جس کے مسٹر ہلٹن ینگ پریسیڈنٹ تھے اور انہیں کے نام سے یہ کمیشن موسوم و مشہور رہا۔ اس کمیشن کے دس ممبر تھے جن میں چار ہندوستانی اور چھ انگریز تھے۔ اس کمیشن کے تقرر کا اعلان ہوتے ہی اس کے ممبروں کے خلاف نکتہ چینی شروع ہو گئی اور ۲۵ راگست ہی کو اسمبلی میں مسٹر محمد علی جناح نے اس بارہ میں گورنمنٹ کے خلاف ملامت کا رزولیوشن پیش کیا اور تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ "ہماری اصلی شکایت یہ ہے کہ اس کمیشن میں سب ممبر ایک ہی قسم اور خیال کے ہیں چونکہ اس معاملہ میں ہندوستان اور انگلستان کی اغراض متضاد ہیں اس سے ہندوستان کو نقصان ہوگا۔"

مسٹر جمنا داس مہتہ نے کہا کہ "جو چھ یوروپین کمیشن میں مقرر کیے گئے ہیں اُن کو ہندوستان میں کوئی بھی نہیں جانتا اور جن کو ہندوستانی جانتے ہیں وہ اُن کے خیال میں مقرر کیے جانے کے قابل نہیں ہیں نیز جو ہندوستانی مقرر کیے گئے ہیں وہ اس قابل بھی نہیں ہیں کہ کسی میونسپل انتخاب میں بھی کامیاب ہو سکیں۔"

پنڈت موتی لال نہرو صاحب نے فرمایا کہ "ممبران کے حالات سابقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا انتخاب اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ ان کے خیالات ہندوستانیوں کے خیالات سے مختلف ہیں۔" اسی قسم کے اعتراضات دوسرے ممبروں نے بھی کیے۔ ان کی سر بیسل بلیکٹ اور مسٹر الکزنڈر مڈیمین نے تردید کی۔ ثانی الذکر صاحب نے

اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ اگر ممبروں پر اس قسم کے اعتراضات ہوا کریں گے کہ وہ طرفدار ہیں اور انھوں نے پہلے ہی سے رائے قایم کر لی ہے تو آئندہ سے معزز اور باوقعت لوگ معاملات ہند میں کسی کمیشن میں مقرر ہونے سے اجتناب کریں گے۔ بحث ختم ہونے پر یہ رزولیوشن ۶۴ ووٹوں سے بمقابلہ ۴۵ ووٹ کے پاس ہو گیا۔

کمیشن کی تحقیقات گیارہ مہینے کے قریب ہوتی رہی اُس پر تین لاکھ روپیہ گورنمنٹ کو خرچ کرنے پڑے۔ اور یکم جولائی ۱۹۲۶ء کو کمیشن نے اپنی رپورٹ مکمل کر کے پیش کی۔ رپورٹ کے بعض حصوں سے سر پرشوتم داس ٹھاکر داس نے اختلاف کیا اور اپنی اختلافی رپورٹ جدا تحریر کی۔

کمیشن کی تحقیقات کے دوران میں گورنمنٹ نے شرح تبادلہ ۱۸ پنس پر قایم رکھی۔ تاہم چونکہ شرح تبادلہ زیادہ تھی اس کا خدشہ رہتا تھا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانہ میں بھی ہندوستان کی مالی حالت اچھی تھی اور گزشتہ پانچ سال سے بھی فصلیں مسلسل اچھی ہوئی تھیں ذرا سی گڑبڑ سے کہیں شرح گر نہ جائے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۲۶ء میں برآمد کے مال میں کچھ کمی کے آثار ظاہر ہوئے اور شرح تبادلہ گھٹتی معلوم ہوئی تو قاعدہ کے خلاف اسمبلی سے دریافت کیے بغیر ہی گورنمنٹ ہند نے ۱۹ مارچ کو وزیر ہند کو تار دیا کہ

"شرح تبادلہ صریح طور پر کمزور معلوم ہوتی ہے اور اس کی ضرورت ہے کہ ہم تیار رہیں اور انتظام رکھیں کہ تخفیف برآمد طلا کے اعتبار سے شرح تبادلہ ۱۸ پنس کی شرح سے نہ گھٹنے پائے۔"

بقول سر پرشوتم داس صرف ایک اپریل کے مہینے میں اس غرض سے ۸ کروڑ روپے کی کمی کر دی گئی لیکن الٹی وزیری ہنڈیوں کے فروخت کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس تدبیر سے ۱۸ پنس کی شرح تبادلہ قایم رہی۔ اب ہم کمیشن مذکور کی رپورٹ، اور سر پرشوتم داس کے اختلافی نوٹ کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ آئندہ معاملات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

ہلٹن ینگ کرنسی کمیشن کی رپورٹ

سکہ کی پالیسی کے نقائص | کمیشن نے رپورٹ کے ابتدائی حصہ میں ہندوستان کے سکہ، اُس کی پالیسی اور اُس کے نقائص بیان کیے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں کہ آج ہندوستان میں فرضی قیمت کے دو سکے چلتے ہیں ایک کاغذ کے نوٹ دوسرے چاندی کا روپیہ جن کا ایک دوسرے سے تبادلہ ہو سکتا ہے۔ ان کے علاوہ تیسرا سکہ سونے کا ساورن ہے جو لیگل ٹنڈر ہے اور جس کی قیمت از روئے قانون دس روپے ہے ...... لیکن سونے کی قیمت اس نرخ سے بہت زیادہ ہے اس لیے ساورن کا چلن نہیں رہا ہے

نہ کوئی گورنمنٹ کو ساورن دیتا ہی نہ گورنمنٹ کسی کو دیتی ہی مذکورہ بالا دونوں مفروضہ قیمت کے سکوں کی مالیت انگلستان کے پونڈ کے اعتبار سے ۱۸ پنس قایم رکھی جاتی ہی گورنمنٹ نے اس نرخ کے قایم رکھنے کی کوئی ذمہ داری نہیں لے رکھی لیکن افسر سکہ (کرنسی اتھارٹی) ہونے کی وجہ سے جب کبھی شرح تبادلہ ۱۸ ۳/۱۶ پنس ایپا ہو جاتی ہی تو وہ اسٹرلنگ خریدنے لگتی ہی اور اس شرح سے زیادہ قیمت کو بڑھنے نہیں دیتی)(اسی طرح یہ اگر قیمت گرنے لگتی ہی تو اسٹرلنگ فروخت کرنے لگتی ہی چنانچہ ابھی اپریل ۱۹۲۶ء میں امپیریل بنک کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ گورنمنٹ کی جانب سے ۱۷ ۳/۴ پنس کے حساب سے اسٹرلنگ فروخت کرے[۱] سونے کے نرخ کے اعتبار سے روپیہ کی قیمت کے استحکام کی بابت آج کل نہ تو کوئی پابندی ہی نہ گورنمنٹ کا کوئی اعلان ہی بلکہ صرف گورنمنٹ کی پالیسی پر اس کا دارومدار ہی۔

لیکن نوٹوں کا روپیہ سے تبادلہ اُسی وقت تک ممکن ہی جب تک کہ چاندی کا نرخ ایسا رہے کہ روپیہ میں جس قدر چاندی ہی اُس کی مالیت روپیہ کی قیمت سے کم رہے یعنی موجودہ شرح تبادلہ کی رو سے ۴۸ پنس فی اونس سے چاندی کا نرخ زیادہ نہ بڑھے اگر چاندی کا نرخ اس سے زیادہ ہو جاے گا تو پھر یہ معاملہ دگرگوں ہو جاے گا (کیونکہ پھر روپے کے مسکوک کرنے میں نقصان ہونے لگے گا) کمیشن کی راے میں اصلی خرابی یہ تھی کہ سب سکہ فرضی قیمت کے ہیں اصلی مالیت کا کوئی بھی سکہ نہیں ہی پھر یہی نہیں بلکہ ان میں ایک سکہ ایسا ہی کہ اُس کی دھات کی قیمت زیادہ ہو جانے کی حالت میں اس کا مسکوک کرنا ناممکن ہو جاتا ہی پس سکہ کسی مستحکم بنیاد پر قایم نہیں بلکہ اُس کی قیمت محض گورنمنٹ کی پالیسی پر منحصر ہی اور گورنمنٹ کو چاندی کا نرخ بڑھ جانے کی صورت میں اندیشہ رہتا ہی کہ روپیہ چلت پھرت سے غائب نہ ہو جاے۔

الف خزانہ نوٹ اور معیار طلا اور اُن کا کام خزانہ نوٹ اور خزانہ معیار طلا کے متعلق کمیشن نے لکھا ہی کہ خزانہ معیار طلا اور نوٹوں کے خزانہ میں عملاً کوئی حدفاصل اس وجہ سے نہیں ہی کہ نوٹوں کے تبادلہ میں روپیہ دینا گورنمنٹ کے لیے لازمی ہی۔ اگرچہ نوٹوں کے خزانہ کا اصلی مقصد صرف اندرون ملک میں نوٹوں کی قیمت کا قایم رکھنا تھا لیکن اب بیرونی ممالک میں نوٹوں کی قیمت کا قایم رکھنا بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا ہی۔ اسی طرح خزانہ معیار طلا کا اصلی مقصد بیرونی ممالک میں روپیہ کی قیمت قایم رکھنے کا تھا لیکن اب اس کے ذریعہ سے بیرونی ممالک میں نوٹ کی قیمت قایم رکھنے کا مقصد بھی شامل ہو گیا ہی غرضکہ نوٹ اور روپیہ ایک دوسرے سے قابل بدل ہونے کی وجہ سے ہر دو خزانوں سے اندرون ملک اور بیرون ملک نوٹ کی قیمت قایم رکھنے کا

---

[۱] ۱۸ ۳/۱۶ پنس پر اسٹرلنگ خرید کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ ۱۸ ۳/۱۶ پنس لیکر گورنمنٹ ایک روپیہ دے دیتی ہی تو پھر روپیہ کی قیمت اس سے زیادہ بڑھنے نہیں پاتی۔ اسی طرح ۱۷ ۳/۴ پنس پر اسٹرلنگ فروخت کرنے کے معنے یہ ہوئے کہ ایک روپیہ لیکر گورنمنٹ ۱۷ ۳/۴ پنس دیدیتی ہی تو پھر روپیہ کی قیمت اس سے گرنے نہیں پاتی۔

کام لیا جاتا ہی لیکن بیرونی ممالک میں روپیہ کی قیمت مستحکم رکھنے کے لیے ان خزانوں سے جبھی فائدہ ہوسکتا ہی جب ان میں کافی مقدار سکہ اور دھات کی ہو یعنی اصولاً وہ اتنے بڑے ہونے چاہئیں کہ گورنمنٹ روپیہ یا نوٹ کے بدلے میں بڑی سے بڑی مقدار میں اسٹرلنگ دینے کے لیے تیار رہے اور یہ خزانے اس غرض کے لیے ہر وقت بلا کسی شرط کے کھلے رہیں۔ نیز ان خزانوں کے استحکام کے لیے یہ ضروری ہی کہ جب جس تعداد کے اسٹرلنگ خزانہ سے فروخت ہوجائیں تو اتنی ہی تعداد میں سکہ اندرون ملک میں کم ہوجائے (یعنی جب کوئی شخص روپیہ یا نوٹ دے کر اسٹرلنگ خرید کرے گا روپیہ یا نوٹ تو ہندوستان کے خزانہ میں جمع ہوجائیں گے اور سونا خزانہ سے دیدیا جائے گا) اس طرح سے جو روپیہ خزانہ میں جمع ہوگیا وہ ملک میں گردش سے رک جائے گا اور اسی قدر روپیہ اور نوٹ کی گردش گھٹ جائے گی۔ ایسا ہوتا رہے تو ان خزانوں سے بآسانی کاروبار ہوسکتا ہی اور اس کے برعکس اگر لوگ اپنے جمع کردہ دفینہ سے اتنا ہی روپیہ نکال کر ملک میں چلانے لگیں تو سخت گڑبڑ کا اندیشہ ہی کیونکہ گورنمنٹ کے خزانہ میں تو سونا کم ہوگیا اور ملک میں سکہ اتنا کا اتنا ہی رہا تو پھر جو لوگ نوٹوں اور روپیہ کے تبادلہ میں اسٹرلنگ طلب کریں گے اُن کی مانگ پوری کرنے اور اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے میں خزانہ کی کمی کی وجہ سے گورنمنٹ مشکل میں پڑجائے گی،،

ممبران کمیشن آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ”ہندوستانی طریقہ کار میں نہ ہی کسی نے صراحت کے ساتھ ان اصولوں کو سمجھا اور نہ قانونی طور پر ان کو تسلیم کیا گیا اور نہ پہلے کبھی ان کی پابندی کی گئی اور نہ آج کل کی جاتی ہی نہ کوئی ایسا قانون ہی جس کی رو سے اس کا تعین ہو کہ ملک میں جتنی تعداد سکہ اور نوٹ کی ہو اس کی کس نسبت سے خزانہ کی مقدار ہوگی،،

اس کے بعد ممبران کمیشن ہندوستان کے سکہ کی کل تخمینی مقدار اور خزانہ میں روپیہ کی تعداد کا موازنہ کرکے اس خطرہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”اگرچہ یہ تخمینہ کہ آج کل ہندوستان میں کتنا روپیہ ہی محض قیاسی ہی تاہم اندازہ (۳۵۰ کروڑ سے ۴۰۰ کروڑ روپے) تک بیان کیا جاتا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں خزانہ میں (سونا اور سونا سکیورٹیز (ضمانتیں) کی مجموعی مالیت صرف ۳۵½ کروڑ روپیہ کے قریب ہی ...... جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر روپیہ کے ایک چوتھائی حصے کے بھی لوگ اسٹرلنگ مانگنے لگیں تو خزانہ کافی نہیں ہوسکتا“

بحالات مذکورہ بالا شرح تبادلہ ایسے اصول پر قائم نہیں ہی کہ فطرتاً اپنی خرابی کو خود بخود درست کرلے یعنی خزانہ کی کمی کے ساتھ سکہ کی گردش میں بھی کمی ہوتی رہے اور کسی صورت میں گورنمنٹ کو دقت نہ ہو ایک چیز کی یعنی خزانہ کی کمی کے ساتھ دوسری چیز یعنی سکہ کی گردش میں خود بخود کمی ہوتی رہے۔ پہلے بھی کبھی اس طریقہ پر یہ نظام نہیں چلا حالانکہ اس قسم کے معیار (یعنی معیار تبادلہ طلا) کے استحکام کے لیے بنیادی اصول یہ ہی کہ

انتظام اس طریقہ پر ہونا چاہیئے کہ حسب ضرورت سکہ رواں میں کمی بیشی ہو سکے یعنی میزان تجارت اچھی حالت میں ہونے سے جیسا جیسا خزانہ بڑھے یا میزان تجارت خراب ہونے کی وجہ سے جیسے جیسے خزانہ گھٹے ویسے ہی ویسے اندرون ملک میں نسبتاً سکہ کے دوران میں کمی بیشی ہوتی رہے جس سے ملک میں اور باہر دنیا کی قیمتوں میں صحیح تناسب قایم رہے۔ لیکن ہندوستان میں اس اصول پر کبھی بھی توجہ نہ دی گئی سکہ کی گردش میں کمی نہیں کی بلکہ (بعض اوقات) ایسا ہوتا ہی کہ گورنمنٹ اسٹرلنگ خرید کر (سونا تو خزانہ میں جمع کرتی رہتی ہی) لیکن اسی تعداد میں نیا سکہ پبلک میں نہیں چلاتی اور اپنے خزانہ عامہ سے روپیہ کا بھگتان کر دیتی ہو اگرچہ اس کے بعد نئے سکہ یا نوٹ سے خزانہ کی کمی کو پورا کر دیا جاتا ہی مگر یہ محض گورنمنٹ کی مرضی پر منحصر ہو (اور لازمی طور پر اس اصول پر عمل نہیں کیا جاتا ہی مگر اس سے بھی زیادہ خطرناک امر یہ ہو کہ بعض اوقات اسٹرلنگ فروخت کیئے جاتے ہیں تو اسی مناسبت سے سکہ کی گردش میں کمی نہیں کی جاتی جس کی مثالیں ہم) حاکم سکّہ (Controller of authority) کے تیار کردہ نقشہ ذیل سے پیش کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ الٹی وزیری ہنڈیوں کے فروخت کے زمانہ میں سکہ کی تعداد میں کس قدر کمی کی جاتی رہی ہی۔

سنہ	تعداد الٹی وزیری ہنڈیوں کی جو فروخت ہوئیں پونڈ میں	تعداد روپیہ جو الٹی ہنڈیوں کی فروخت سے وصول ہوا۔	سکہ رواں میں کس قدر کمی کی
۱۹۰۷و۸ء	۸,۰۵۸,۰۰۰	۱۲۱,۴۰۰,۰۰۰	۱۲۱,۹۰۰,۰۰۰
۱۹۰۹و۱۰ء	۱۵۶,۰۰۰	۲,۴۰۰,۰۰۰	×
۱۹۱۴و۱۵ء	۸,۷۰۷,۰۰۰	۱۳۱,۹۰۰,۰۰۰	۱۱,۵۰۰,۰۰۰
۱۹۱۵و۱۶ء	۴,۸۹۳,۰۰۰	۷۳,۸۰۰,۰۰۰	۳,۴۰۰,۰۰۰
۱۹۱۸و۱۹ء	۵,۳۱۵,۰۰۰	۷۰,۸۰۰,۰۰۰	×
۱۹۲۰و۲۱ء	۵۵,۵۳۲,۰۰۰	۴۷۱,۴۰۰,۰۰۰	۳۴۶,۸۰۰,۰۰۰

نقشہ ہذا کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ سنہ ۱۹۰۹-۱۰ء و سنہ ۱۹۱۸-۱۹ء میں باوجود کثرت سے الٹی وزیری ہنڈیاں فروخت کرنے کے سکہ رواں کے دوران میں بالکل کمی نہیں کی گئی اور باستثنا سنہ ۱۹۰۷-۸ء کے کبھی بھی فروخت کی مقدار کی برابر کمی نہیں کی گئی) اس کے بعد ممبران کمیشن لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات گورنمنٹ نے اسٹرلنگ فروخت کرنے کے ساتھ ہی روپیہ کے دوران میں اس وجہ سے کمی نہیں کی کہ روپے کی قلّت کی وجہ سے کاروبار کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا.........................

لیکن خواہ کچھ ہی وجہ کیوں نہ ہو یہ صاف ظاہر ہی کہ ایسے مواقع پر معیار تبادلہ کا مناسب استعمال نہیں کیا جا رہا ہی

چنانچہ ۲۱-۱۹۲۰ء کے نتائج تباہ کن تھے اور ایسے نظام میں جس میں خزانہ کی کمی کے ساتھ ملک کے سکہ میں خود بخود کمی نہ ہوتی جائے ہمیشہ ایسی تباہی کا اندیشہ لگا رہے گا۔

ب (لچک) سکہ کا اچھا نظام وہ ہے جس میں سکہ کی تعداد تجارتی ضرورتوں کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہے۔ ہندوستان میں ہر فصل کے وقت اجناس کی خریداری کے لیے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے جسے پورا کرنے کے لیے قانوناً گورنمنٹ کو اختیار ہے کہ بلوں یا ہنڈیوں کی ضمانت پر نئے نوٹ جاری کر سکے (جن کی تعداد آج کل زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ کروڑ روپیہ ہو سکتی ہے) اس طرز عمل سے بہت فائدہ ہوا ہے لیکن اس میں ترقی کی گنجائش ہے۔

اسی طرح ایک اچھے نظام کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جب (روپیہ کی قلت کی وجہ سے) مالیات کو صدمہ پہونچنے کا اندیشہ ہو تو سکہ کی تعداد بڑھائی جا سکے یعنی ساکھ باقی رکھنے کے لیے جب زیادہ روپیہ کی ضرورت آپڑے تو ایسے اوقات میں مزید سکہ کے اجرا کی خاص اجازت ہونی چاہیے۔ لیکن ہندوستانی نظام میں ایسی کوئی دفعہ نہیں ہے۔"

ج **سکہ اور قرضہ** | نقایص مذکورہ بالا کے ماسوا کمیشن نے ایک اور خاص نقص کی طرف توجہ دلائی جو یہ ہے کہ سکہ کی پالیسی اور قرضہ کی پالیسی دو مختلف ہاتھوں میں ہے حالانکہ ان دونوں کاموں کا ایک ہی شخص یا جماعت کے سپرد ہونا ضروری ہے کیونکہ جس وقت ملک میں روپیہ کی مانگ زیادہ ہوتی ہے تو لوگ قرضہ لیکر اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں جس کی وجہ سے ایسے وقت میں نئے سکہ کے اجرا کی ضرورت ہوتی ہے اگرچہ قرضہ کا کاروبار بنک کرتے ہیں لیکن سکہ کا اجرا گورنمنٹ کے اختیار میں ہے اور اس لیے بنکوں کو بھی اگر روپیہ کی ضرورت ہو تو گورنمنٹ ہی کے اختیار میں ہے کہ چاہے روپیہ دے یا نہ دے پس ان دونوں صیغوں کا ایک ہی قوت کے ماتحت ہونا نہایت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ کمیشن نے اس باب میں لکھا ہے

"سکہ اور قرضہ کے اختیارات (رکھنے والی قوتوں) اور اُن کے باہمی ربط و ضبط کے تذکرہ کے بغیر موجودہ زمانہ کے حالات اور اُن کے نقائص کا قصہ نامکمل رہ جائے گا۔ دنیا کے تجارت کرنے والے ملکوں میں ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں سکہ بالعموم اور اجرا نوٹ بالخصوص براہ راست گورنمنٹ کے ماتحت ہے اور اسی وجہ سے یہاں بنکنگ اور سکہ کے خزانہ جُدا جدا ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ خزانے سکہ کی قیمت کے استحکام میں پوری طرح سے ممد نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ دوسرے ممالک میں ان ہردو خزانوں کو ایک مرکزی بنک میں جمع کر کے یہ مقصد پورا کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں سکہ کے گورنمنٹ کے تحت میں آجانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زر کی پالیسی دو ہاتھوں میں چلی جاتی ہے یعنی سکہ کا چلانا تو گورنمنٹ کے اختیار میں ہوتا ہے اور لین دین پر اثر و اقتدار ہوتا ہے امپیریل بنک کا جس کی وجہ سے دو جُدا جُدا پالیسی اور آپس میں ہر معاملہ پر کشمکش اور تنزلات پیدا ہونے کا

خدشہ رہتا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ سکہ اور لین دین کے شعبوں کے دو مختلف طاقتوں کے ماتحت ہونے کی وجہ سے پہلے بھی دقتیں پیش آچکی ہیں اور الجھنیں پیدا کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ہر دو شعبے ایک ہی قوت کے ماتحت کر دیئے جاویں۔"

خلاصہ اعتراضات (۱) موجودہ طریقہ بہت پیچیدہ ہے اور روپے کے استحکام کا طریقہ ایسا ہے کہ آسانی سے پبلک کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ سکہ رائج الوقت میں دو۔ (نوٹ اور روپیہ) تو فرضی قیمت کے سکے ہیں اور تیسرا سکہ (ساورن) واقعی قیمت کا ہے جس کی بیجا زیادتی ہے اور بالکل نہیں چلتا ہے (گردش میں نہیں آیا) ایک فرضی قیمت کے سکے (نوٹ) کو دوسرے فرضی قیمت کے سکہ (روپیہ) سے بدلنے کی ذمہ داری گورنمنٹ پر ہے جس میں خرچ زیادہ اور بہت زیادہ ہے اور چاندی کے گراں ہو جانے کی حالت میں تو روپیہ کے مسکوک کرنے کا امکان باقی نہیں رہتا۔

(۲) خزانے بیجا طور پر زیادہ تعداد میں ہیں اور سکہ و لین دین کے شعبوں کے انتظامات دو مختلف ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے پرخطر بھی ہیں اور نہایت ہی دقیانوسی قسم کے ہیں۔

(۳) اس طرز عمل سے بوقت ضرورت مناسب طور سے سکہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی نہیں رہتی بلکہ گھٹنے بڑھنے کا دارومدار بہت کچھ سکہ جاری کرنے والی قوت کے اختیار میں ہوتا ہے (جو لین دین کا کام نہیں کرتی اور جس کو ان ضروریات کا لحاظ نہیں ہو سکتا۔)

(۴) اس نظام میں لچک نہیں ہے اگرچہ بیبنگٹن کمیٹی نے فصل کے زمانہ میں سوداگروں کو سہولت پہونچانے کے لیئے ۵ کرور کے زائد نوٹ جاری کرنے کی سفارش کی تھی جس کی روسے فصل کے زمانہ میں نوٹ کا جاریہ بارہ کرور روپے تک کر دیا جاتا تھا لیکن یہ اجرا زیادہ تر بیرونی تجارت کے نام ہوتا تھا۔

(اندرون ملک کی تجارت پر اس کا زیادہ اثر نہ تھا۔)

کمیشن کی تجاویز (۲) موجودہ نظام سکہ کے نقائص بتانے کے بعد کمیشن نے سب سے اول معیار سکہ پر توجہ مبذول کی ہے کہ کس قسم کا معیار قائم کیا جائے اور اپنے نتائج فکر پر تحریر کیئے ہیں کمیشن کے روبرو گواہوں نے مختلف تجاویز پیش کیں تھیں اور ایک تجویز گورنمنٹ ہند کے محکمہ مالیات نے بھی پیش کی تھی جس کا ملخص حسب ذیل تھا

صیغہ مالیات کی تجویز | رفتہ رفتہ چاندی کے سکہ کی جگہ سونے کا سکہ جاری کر دیا جائے جس کا طریقہ یہ ہو کہ ابتدا اگر بجائے بڑی بڑی رقوم کی ادائیگی کے روپیہ کو چھوٹی رقوم کی ادائیگی کے لیئے لیگل ٹنڈر رکھا جائے اور اس دوران میں روپے کے تبادلہ میں گورنمنٹ سونے کا سکہ دیتی رہے اور جب سونے کے سکہ کی کافی مقدار ہندوستان میں چلنے لگے تو روپے کو منسوخ کر دیا جائے تاکہ ہندوستان کے سکہ کو جو خطرہ چاندی کے گراں ہو جانے کی وجہ سے

ہمیشہ رہتا ہو اُس سے نجات مل جائے نیز بنک کے متعلق یہ تجویز تھی کہ سکہ کا کاروبار امپیریل بنک کے سپرد کردیا جائے اور یہی بنک گورنمنٹ کے روپے کو انگلستان بھیجنے وغیرہ کا کام کرے اور بعدہٗ گورنمنٹ کے نوٹوں کے بجائے بنک کے نوٹ جاری کردیئے جائیں۔ اور سونے کے بدلہ میں بنک کو سونے کا سکہ دینے کی ذمہ دار گورنمنٹ ہو اور قانوناً بنک کو سونا خریدنا پڑے اور نوٹوں کے تبادلہ میں سونے کا سکہ دینا پڑے۔

اس اسکیم کا اصل مقصد یہ تھا کہ چاندی کے نرخ بڑھ جانے کی وجہ سے جو اندیشہ سکہ رواں کی حد سے زیادہ کے خارج ہو جانے کا رہتا ہو وہ دور ہو جائے اور عام طور پر ہندوستانیوں کو جو ناقص اور غیر اقتصادی عادت قیمتی دھاتوں کو بطور دولت جمع کرنے کی ہو جاتی رہے اور لوگ اپنا روپیہ بنکوں میں رکھنے لگیں یا دوسرے نفع بخش کاموں میں لگانے لگیں۔

کمیشن نے حسب ذیل اعتراضات کی بنا پر اس تجویز کو مسترد کردیا:-

(۱) ان کے تخمینہ میں اس تجویز پر عمل کرنے کے لیئے شروع ہی میں ۱۰ کرور ۳۰ لاکھ پونڈ کے سونے کی ضرورت تھی نیز سالانہ اخراجات کے لیئے کثیر رقم کی ضرورت ہوگی۔

(۲) قریب ۲۰۰ سو کرور روپے کے گورنمنٹ کو فروخت کرنے پڑتے جس کا چاندی کے بازار پر جو اثر ہوتا ظاہر ہو۔

(۳) ممکن تھا کہ دوسرے ممالک چین وغیرہ جن میں چاندی کا سکہ رائج ہو ہندوستان کی دیکھا دیکھی چاندی کا سکہ چھوڑ دیں (اور وہ نہ چھوڑیں تب بھی ہندوستان میں سونے کی زیادہ مانگ ہونے اور جن ممالک میں سونے کا سکہ رائج ہو اُن کے باہمی مقابلہ ہو جانے کی وجہ سے سونے کے بڑھ جانے اور دوسری اشیار کی قیمت گر جانے اور ساکھ کم ہو جانے کا اندیشہ ہو جس سے ہندوستان کی تجارت کو نقصان پہونچے گا)

معیار دھات طلا اس کے بعد کمیشن نے اپنی تجویز پیش کی ہو جس کو معیار سکہ طلا نہیں بلکہ معیار دھات طلا کہا جا سکتا ہو اس تجویز کا مقصد یہ ہو کہ ہندوستان میں بدستور کرنسی نوٹ اور روپیہ جاری رہیں لیکن ان کی قیمت مستحکم کرنے کے لیئے ان سکوں کے تبادلہ میں سونا ایک شرح معینہ پر بلا کسی ایسی شرط کے کہ یہ سونا کس غرض کے لیئے لیا جاتا ہو مل سکے مگر سونے کے سکہ کا چلن نہ ہو اس طریقہ سے روپیہ کی قیمت سونے کے اعتبار سے قایم کردی جاوے چنانچہ ممبران کمیشن لکھتے ہیں کہ

"افسران سکہ کے لیئے قانوناً یہ لازم قرار دیدیا جائے کہ روپے کی مقررہ قیمت کے حساب سے جس قدر سونا کوئی شخص طلب کرے اُس کے ہاتھ فروخت کرے اور فروخت کرنا چاہے تو خریدے اور ایسی کوئی پوچھ کچھ نہ ہو کہ یہ سونا کس غرض سے خریدا یا فروخت کیا جاتا ہو البتہ یہ شرط لگا دی جائے کہ کوئی سونا ۴۰۰ اونس سے

کم کا نہ ہوگا اس طریقہ سے سونے کے پانسہ چونکہ روپے اور نوٹوں کے بدلے میں بلا لحاظ اس امر کے کہ باہر بھیجنے کے لیے خریدے جاتے ہیں یا اندرون ملک میں استعمال کے لیے مقررہ نرخ پر دیئے جائیں گے تو یہ معیار تبادلہ سکہ طلا نہ ہوگا بلکہ حقیقی معیار طلا ہوگا۔"

لیکن کمیشن آگے چل کر لکھتا ہے کہ اس بلا شرط لین دین کرنے میں ایک خدشہ ہے

"کہ گورنمنٹ کا یہ دفتر سونے کی تھوک فروشی کی سب سے سستی دوکان ہو جاوے گی اور لوگ سونا نہ صرف روپے اور نوٹوں کی قیمت قایم رکھنے کے لیے خریدیں گے بلکہ اپنی خانگی ضروریات کے لیے بھی خریدنے لگیں گے۔"

اس رجحان کو روکنے کے لیے کمیشن نے سونے کی فروخت پر ضروری قیود عائد کرنے کی گورنمنٹ کو اجازت دے دی اور ان کو بطور مثال ان الفاظ میں بتایا۔

"اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سونا فروخت کرنے کا نرخ ایسا مقرر کیا جائے کہ اگر بنک چاہے تو خود بھی سونا براہ راست لندن سے اس نرخ پر منگا سکے۔"

اس سلسلہ میں کمیشن نے تفصیلی سفارشات بھی کی ہیں جن کے بیان کرنے سے یہاں کچھ فائدہ نہیں ہے۔

ریزرو بنک کمیشن کی دوسری سفارش جس کا پہلے بھی تذکرہ آچکا ہے یہ تھی کہ ایک مرکزی بنک قایم کیا جائے جس کا نام ریزرو بنک ہو۔ اگرچہ یہ کوئی نئی تجویز نہ تھی کیونکہ اس قسم کے بنک کی تجویزیں بہت پہلے سے ہوتی چلی آئی تھیں مگر اس کمیشن نے بہت زیادہ اس کی سفارش کی اور پورے غور و خوض کے بعد اس کی تفصیلی تجاویز پیش کیں۔ ان کا خیال تھا کہ مذکورہ بالا طریقہ پر جو معیار طلا قایم کیا جائے گا اس کا اہتمام و انتظام کلیتاً اس بنک کے سپرد رہنا چاہیے۔

اس وقت تک ہندوستان میں سکہ پالیسی گورنمنٹ ہند اور وزیر ہند کے اختیار میں رہتی تھی۔ بعض اوقات ان ہر دو افسران کے باہمی اختلاف سے ایک پالیسی قایم نہ رہ سکتی تھی۔ ملک کے لین دین کے کام تمام تر بنکوں کے ہاتھ میں رہتے تھے امپیریل بنک اگرچہ گورنمنٹ کا خزانچی تھا لیکن پھر بھی گورنمنٹ سے علحدہ تھا۔ اس کا اندازہ کہ اس وقت بازار میں روپے کی کتنی مانگ اور ضرورت ہے صرف بنکوں ہی کو ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سے کیا ہوتا روپیہ بنانے اور نوٹ جاری کرنے کا ان کو اختیار نہیں یہ تو گورنمنٹ پر منحصر تھا کہ ضرورت کے وقت ان کو روپیہ دے یا نہ دے۔ اسی وجہ سے سکہ شرح تبادلہ اور لین دین کی پالیسی کسی مستحکم اصول پر قایم نہ تھی یہ سب کام ایک بنک کے سپرد ہو جانے سے کاروبار میں بہت سہولت کی توقع تھی اور ان تمام دقتوں اور نقایص کے دور ہو جانے کی امید تھی جن کا ذکر پچھلے باب میں کیا گیا ہے۔

روپے کی قیمت سونے میں تیسری اہم تجویز اس کمیشن نے یہ کی کہ روپیہ ۸۴۷۵۱۲ گرین یعنی قریب ۸ ۱/۲

(۴۵ء۲۰۰۶) رتی سونے کی ایک مقررہ مقدار کی برابر سمجھا جائے اور وہ مقدار ایسی ہو کہ روپیہ انگلستان کے سونے کے سکہ کے تبادلہ میں ۱۸ پنس کی برابر ہو۔ ہم پہلے یہ بتا چکے ہیں کہ پہلے ہی سے گورنمنٹ کا منشاء ۱۸ پنس کی شرح تبادلہ قایم کرنے کا تھا۔ اور یہ کمیشن اُسی وقت مقرر کیا گیا تھا جب شرح تبادلہ حسب منشا ہو گئی تھی۔ اور اس شرح تبادلہ کو گورنمنٹ نے کمیشن کے دوران تحقیقات میں بڑی جد و جہد سے قایم رکھا تھا چنانچہ ۱۹۲۶ء میں تو اسی خاطر ۳۱ کرور کے قریب سکہ میں کمی کی تھی۔ کمیشن نے بھی یہ کہکر کہ یہ شرح تبادلہ عرصہ سے قایم ہے اور چیزوں کی قیمتیں اسی اعتبار سے قایم ہو چکی ہیں اس کو باقی رکھا۔

قیمتوں کا شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہونا (الف) بے بنگٹن کمیشن کی رپورٹ کے تذکرہ میں یہ آچکا ہے کہ اُنھوں نے ۲۴ پنس شرح تبادلہ کی سفارش کرتے ہوئے تسلیم کیا تھا کہ بڑھی ہوئی شرح تبادلہ سے برآمد کے مال میں رکاوٹ اور درآمد کے مال میں ترقی ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اپنی تجویز کو اس بنا پر مناسب قرار دیا تھا کہ اُن کے خیال میں اشیاء کی قیمتیں اور مزدوریاں ۲۴ پنس شرح کے مطابق پہلے ہی قایم ہو چکی ہیں۔ تاہم اُن سفارشات کا انجام الم نشرح ہو چکا ہے۔ مگر اس کمیشن نے بھی اُسی مفروضہ کو تسلیم کر کے ۱۸ پنس شرح تبادلہ کی سفارش کی کہ اشیاء کی قیمتیں اور مزدوریاں اسی شرح کے مطابق قایم ہو چکی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ موجودہ کمیشن کا زمانہ بمقابلہ بے بنگٹن اسمتھ کمیٹی کے زمانہ کے بہتر تھا اُس کمیٹی نے جس وقت ۲۴ پنس کی سفارش کی تھی تو شرح تبادلہ ۲۸ پنس (نوٹ) کی تھی یعنی سونے کے اعتبار سے محض ۲۰ پنس کے قریب[۱] تھی لیکن اس کمیشن نے ۱۸ پنس کی سفارش کی تو شرح تبادلہ واقعی ۱۸ پنس ہی کی تھی (اگرچہ ہندوستانیوں کا استدلال یہ تھا کہ یہ شرح کھینچ تان کر کر لی گئی ہے) جس کی وجہ سے رپورٹ کی تائید کرنے والے ممبروں کی دلائل میں اور مخالفین کے جوابات میں بہت ہی باریکیاں ہیں بحث مباحثہ نہایت دلچسپ ہے اور سر پرشوتم داس ٹھاکر داس نے موئیدین رپورٹ کے جوابات اپنے اختلافی نوٹ میں بڑی وضاحت سے دیئے ہیں۔ جو مناسب موقع پر بیان کئے جائیں گے سردست تو ہم ایک دفعہ اور اُس استدلال کو مختصراً بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جو اشیاء کی قیمتوں اور مزدوریوں کے شرح تبادلہ کے موافق قایم ہو جانے کی بابت پیش کی جاتی ہیں۔ اگرچہ پہلے بھی اس کے متعلق لکھا جا چکا ہے لیکن چونکہ یہ مسئلہ پیچیدہ سمجھا جاتا ہے اور بالخصوص کہ جب کہ بڑے بڑے قابل لوگ اس پر طبع آزمائی کرتے ہیں تو واقعی بعض اوقات یہ اس قدر پیچیدہ ہو جاتا ہے اور دلائل میں حقیقی اُمور بحث طلب ایسے چھپ جاتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ دلیل کیا ہے اور نتیجہ کیا۔ اس لیئے ہم ایک مرتبہ پھر اس طریق استدلال کو ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

---

[۱] چونکہ اُس زمانہ میں انگلستان میں نوٹ کا سکہ نہ تھا اور اس وجہ سے نوٹ پر بٹہ تھا۔

اس معاملہ کو ذہن نشین کرنے کے لیے ایک مثال لیجیے کہ ایک زمانہ میں ایک روپیہ کی قیمت ۱۶ سولہ پنس ہے اور ایک اشرفی پندرہ روپے کو آتی ہے گویا روپیہ اشرفی کا پندرھواں حصہ ہے تو ایک اشرفی میں جس قدر کوئی چیز آسکے گی روپیہ میں اُس کا پندرھواں حصہ آئے گی۔ یعنی روپیہ کی قیمت باعتبار سونے کے یہ ہے کہ وہ سونے کی آٹھ ماشے اشرفی کا پندرھواں حصہ ہے لیکن ہندوستان میں مدتوں سے چونکہ اشرفی کا رواج نہیں رہا ہندوستانیوں کے خیال میں روپے کی ایک ہی قیمت ہوگئی ہے جو گھٹتی بڑھتی نہیں ہے بلکہ اشرفی اگر سولہ روپے کو ملنے لگے تو ہندوستانی سمجھتے ہیں کہ اشرفی کا بھاؤ بقدر ایک روپے کے بڑھ گیا اور چودہ روپے میں آنے لگے تو کہتے ہیں کہ ایک روپیہ کم میں آنے لگی یعنی روپیہ کی زیادتی لگی ہے ان کے خیال میں اشرفی کی قیمت گھٹ بڑھ جاتی ہے بخلاف اُن ممالک کے جہاں سونے کا سکہ رائج ہے وہاں کے لوگ اشرفی کی قیمت کو تو مستقل سمجھتے ہیں اور اُس کے تبادلہ میں روپے اگر زیادہ آتے ہیں تو روپیہ کی قیمت کم ہوگئی اور کم آتے ہیں تو قیمت بڑھ گئی یہی وہ فرق ہے جس سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پس ان معاملات کو سمجھنے کے لیے اس تفاوت خیال کا ذہن نشین رکھنا ضروری ہے یعنی

(۱) ہندوستانیوں کے نزدیک ایک روپیہ کی قیمت قایم ہے اگر بجائے پندرہ روپے کے ۱۶ سولہ روپے میں اشرفی آنے لگے تو وہ سمجھیں گے کہ اشرفی کی قیمت بقدر ایک روپیہ کے بڑھ گئی۔

(۲) برعکس اس کے دیگر ممالک کے لوگ اشرفی کی قیمت کو قایم سمجھتے ہیں۔ اور مثال مذکورہ بالا میں وہ کہیں گے کہ روپیہ کی قیمت گر گئی۔

دِقّت یہ ہے کہ ہندوستان کا جن ممالک سے لین دین ہے ان سب میں تقریباً سونے کے سکہ کا چلن ہے اور اُن کا نقطۂ خیال دوسرے نظریہ مذکورہ بالا کے مطابق ہوتا ہے نیز جو لوگ دوسرے ممالک سے کاروبار کرتے اور وہاں سے سامان منگاتے اور روپیہ بھیجتے رہتے ہیں اس فرق کو اچھی طرح سمجھنے لگتے ہیں اُن کے خیال میں بھی قیمت کا اصلی معیار اشرفی ہو جاتی ہے مثلاً اس کمیشن کے جتنے ممبر تھے وہ یا تو انگلستان کے لوگ تھے یا ہندوستان کے ایسے ماہرین فن تھے جن کی عمریں بیرونی ممالک سے کاروبار کرنے میں گذری ہیں اور جن کا نقطۂ خیال نظریہ دوم سے تعلق رکھتا ہے۔

شرح تبادلہ کا صرف درآمد و برآمد پر فوری اثر (ب) اگر روپیہ سولہ پنس کی بجائے ۱۸ پنس کا قرار دیدیا گیا تو اشرفی ۱۳⅓ میں ملنے لگے گی یعنی روپیہ سونے کے اعتبار سے اشرفی کے تیرھویں حصے سے کچھ زیادہ ہوگیا پس روپیہ کی قیمت کا سونے کی قیمت کے اعتبار سے گھٹنے بڑھنے کا اثر اولاً تو اُن چیزوں پر پڑتا ہے جو بیرونی ممالک کو جاتی یا وہاں سے ہندوستان آتی ہیں کیونکہ انھیں ممالک کی منڈیاں ہیں جن میں تمام دنیا سے مال

بکنے کے لیے پہونچتا ہی اور جس چیز کا جو نرخ وہاں نکلتا ہی اُسی کے مطابق تمام دنیا کے بازاروں میں نرخ قایم ہوتے ہیں مثلاً لندن اناج کی منڈی ہی اور جرمنی و امریکہ کھال کی منڈیاں ہیں لہذا ہندوستان کے بازاروں میں گیہوں کا نرخ وہ ہوتا ہی جو لندن کے نرخ سے مطابق ہو اور کھال کا نرخ جرمنی اور امریکہ کے مطابق ہو۔ ان تمام ممالک میں سونے کے سکہ کا چلن ہی اس لیے جب روپیہ ۱۶ پنس کا تھا تو ہندوستان سے گیہوں انگلستان جاتا تھا اور وہاں بالفرض ڈیڑھ من گیہوں ایک پونڈ کو بکتا تھا تو ہندوستان کے کاشتکار کو پندرہ روپے مل جاتے تھے یعنی اُس کا غلہ ۴ سیر فی روپیہ کے حساب سے فروخت ہو جاتا تھا لیکن روپیہ ۱۸ پنس کا کر دیا گیا تو باوجود انگلستان میں گیہوں کا نرخ وہی ڈیڑھ من فی پونڈ ہی مگر کاشتکار کو بجائے پندرہ روپے کے ۱۳⅓ روپے ملے یعنی اُس کا غلہ ۹ سیر کے حساب سے بکا ایسی صورت میں ہندوستان کا کاشتکار یہ نہ سمجھے گا کہ روپیہ کی قیمت بڑھ گئی بلکہ یہ خیال کرے گا کہ غلہ کا بازار مندا ہو گیا ہی۔

اگر صورت حال یہ ہوتی کہ ہندوستان کی تمام چیزیں انگلستان جا کر بکتیں اور یہاں استعمال میں آنیوالی چیزیں سب انگلستان سے آتیں تو روزانہ چیزوں کی قیمتیں شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہو جایا کرتیں مگر واقعہ یہ ہی کہ ہندوستان کی اپنی اندرون ملک کی تجارت جو ۳۳ کروڑ نفوس کے درمیان ہی ممالک غیر کی تجارت کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہی اور روزمرہ کی رہایشی ضروریات کے سامان ایسے ہیں جن پر بیرونی ممالک کی قیمتوں کا کچھ اثر نہیں پڑتا خام اجناس میں زیادہ تر گیہوں اور تل وغیرہ باہر ممالک کو جاتے ہیں لیکن سبزی۔ ترکاری۔ گوشت پھل مصالحہ پان چھالیہ۔ تمباکو۔ تیل۔ گھی وغیرہ کھانے کی چیزیں۔ چونہ۔ لکڑی۔ اینٹ پتھر وغیرہ تعمیر میں کام آنے والی اشیا اور اسی طرح کی ہزارہا چیزیں جو روزمرہ کے کام آنے والی چیزیں ہیں اور ہندوستان ہی میں پیدا ہوتی ہیں اور یہیں خرچ ہوتی ہیں ان پر شرح تبادلہ کا فوری اثر کوئی نہیں پڑتا اس لیے ۱۸ پنس کا روپیہ ہو جانے کا نتیجہ یہ ہی کہ گیہوں تو بجائے ۸ سیر کے ۹ سیر بکنے لگا اور کاشتکار کو جس مال کے پہلے ۱۵ روپے ملتے تھے اب اُس کو اتنے ہی مال کے ۱۳⅓ ملنے لگے یعنی ۱۱ فی صدی کا نقصان ہو گیا لیکن ملک میں دیگر چیزوں کی قیمتیں بدستور رہیں۔ لگان بھی اُس کو اتنا ہی دینا ہی جتنا پہلے تھا ساہوکار کا روپیہ بھی اُتنا ہی ادا کرنا ہی اور روزمرہ کے ضروریات و اخراجات میں بھی کوئی کمی نہیں لیکن غلہ کی قیمت گھٹ جانے کی وجہ سے آمدنی کم ہو گئی ممکن ہی کہ آہستہ آہستہ دوسری چیزوں پر بھی غلہ کے نرخ کا اثر پڑے اور ان کی قیمتیں بھی گھٹ جائیں لیکن اس کے لیے ایک عرصہ دراز چاہیے مثلاً گیہوں کو لیجئے جو ہندوستان میں سب سے بہتر اور زیادہ قیمت کا غلہ سمجھا جاتا تھا چنے جوار باجرہ کا نرخ بمقابلہ گیہوں کے بہت کم ہوا کرتا تھا لیکن گیہوں کی دنیا میں کثرت سے پیداوار ہو جانے کی وجہ سے دُنیا بھر کی منڈیوں میں اس کی قیمت بہت گر گئی اور ہندوستان میں بھی اس کا اثر ہوا مگر دوسری اجناس کا بھاؤ گیہوں کے بھاؤ کی مناسبت سے

نہیں گرا بلکہ ایسا زمانہ بھی آیا کہ ان اجناس کا بھاؤ گیہوں کے بھاؤ کی برابر ہوگیا اور پھر گیہوں ان سب اجناس سے سستا ہوگیا لیکن بھوسہ اتنا سستا نہ ہوا جتنا گیہوں ہوا۔ ایسے ہی جلانے کی لکڑی سستی نہیں ہوئی۔ یہیں یہ اندازہ کرنا کہ گیہوں کے سستے ہوجانے کے کتنے برس بعد تمام اشیا کی قیمتیں اس کے مطابق سستی ہو جائیں گی۔ ہندوستان جیسے ملک میں بہت مشکل ہے جہاں کروڑہا کروڑ انسان بستے ہوں اور کروڑوں روپیہ کی اندرونی تجارت ہو جہاں ریلوں اور پکی سڑکوں کی ایسی کثرت نہ ہو جیسی کہ یورپ میں ہے۔ جہاں آج بھی بیل گاڑیوں اور اونٹوں سے سلسلہ ارسال و ترسیل باقی ہو اور جہاں کے لوگ روپیہ کی شرح تبادلہ بڑھنے سے گیہوں سستے بکنے لگتے ہیں تو یہ نہیں سمجھتے کہ روپے کی قیمت بڑھ گئی بلکہ خیال کرتے ہیں کہ گیہوں سستے ہوگئے۔ جہاں دساور میں پان کتنے ہی سستے یا مہنگے کیوں نہ ہو جائیں مگر تنبولی کی دوکان سے ایک پیسہ کا ایک پان کا ٹکڑا ملتا ہو اور حلوائی کی دوکان سے باوجود آٹے اور میدہ کے سستا ہوجانے کے دو پیسہ کی ایک کچوری اور ایک پیسہ کا ایک بسکٹ ملتا ہو وہاں یہ سمجھنا کہ چیزوں کی بڑھی ہوئی قیمتیں شرح تبادلہ کے مطابق جلد قائم ہوجائیں گی خیال خام ہے جسے واقعات سے دور کا لگاؤ بھی نہیں ہے ہاں شرح تبادلہ پر غور کرنے والے کمیشنوں کے ممبر اپنی بڑی بڑی ہوئی منطقی قابلیت سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ روپے کی بڑھی ہوئی قیمت کے اعتبار سے چیزوں کی قیمت قائم ہوگئی تو ان کی دلائل کے سامنے تو ہوہی گئی۔

یہی حال مزدوریوں کا ہے کہ جب مزدوری کی کوئی شرح نکل جاتی ہے تو پھر آسانی سے نہیں گھٹتی۔ لکھے پڑھے لوگوں کی تعداد زیادہ ہونے اور اُن کی عقلیں تیز ہونے کی وجہ سے اور ملازمتیں کم ہونے کی وجہ سے وہ تو بعض وقت سمجھ سکتے ہیں کہ روپے کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے اُن کو بجائے تیس روپے کے پچیس روپے کی ملازمت کرلینی چاہیے۔ لیکن جاہل مزدور۔ کاریگر۔ ریل کے قلی اپنی مزدوریوں میں شاذ ہی کمی کرتے ہیں۔ بڑے بڑے کارخانے ہیں خواہ سرکاری ہوں یا نجی کے مزدوری گھٹانے کا سوال آتا ہے تو سوائے اس کے کہ اسٹرائک ہو یا کارخانہ بند رہیں۔ مارپیٹ ہو اور ہر طرح کا نقصان ہو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ چھوٹی تنخواہوں کے متلاشی تعلیم یافتوں کی بابت تو ہم پہلے بتا چکے کہ کم تنخواہ پر ملازمت کرلینے پر رضامند ہوجاتے ہیں لیکن وہ بھی ملازمت مل جانے کے بعد تنخواہ کی تخفیف کا نام نہیں لے سکتے اور وہ بیچارے تخفیف کا کیا نام لیں جب ہزار ہا روپے کی تنخواہ پانے والے ہی تنخواہوں میں ایک پیسہ کی تخفیف کرنے پر آمادہ نہ ہوں یہی نہیں بلکہ وہ قابل لوگ جو بحثیں کرکے اور استدلال سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مزدوریاں بڑھی ہوئی شرح تبادلہ کے مطابق قائم ہوچکی ہیں اپنی بیش قرار تنخواہوں میں ایک پیسہ کی کمی گوارا نہیں کرسکتے۔ ہاں بحث سے یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ مزدوریاں گھٹ گئی ہیں۔

۱۹۲۵ء سے پہلے کی قیمتیں ممبران کمیشن کی اُن دلائل کو بیان کرنے سے پہلے جو انھوں نے اختیار کی

قیمتوں اور مزدوریوں کے شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہو جانے کی دی ہیں مختصراً سنہ ۱۹۲۵ء سے پہلے کی قیمتوں کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ ناظرین کی یاد تازہ ہو جاسکے۔

سنہ ۱۹۱۳ء کے بعد جب سے روپیہ کی شرح تبادلہ ۱۶ پنس کی مقرر کی گئی تھی ہندوستانیوں کے خیال میں روپی کی یہی قیمت قایم تھی اور اشرفی کی قیمت ۱۵ روپی سمجھتے تھے اگر اشرفی کی قیمت میں کمی ہوتی تھی تو اُس سے روپیہ کی قیمت میں کمی بیشی محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ اشرفی کو ایک جنس سمجھتے تھے جو مثل دیگر اجناس کے قیمت میں بیش و کم ہوتی رہتی ہے۔ اس تمام مدت مدید میں اشرفی کی قیمت میں اگر کوئی تغیر ہوا تو یہ کہ اُس کی قیمت پندرہ روپی سے زیادہ ہو گئی جیسے سنہ ۱۹۱۸ء کے بعد اٹھارہ روپی سے بیس روپی تک اُس کے دام ہو گئے تھے لیکن سنہ ۱۹۲۰ء میں بکثرت گورنمنٹ کے سونا ہندوستان بھیجنے کی وجہ عارضی طور پر نرخ پندرہ روپی سے کچھ کم ہو گیا تھا مگر سنہ ۱۹۲۱ء میں پھر بیس کے قریب دام پہونچ گئے اور اُس وقت سے کم و بیش اشرفی کی قیمت اسی سطح پر رہی۔ البتہ شروع سنہ ۱۹۲۵ء میں نرخ پندرہ کے قریب ہو گیا اور کمیشن کے تقرر سے کچھ دن پہلے سے تیرہ روپی آٹھ آنے کے قریب ہو گیا تھا اور بعض اوقات اس سے بھی کچھ دام گر گئے۔ تاہم اس زمانہ کے جو تقریباً ایک سال تھا) عارضی طور پر نرخ گرجانے سے یہ اندازہ لگانا کہ ہندوستانی یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ روپی کی قیمت بجائے اشرفی کے پندرھویں حصّہ کے تیرھویں حصّہ کے قریب ہو گئی ہے بہت مشکل ہے۔ اشرفی کی قیمت میں ایسے عارضی تغیرات تو کتنی ہی مرتبہ ہو چکے تھے اور سنہ ۱۹۲۰ء کے تجربہ کے بعد سے تو جب کبھی سونے کی قیمت گرجاتی تھی تو لوگ اسے کسی چال پر مبنی سمجھتے تھے اور یہ قیاس نہ کرتے تھے کہ یہ قیمت مستقل طور پر گھٹ گئی ہے۔ مگر ان حالات کے ہوتے ہوئے بھی ممبران کمیشن نے تجویز کر دیا کہ چیزوں کی قیمتیں اور مزدوریاں نئی شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہو چکی ہیں۔

سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد چیزوں کی قیمتوں میں کمی | کمیشن کے استدلال کا ایک پہلو بظاہر نہایت قوی ہے جو یہ ہے کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد ہندوستان میں اشیا کی قیمتیں کم ہو گئی تھیں۔ لیکن یہ کمی صرف ہندوستان ہی میں نہیں ہوئی تھی بلکہ قریب قریب تمام ممالک میں ہوئی تھی چنانچہ جس زمانہ کے شمار و اعداد ہندوستان کے کمیشن نے لیئے تھے اُس زمانہ میں تو امریکہ جیسے ملک میں بھی جہاں شرح تبادلہ کا کوئی سوال نہ تھا چیزوں کی قیمتوں میں بہت کمی ہو گئی تھی اس لیئے ہندوستان کی اس پوری کمی کو محض شرح تبادلہ کی وجہ سے محمول کرنا مشکل ہے ہاں اگر ہندوستان میں بمقابلہ دیگر ممالک کے بہت زیادہ کمی ہو گئی ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کا کچھ حصّہ شرح تبادلہ کی وجہ سے ہوا ہوگا۔ لیکن یہ قیاس اس وجہ سے پورے وثوق کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا کہ کیا ضروری ہے کہ جس قدر کمی کسی ایک ملک میں ہوتی ہے اُتنی ہی کمی ہر ملک میں ہو۔ پس اس استدلال کے قبول کرنے میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔

قیمتوں کے مقابلہ کرنے کا طریقہ اور مفروضہ اعداد | چیزوں کی قیمتوں کے مقابلہ کرنے کا طریقہ یہ ہو کہ کسی ایک سال کو معیار یا نمونہ کا سال مان لیا جاتا ہو اس سال کی قیمتوں کو سو فرض کرکے دوسرے سالوں کی قیمت کا مقابلہ کیا جاتا ہو۔ یہ قیمتیں نمونے کے سال سے جس قدر کم یا زیادہ ہوتی ہیں اسی نسبت سے سو کے ہندسہ کو گھٹا یا بڑھا دیا جاتا ہو اور ایسے اعداد کو انگریزی میں (یعنی Index Number) یا اعداد مفروضہ کہتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ بنیادی سال میں غلہ کا نرخ ۹ سیر فی روپیہ کا تھا اور اُس سے آئندہ سال نرخ ۶ سیر فی روپیہ ہو گیا تو پہلے سال کا عدد سو فرض کرکے دوسرے سال کا عدد ۱۵۰ ہو گیا اور تیسرے سال اگر نرخ بجائے ۹ سیر کے ۱۲ سیر ہو گیا تو اس تیسرے سال کا عدد ۷۵ ہو گا۔ اسی طرح مختلف اجناس کے اعداد قایم کرکے اوسط نکالا جاتا ہو اور ایک سال کے اوسط سے دوسرے سالوں کا مقابلہ کیا جاتا ہو۔

جس زمانہ میں کمیشن نے رپورٹ کی اُس زمانہ میں اور آج کل بھی عموماً بنیادی سال جنگ عظیم شروع ہونے سے پہلا سال یعنی ۱۹۱۴-۱۳ء مانا جاتا ہو اور قریب قریب ہر ملک میں وہاں کی قیمتوں کا اندازہ اسی سال کی قیمتوں سے کیا جاتا ہو۔

اشیا کی کمی قیمت کے متعلق کمیشن کا استدلال | کمیشن نے بھی یہ طریقہ مذکورہ بالا ہندوستان اور دوسرے مقامات کے اعداد کا مقابلہ کرکے قیمتوں کی کمی کے متعلق نتایج نکالے ہیں مگر حقیقت میں یہ طریق سہل بہت صحیح نہیں ہو۔ بالخصوص جب دو مختلف ممالک کی قیمتوں کا اندازہ اس طریق سے نکالا جاتا ہو تو وہ اور بھی ناقص ہوتا ہو۔ چنانچہ کمیشن نے خود بھی اس طریقہ کے متعلق پیرے ۵۴ میں تحریر کیا ہو۔

"مفروضہ اعداد کی امداد کے بغیر قیمتوں کی کمی بیشی کا اندازہ کرنا اگرچہ ناممکن نہیں تاہم بہت مشکل ہو اور ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مفروضہ اعداد پوری طرح قابل اعتماد نہیں ہوسکتے اور بہت سے مواقع ایسے ہوسکتے ہیں کہ انسان ان کی وجہ سے غلطی میں مبتلا ہوجائے۔ بالخصوص جبکہ ایک زمانہ کے دو ممالک کے نرخوں کا مقابلہ ان مفروضہ اعداد سے کیا جائے تو اور بھی مزید احتیاط کی ضرورت ہو۔ مزید براں (چونکہ قاعدہ یہ ہو کہ) کسی ایک سال کو بنیادی سال مان کر اس کی قیمتوں سے مقابلہ کیا جاتا ہو اور جو سال بنیادی منتخب کیا جاتا ہو ممکن ہو کہ وہ ہر اعتبار سے ہر دو ممالک میں یکساں نہ ہو مثلاً ممکن ہو کہ اس سال ایک ملک میں کچھ ایسے خاص واقعات پیش آگئے ہوں جن کی وجہ سے قیمتیں غیر معمولی ہوں۔ یا اس بنیادی سال اور مقابلہ کے سال کے دوران میں کاشت وغیرہ میں ترقی ہو گئی ہو تو اس حالت میں اتنا زیادہ فرق ہوگا کہ نتیجہ بالکل غلط نکلے گا) اور اس سبب سے یہ کہا جاسکتا ہو کہ یہ مقابلہ دو مختلف ممالک کے کسی ایک ملک کے مختلف سالوں کے مقابلہ کرنے میں ان مفروضہ اعداد سے صحیح نتیجہ نکل سکتا ہو۔"

کلکتہ اور بمبئی کی قیمتوں کا موازنہ مندرجہ بالا تمہید کے بعد کمیشن نے ہندوستان کی اندرونی قیمتوں کا موازنہ کرنے کے لیے کلکتہ اور بمبئی دو شہروں کی قیمتیں لیں۔ اوّل انھوں نے کلکتہ کی قیمتوں کو لیا چونکہ گورنمنٹ ہند کلکتہ کی قیمتوں کو زیادہ قابل اعتبار سمجھتی تھی اور پھر ان دونوں شہروں کی قیمتوں کو یکجا کرکے ہندوستان بھر کی قیمتوں کے تغیر نیز اسی زمانہ کی تمام دنیا کی قیمتوں کے تغیر و تبدل کا نقشہ تیار کیا لیکن اس نقشہ سے خلاف توقع عجیب نتیجہ نکلا کہ جون ۱۹۲۵ء کے بعد سے جبکہ ہندوستان میں ۱۸ پنس کی شرح تبادلہ قایم ہوئی۔ ہندوستان کے اندرونی قیمتوں میں جو کچھ کمی بیشی ہوئی وہ ویسی ہی ہے جیسی کہ تمام دنیا میں ہوئی ہے۔ یعنی یہ جو کہا جاتا تھا کہ جون ۱۹۲۵ء کے بعد سے بڑھی ہوئی شرح تبادلہ کے مطابق چیزوں کی قیمتیں قایم ہوگئی ہیں بالکل غلط نکلا۔ کیونکہ چیزوں کی قیمتیں اگر روپے کی بڑھی ہوئی شرح کے مطابق ہوتیں تو جیسی دنیا کے دوسرے مقامات پر قیمتوں میں کمی ہوئی تھی اُس سے بہت زیادہ کمی ہندوستان میں ہونی چاہیے تھی اس نتیجہ کو ممبران کمیشن خود تسلیم کرتے ہیں اور رپورٹ کے پیرے ۱۸۸ میں لکھتے ہیں۔

”نقشہ پر حسب ذیل اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ جون ۱۹۲۵ء تک روپے کی قیمت ۱۸ پنس سونے کی مقرر نہ ہوئی تھی اس مہینے میں پہلی مرتبہ یہ قیمت مقرر ہوئی اور اس وقت سے ہندوستان میں روپے کے اعتبار سے قیمتیں اسی طرح گھٹی بڑھی ہیں جس طرح تمام دنیا میں گھٹی بڑھی ہیں یعنی روپے کے اعتبار سے ویسی ہی قایم ہیں جیسی کہ تمام دنیا میں قایم تھیں اور اس لیے ابھی تک ہندوستان میں روپیہ کی نئی مالیت کے اعتبار سے قیمتیں قایم نہیں ہوئیں بلکہ آئندہ ہونے والی ہیں۔“

کمیشن نے یہ اعتراض قایم کرنے کے بعد جواب بھی دیا ہے کہ

”اگرچہ جون ۱۹۲۵ء تک روپے کی قیمت پورے ۱۸ پنس نہیں ہوئی تھی لیکن جولائی ۱۹۲۳ء اور جنوری ۱۹۲۴ء کے درمیان روپیہ کی ۱۶ پنس سے ۱۸ پنس بڑھنے کی طرف ۸۰ فیصدی منزل طے ہو چکی تھی اس زمانہ میں چیزوں کی قیمتیں بمقابلہ دنیا کی قیمتوں کے بہت گر گئی تھیں پس ۱۹۲۵ء سے پہلے ہی قیمتیں اتنی گر گئی تھیں گویا وہ ۱۸ پنس کے روپیہ کے مطابق قایم ہو چکی تھیں“ اور اس طرح کمیشن نے یہ ثابت کیا ہے کہ چیزوں کی قیمتیں صرف چھ مہینے میں یعنی جولائی اور جنوری کے درمیان ہی میں جبکہ روپے کی قیمت پورے ۱۸ پنس کی نہ ہوئی تھی اس نئی شرح کے مطابق قایم ہو چکی تھیں۔

اشیا کی قیمتوں کے نئی شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہونے کا دوسرا ثبوت ممبران کمیشن نے یہ دیا کہ اس دوران میں (یعنی جون ۱۹۲۵ء سے جولائی ۱۹۲۶ء تک) شرح تبادلہ قریب قریب ایک سطح پر قایم رہی ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ قیمتیں قایم ہو چکی ہیں۔

اس استدلال پر معترضین کہتے تھے کہ شرح تبادلہ کا ایک سطح پر قایم رہنا اس کی دلیل نہیں ہی کیونکہ اس دوران میں گورنمنٹ نے مداخلت کر کے اور کھینچ تان کر اس شرح کو قایم کیا ہی۔

جس کے جواب میں ممبران کمیشن نے اس کی تردید کی کہ گورنمنٹ نے کوئی غیر معمولی مداخلت کر کے شرح تبادلہ کو اس طرح پر قایم رکھا ہی۔ اور کہا کہ "جس طرح ہمیشہ سے اس معاملہ میں گورنمنٹ مداخلت کرتی چلی آئی ہو ویسی ہی مداخلت اس دوران میں بھی کی ہی اگر گورنمنٹ نے ۱۸ پنس کی شرح کو گرنے سے روکا ہو تو بڑھنے سے بھی تو روکا ہی"

تیسری بات کمیشن نے بطور ثبوت یہ پیش کی کہ درآمد اور برآمد کے مال کی قیمت میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوا ہی۔ اگر قیمتیں قایم نہ ہو چکی ہوتیں تو ان کی قیمتوں کا تغیر و تبدل لازمی تھا۔ پس ان تمام دلائل کی بنا پر انھوں نے تجویز کیا کہ "بارہ مہینہ تک ۱۸ پنس کی شرح تبادلہ رہنے سے ایک بڑی حد تک اشیاء کی قیمتیں قایم ہو چکی ہیں۔ جس کی تائید ان ممالک کی مثال سے بھی ہوتی ہو جنھوں نے حال ہی میں اپنی شرح تبادلہ مستحکم کی ہی"

مزدوری | دوسرا غور طلب امر یہ تھا کہ مزدوریاں شرح تبادلہ کے اعلیٰ رسے کہاں تک کم ہو گئی ہیں سو اس کے متعلق ممبران کمیشن لکھتے ہیں کہ اس معاملہ کے طے کرنے کے لیے جو مواد ہمارے سامنے ہی وہ اس مواد سے بھی بہت کم ہی جو داشیاء کی قیمتوں کے طے کرنے کے لیے ہمارے سامنے تھا، لیکن عام وجوہات کی بنا پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہی کہ مزدوریاں بھی بہت بڑی حد تک نئی شرح کے مطابق قایم ہو چکی ہیں"

اس کے بعد اسی قسم کی عام دلائل کی بنا پر انھوں نے اس بارے میں اپنی قطعی رائے پیش کی ہی۔

معاہدات | قیمتوں اور مزدوریوں کے بعد معاہدات کا معاملہ بہت ضروری ہی جس کے متعلق ممبران لکھتے ہیں کہ "ہم سے کہا جاتا ہی کہ مالگذاری اور بہت سے تمسکات اور دستاویزات و دیگر معاہدات جن کا اثر سالہا سال تک قایم رہتا ہی وہ اس زمانے کے ہیں جبکہ روپیہ کی قیمت ۱۶ پنس کی تھی" ایسی صورت میں شرح تبادلہ میں تبدیلی کر کے دائن و مدیون کی ذمہ داریوں میں فرق ڈالنا کسی طرح مناسب نہیں ہو اس سوال کا کمیشن نے یہ جواب دیا ہی کہ

"اس میں شک نہیں کہ بہت سے بندوبست اس وقت کیے گئے تھے اور ۳۰ سال کی مدت کے لیے کیے گئے تھے جبکہ شرح تبادلہ ۱۶ پنس تھی لیکن ۱۹ء سے اجناس کی قیمتوں میں غیر معمولی زیادتی ہو جانے کی وجہ سے مالگذاری کا بوجھ بہت گھٹ گیا ہی اور ہم نہیں سمجھتے کہ ۱۸ پنس کی شرح ہو جانے کی وجہ سے کوئی بڑی دقت ہو گی" دوسرے معاہدوں کی بابت لکھتے ہیں کہ گذشتہ ۵۰ سال میں شرح تبادلہ بہت متزلزل رہی ہی اور ۱۴ پنس کی شرح کچھ زیادہ قایم نہیں رہی اور اتنے عرصہ تک متزلزل رہنے کی وجہ سے یہ ناممکن ہو کہ لینے دینے داروں

اور قرضخواہوں کو جن کے معاہدات اتنی طویل مدت کے ہیں اُن کے لیئے کوئی ایسی شرح مقرر کی جاسکے جس سے دونوں فریقوں کو نقصان نہ پہونچے" نیز لکھتے ہیں" بہرحال طویل مدت کے معاہدوں کی تعداد بہت کم ہے اور بیشتر معاہدے قلیل مُدّت ہی کے ہیں اور زیادہ تر اسی شرح کے دوران میں ہوئے ہیں یا کم از کم ایسے وقت ہوئے ہیں جبکہ شرح ۱۶ پنس سے اوپر کو کھسک چکی تھی" اس لیئے ۱۸ پنس کی شرح سے فریقین پر کوئی مضر اثر نہیں پڑ سکتا آخر میں لکھتے ہیں کہ "ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ خواہ معاہدوں کے خیال سے خواہ قیمتوں اور مزدوریوں کے خیال سے غرضکہ ہر نقطہ نظر سے لوگوں کو سب سے کم دقت اور زحمت واقعی شرح (۱۸ پنس) قایم کر دینے سے ہوگی"

۱۶ پنس کا روپیہ | اس کے بعد کمیشن نے ۱۶ پنس کی شرح قایم رکھنے سے جن دقتوں کے واقع ہونے کا امکان تھا اُن کو نیز ۱۸ پنس کے خلاف اعتراضات کا بہ صراحت جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

"یہ کہنا غلط ہے کہ ۱۶ پنس کا نرخ فطری نرخ ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ گورنمنٹ نے اپنی مداخلت سے ۱۸ پنس کی شرح قایم کی ہے۔ کیونکہ گورنمنٹ نے یہ ہی نہیں کیا کہ شرح تبادلہ کو ۱۸ پنس سے نیچے نہیں گرنے دیا بلکہ یہ بھی کیا ہے کہ اس سے بڑھنے نہیں دیا۔ حالانکہ بڑھنے کا رجحان گرنے سے زیادہ قوی تھا" مزید براں معترضین کے بیان کو تسلیم کرتے ہوئے کہا "اگر یہ سچ بھی ہو کہ گورنمنٹ نے اس پالیسی کے اختیار کرنے میں غلطی کی جس کی وجہ سے شرح تبادلہ ۱۸ پنس ہوگئی تو آئندہ شرح تبادلہ قایم رکھنے کے سوال کے زیر نظر بھی ہم کو موجودہ شرح تبادلہ کے حالات ہی پر غور کرنا ہے جبکہ موجودہ شرح کے مطابق اندرون ملک میں نیز بیرونی ممالک کے ساتھ قیمتیں قایم ہوچکی ہیں تو اس بحث سے کہ یہ شرح کس طرح پیدا ہوگئی کچھ بھی فائدہ نہیں رہتا۔ بلکہ دیکھنے کی بات تو صرف یہ ہے کہ اس تبدیلی سے اقتصادیات میں کیسی گڑبڑ ہوگی"

اسی قسم کے دیگر اعتراضات کا جواب دینے کے بعد ممبران کمیشن نے ۱۶ پنس کی شرح قایم کر دینے سے جن نقصانات کا اندیشہ تھا انھیں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس شرح کے قایم کر دینے سے چیزوں کی قیمتوں میں ۱۲½ فیصدی کا اضافہ ہوجائے گا۔ مزدوروں کی مزدوری اگرچہ بظاہر اُتنی ہی رہے گی لیکن اُس کی قیمت گر جائے گی اور مزدور طبقہ پر ایسے مصائب نازل کرنا کسی طرح ہم قرین انصاف نہیں سمجھتے" علاوہ ازیں کمیشن نے اس کا بھی ذکر کیا کہ اس شرح کے قایم کرنے سے گورنمنٹ ہند کو انگلستان کے مطالبات کی ادائگی میں زیادہ رقم دینی پڑے گی جس کی وجہ سے نئے ٹیکس لگانے پڑیں گے اور گورنمنٹ کے بجٹ میں خلفشار پیدا ہوجائے گا۔

خلاصہ سفارشات کمیشن | المختصر کمیشن کی اصلی تجاویز یہ تھیں :-

(۱) بجائے معیار سکہ طلا کے معیار طلا قایم کرنا

(۲) روپیہ کی شرح بہ اعتبار سونے کے ایسی مقرر کی جائے جس سے روپیہ ۱۸ پنس کی برابر ہوجائے۔

(۳) ایک نیا مرکزی بنک ریزرو بنک کے نام سے بنایا جائے جس کے سپرد نوٹوں کا اجرا۔ تبادلہ اور سونے کی خرید

وفروخت کا کام کر دیا جائے۔

ان تجاویز کو عمل میں لانے کے متعلق کمیشن نے جو سفارشیں کیں اُن کا خلاصہ حسب ذیل ہے (جس میں کاروبار کے متعلق زیادہ تفصیلی سفارشات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے)

(۱) ہندوستان میں سونے کا سکہ نہ چلایا جائے بلکہ بدستور کرنسی نوٹ اور روپیہ ہی سکہ رائج الوقت لیگل ٹنڈر ہوں۔

(۲) ساورن اور نصف ساورن کو لیگل ٹنڈر سکہ رائج الوقت نہ رکھا جائے۔

(۳) ایک روپیہ کا نوٹ پھر جاری کر دیا جائے۔

(۴) کرنسی نوٹ کے تبادلہ میں گورنمنٹ کے لیے روپیہ ہی دینا لازمی نہ رکھا جائے اگرچہ ایسے تبادلہ میں سہولتیں بہم پہونچائی جائیں۔

(۵) بڑے نوٹوں کے تبادلہ میں چھوٹے نوٹ یا روپیہ دینا گورنمنٹ کے لیے لازمی قرار دیا جائے مگر یہ بات افسر خزانہ کی مرضی پر چھوڑ دی جائے کہ چھوٹے نوٹ دے یا روپیہ۔

(۶) سکہ رائج الوقت یعنی روپیہ اور کرنسی نوٹ کو سونے کا ایک جزو قرار دے دیا جائے اور فوراً ایسی شرح قایم کی جائے کہ ایک روپیہ ۱۸ پنس کی برابر ہو جائے۔

(۷) روپیہ کی شرح قایم رکھنے کی غرض سے اس کے مقرر کردہ شرح کے مطابق جو نرخ سونے کا بیٹھے اُس نرخ پر بلا تعین وزن اور بلا تعین وجہ (جس غرض کے لیے بھی کوئی شخص سونا خریدے یا فروخت کرے) گورنمنٹ سونے کی خرید و فروخت کا انتظام کرے۔ البتہ ۴۰۰ فائن اونس سے کم مقدار کا سودا نہ کرے اور معمولی زمانہ میں ایسی شرائط بھی لگا دے کہ ایسے لوگوں کے ہاتھ سونا نہ فروخت کیا جا سکے جن کا مقصد سونے کے سکہ کے طور پر چلانے کے علاوہ کچھ اور ہو۔

(۸) گورنمنٹ پانچ سال اور تین سال کے میعادی سودی سیونگ سارٹیفکٹ جاری کرے جو معینہ مدت کے بعد سارٹیفکٹ کے مالک کی مرضی پر خواہ سکہ رائج الوقت کی یا سونے کی صورت میں قابل ادا ہوں لیکن معینہ مدت سے پہلے صرف سکہ رائج الوقت ہی میں قابل ادائیگی ہوں گے تاکہ لوگوں کو روپیہ کے کاروبار میں لگانے کی عادت ہو۔

(۹) سکہ مسکوک کرنے کا کام تو گورنمنٹ اپنے پاس رکھے لیکن باقیماندہ سکہ اور تبادلہ کا کام ایک مرکزی بنک کے سپرد کر دے اُس بنک کا نام ریزرو بنک رکھا جائے تاکہ یہ تمام کام ایک مقررہ اصول کے ماتحت ہو جائے کیونکہ اس وقت تک اس کام کے گورنمنٹ ہند اور وزیر ہند دونوں کے مخصوص

ماتحت ہونے کی وجہ سے ایک پالیسی کے موافق کام نہ ہوتا تھا اور دقّت و تکلیف رہتی تھی اس بنک کے قایم ہوجانے کے بعد علاوہ دیگر کاموں کے حسب ذیل کام اوراس کے سپرد کردیئے جائیں۔

(الف) نوٹوں کا جاری کرنا۔

(ب) تبادلہ کا انتظام کرنا۔

(ج) شرائط مذکورہ بالا کے ماتحت سونے کی خرید و فروخت کرنا۔

(د) دیگر بنکوں سے تعلقات رکھنا اوراُن کی امداد کرنا (لیکن اس غرض کے لیئے ان بنکوں کو اپنے سرمایہ کی مناسبت سے ایک رقم رزرو بنک میں جمع کرنا ضروری تھی)

(۱۰) رزرو بنک قایم ہوجانے کے بعد نوٹوں کے خزانہ اور معیار طلا کے خزانہ کو یکجا کردینا چاہیئے۔ لیکن قانوناً یہ متعین کردینا چاہیئے کہ اُس میں کیا کیا دھات۔ سکہ یا نوٹ کس کس مقدار میں یا تعداد میں رہینگی

(۱۱) اس بنک کا جو منافع ہوگا اُس میں سے ایک جزو تو حصہ داروں کو دیا جائے اور کچھ خزانہ محفوظ میں جمع ہو باقی گورنمنٹ کو دیا جائے۔

(۱۲) خزانہ میں سونا بڑھانا چاہیئے اور جلد از جلد یعنی زیادہ سے زیادہ دس برس کے اندر بیس فیصدی کردینا چاہیئے اوراس زمانہ میں کوئی ایسا موقع جس سے سونے کی مقدار خزانہ میں بڑھائی جاسکے ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے نیز جس قدر سونا خزانہ میں ہو اُس میں سے کم از کم بقدر نصف کے ہندوستان میں رکھا جائے۔

(۱۳) ان دس برسوں کے اندر خزانہ میں چاندی کم کردینی چاہیئے۔

سر پرشوتم داس ٹھاکرداس کی اختلافی رپورٹ

سر پرشوتم داس ٹھاکرداس نے ممبران کمیشن کی اکثریت کی رپورٹ سے اختلاف کرتے ہوئے اپنا نوٹ علحدہ دیا تھا جس میں اُنھوں نے ایک تو روپیہ کی شرح تبادلہ ۱۶ پنس سے ۱۸ پنس مقرر کرنے کے خلاف لکھا تھا دوسرے وہ جداگانہ ریزرو بنک قایم کرنے کے خلاف تھے وہ چاہتے تھے کہ امپیریل بنک کو ترقی دیکر ریزرو بنک بنا دیا جائے۔

تیسرے وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان میں واقعی معیار سونا قایم کرکے سونے کی ٹکسال کھول دی جائے۔ اُنھوں نے اپنے اختلافی نوٹ میں پہلے تو مختصراً ۱۸۹۳ء سے ہندوستان کے سکہ کی تاریخ کا ذکر کیا ہے پھر گورنمنٹ کی خط و کتابت اور سرکاری کاغذات سے ثابت کیا ہے کہ گورنمنٹ نے فاؤلر کمیشن کی رپورٹ سے معیار طلا کی سفارش کو پورے طور پر تسلیم کرلیا تھا لیکن اُس پر عملدرآمد نہیں کیا اور موجودہ کمیشن نے اب بالکل نئی تجاویز پیش کردی ہیں

اُنھوں نے سونے کے سکہ معیار طلا کے خزانہ اور روپے کی ضرب وغیرہ کے سلسلہ میں علٰحدہ علٰحدہ اعتراضات کیئے تھے جن میں سے اکثر تاریخ سکہ کے سلسلہ میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں البتہ بعض خط وکتابت کے حوالہ اور دیگر امور اب مختصر طور پر تحریر کر رہے ہیں۔

سونے کا سکہ اور ٹکسال کی تاریخ | فاولر کمیشن نے تجویز کیا تھا کہ ہندوستان میں سونے کی ٹکسال کھولدینی چاہیئے اور سونے کا سکہ چلانا چاہیئے چنانچہ ۱۳ر جولائی ۱۸۹۹ء کو وائسرائے نے وزیر ہند کو تار دیا کہ گورنمنٹ ہند سونے کا سکہ ضرب کرنے کی تیاری کر رہی ہے۔ اس کے بعد گورنمنٹ کے خط نمبری ۱۱۰ مورخہ ۱۶ر مئی سنہ ۱۹۱۲ء سے ٹکسال کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ اس خط کے پیرے ۵ میں تحریر ہے کہ

گورنمنٹ ہند نے (سنہ ۱۹۰۰ء) میں شاہی ٹکسال کی ایک شاخ بمبئی میں کھولنے کی تجویز پیش کی اور اس کے متعلق ایک اعلان لکھ کر بغرض منظوری خزانہ کے کمشنروں کے پاس بھیجا لیکن اسی عرصہ میں (ہندوستان کی) شاخ کے انتظامات (کی سپردگی) کے بارہ میں اختلافات رونما ہوگئے جن کے (رفع کرنے کے) بارہ میں وزیر ہند، کمشنران خزانہ انگلستان اور گورنمنٹ ہند کی آپس میں خط کتابت ہوئی۔ گورنمنٹ ہند کا برابر اطمینان دلاتی رہی) کہ وہ شاہی ٹکسال (انگلستان) کی ضروریات کو (ہمیشہ) پورا کرتی رہے گی لیکن خزانہ کے کمشنروں کو اطمینان نہیں ہوا اور اُنھوں نے اپنے خطوط .... میں وزیر ہند کو توجہ دلائی کہ وہ اپنے فیصلہ (نسبت شاخ ہند) پر نظر ثانی کریں (اُنھوں نے لکھا کہ) اگرچہ جس وقت یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں ساورن ضرب کرنے کی (ٹکسال قایم کی جائے گی) نہایت مستحسن تھا کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ گورنمنٹ معیار طلا کو قایم رکھنے اور عملاً جاری کر دینے پر آمادہ ہے۔ مگر اب تجربہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں معیار طلا قایم ہو چکا ہے اور پبلک کو اس پر اعتماد ہو گیا ہے نیز جب کبھی ضرورت ہوتی ہے ساورن آسانی سے ہندوستان پہونچ جاتے ہیں اور (آج ہندوستان میں) صرف ایسی مشین لگا دینے سے جس سے سونے کا سکہ ضرب کیا جانے لگے معیار طلا کی حالت کچھ اور زیادہ مضبوط ہو جانے کی توقع نہیں ہے نہ پبلک کو جو اعتماد گورنمنٹ کے ارادہ کے متعلق ہے اس میں کچھ اضافہ ہونے کی اُمید ہے (ان خیالات کے اظہار کے بعد کمشنروں نے انگلستان کی شاہی ٹکسال کی شاخ ہندوستان میں قایم کرنے کی دقتیں بتلائیں اور لکھا کہ (شاخ قایم کرنے میں) گڑبڑ کا اندیشہ ہے نیز تکالیف اور باہمی اختلاف کا احتمال ہے" بالآخر گورنمنٹ ہند نے بھی ان کے حکم کو مان لیا۔ اور لارڈ کرزن نے لکھدیا کہ وہ اب اس شاخ کے قایم کرنے پر اس وجہ سے بھی مصر نہیں ہیں کہ ہندوستانی سونے کی کانوں نے کئی برس کے لیئے اپنے تمام مال کو بیرونی ممالک کے ہاتھ فروخت کرنے کے معاہدے کر لیئے ہیں اور یہ توقع نہیں ہے کہ ہندوستان میں ٹکسال کے لیئے سونا مل سکے گا۔ ایسی حالت میں ٹکسال کا چلنا مشکل اور ٹکسال کی شاخ قایم کرنا بیکار ہے۔ اس طرح پر لارڈ کرزن نے

اس تجویز کو عارضی طور پر ترک کر دیا لیکن اس تصفیہ کی بابت کو کوئی اطلاع نہیں کی گئی اور سنہ ۱۹۰۲ء میں ٹکسال کا معاملہ ختم ہو گیا۔

سنہ ۱۹۰۹ء میں گورنمنٹ کی خط و کتابت | پھر گورنمنٹ ہند نے اپنے مراسلہ نمبری ۳۲۶ مورخہ ۳۰ ستمبر سنہ ۱۹۰۹ء میں وزیر ہند کو لکھا کہ "۹ لاکھ پونڈ کا سونا نوٹوں کے خزانہ میں رکھنے کی گورنمنٹ ہند کو اجازت دیدی جائے تاکہ ہندوستان میں سونے کا سکہ چلایا جا سکے کیونکہ روز بروز ساورن ہر دلعزیز ہو رہا ہے حتیٰ کہ بڑے تجارتی شہروں میں بھی اشرفی بادھے کے ساتھ چل رہی ہے اور معمولی کاموں کے لیئے تو اس کا ملنا ہی محال ہے۔" اور اسی وجہ سے گورنمنٹ ہند نے استدعا کی کہ وہ آئندہ وزیر ہند اپنے مطالبات سے زیادہ گورنمنٹ ہند کے نام ہنڈیاں نہ کیا کریں تاکہ تجارتی بھگتان سے ہندوستان میں سونا آنے لگے۔"

لیکن وزیر ہند نے اس استدعا کو اپنی چٹھی نمبری ۲۵ مورخہ ۱۸ فروری سنہ ۱۹۱۰ء میں نامنظور کر دیا اور چٹھی کے پیرے ۲ میں لکھا کہ "ایسا کرنے سے (اندیشہ ہے) کہ لندن کی سونے کے بازار میں ہر سال وقتاً فوقتاً (سکہ کی کمی کی وجہ سے) دقت ہونے لگے گی۔" اور اس کے ساتھ ہی اس خط و کتابت کے شایع کرنے کی گورنمنٹ ہند کو ممانعت کر دی۔

گورنمنٹ ہند نے اپنی چٹھی نمبر ۱۱ مورخہ ۱۶ مئی سنہ ۱۹۱۲ء میں پھر ٹکسال کھولنے کی اجازت چاہی۔ اس چٹھی میں سنہ ۱۸۹۹ء سے سنہ ۱۹۱۲ء تک کی سونے کی ٹکسال کی تاریخ دی ہے اور جو دلائل ہندوستان میں سونے کا سکہ چلانے کے خلاف دی جاتی تھیں اُن کی تردید کی ہے۔ اس خط کے پہونچنے پر وزیر ہند نے کمشنران خزانہ کو لکھا اور انھوں نے جواب دیا کہ "وہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنا دینے پر رضامند ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ کسی ایسی تجویز سے متفق نہیں ہو سکتے جو ٹکسال کے اختیارات کی تقسیم کا باعث ہو۔" وزیر ہند نے کمشنران خزانہ کی تجاویز کو گورنمنٹ کے پاس بھیجدیا اور یہ بھی لکھدیا کہ اگر گورنمنٹ ہند کو یہ (کمشنران خزانہ کی شرائط) منظور نہ ہوں تو ہندوستان میں دس روپیہ کا سونے کا سکہ علحدہ ضرب کرنے لگیں جس میں نہ زیادہ خرچ ہوگا اور نہ وزارت انگلستان کی جانب سے مداخلت ہوگی۔[1]

چنانچہ گورنمنٹ ہند نے ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۱۳ء کو وزیر ہند کو تار دیا کہ وہ دس روپیہ کا سونے کا سکہ بنانے کو تیار ہیں جس پر ۲۴ جنوری کو وزیر ہند نے تحریر کیا کہ اس کے متعلق پبلک کی رائے دریافت کر لینا ضروری ہے۔ یہاں یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ وزیر ہند پبلک رائے دینے کا مشورہ ایسی حالت میں دے رہے ہیں کہ

---

[1] جب بھی کوئی جھگڑا ہوتا تھا ساورن کی ضرب کرنے کی بابت ہوتا تھا جو کہ انگلستان کا سکہ ہے اور وہیں کی گورنمنٹ اس کو مسکوک کر سکتی ہے۔ اس کے سوا سونے کے کسی اور سکہ کے ہندوستان میں ضرب کرنے سے کوئی حرج اور جھگڑا نہ تھا۔

گورنمنٹ ہند پہلے ہی اپنی چٹھی مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۱۲ء میں وزیر ہند کو لکھ چکی تھی کہ پچھلے سال سر وٹھلداس نے امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں تجویز پیش کی تھی کہ آج سے دس سال پہلے جو ٹکسال کی اسکیم مکمل ہو چکی ہے اس کو زندہ کرنا چاہیے"

اس تجویز کے پیش ہوتے ہی ملک بھر میں اس موضوع پر بحث مباحثہ شروع ہو گیا۔ اور پریس نیز تجارتی جماعتیں اس سے متفق تھیں۔ ان تمام حالات کے جاننے کے بعد بھی وزیر ہند کا ایسا مشورہ دینا محض بیکار اور وقت کا ٹالنا تھا چنانچہ وزیر ہند نے ۱۴ فروری ۱۹۱۳ء کو دوسری تحریر گورنمنٹ ہند کو بھیجی کہ سکہ کی تحقیقات کے لیے جو شاہی کمیشن مقرر کیا جانے والا ہے وہ منجملہ دیگر امور کے ٹکسال کے معاملہ پر بھی غور کرے گا اس تحریر کے آنے کے بعد مجبوراً گورنمنٹ ہند نے ۱۰ اپریل ۱۹۱۳ء کو اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا اور ٹکسال کا معاملہ پھر معرض التوا میں پڑ گیا۔ کمیشن مقرر ہوا اور بدقسمتی سے اس کمیشن کی رپورٹ نکلنے کے چھ مہینے کے اندر ہی جنگ عظیم شروع ہو گئی تاہم لڑائی کے دوران میں تھوڑے دنوں کے لیے بمبئی کی ٹکسال کو شاہی ٹکسال کی شاخ بنا دیا گیا لیکن انتظامات میں کچھ دقتیں واقع ہونے کی وجہ سے اس شاخ کو بند کر کے بمبئی کی ٹکسال میں سونے کی اشرفی مسکوک کی جانے لگی جو سونے اور وزن کے اعتبار سے ساورن کے برابر ہوتی تھی لیکن لڑائی ختم ہو جانے کے بعد ملازموں کے نہ ملنے کی دقت کی وجہ سے سونے کی یہ ٹکسال بند کر دی گئی۔ حالانکہ بیبنگٹن اسمتھ کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ اس ٹکسال کو کھول دینا چاہیے اور پبلک کو بھی ساورن اور نصف ساورن اس میں ضرب کرانے کی اجازت ہونا چاہیے لیکن اس پر بھی عملدرآمد نہیں ہوا۔

۱۹۲۲ء کا بحث مباحثہ | عرصہ تک خاموشی رہنے کے بعد ۱۹۲۲ء میں پھر اس معاملہ پر گفتگو ہونے لگی جبکہ سکہ اور شرح تبادلہ کے متعلق اسمبلی میں سر وٹھلداس دی ٹھاکرسے نے ایک ریزولیوشن پیش کیا تھا جس کا گورنمنٹ کی جانب سے جواب دیتے ہوئے ۲۴ جنوری ۱۹۲۲ء کو ممبر مال سر مالکم ہیلی (حال ہز اکسی لنسی گورنر یوپی) نے فرمایا

"جناب والا۔ اب میں ریزولیوشن کے دوسرے حصہ کی نسبت عرض کرنا چاہتا ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ مجوزہ کمیٹی اس پر بھی غور کرے کہ آیا ہندوستان میں سونے کا سکہ ضرب کرنے کے واسطے ٹکسالوں کو پبلک کیلیے کھول دینا چاہیے یا نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے لایق دوست نے جو ان معاملات کے بہت بڑے ماہر ہیں یہ ریزولیوشن اس غرض سے پیش نہیں کیا کہ وہ اس معاملہ میں کمیٹی کی مزید تحقیقات کو ضروری سمجھتے ہیں بلکہ اس کے پیش کرنے سے ان کا صرف یہ مقصد ہے کہ وہ اپنے بعض دوستوں کو اس معاملہ میں اطمینان دلا سکیں۔

جناب والا۔ بیبنگٹن کمیٹی کی سفارشات کا یہ ایک اہم جزو تھا کہ ہندوستانی ٹکسالیں سونے کا سکہ پبلک کے واسطے مسکوک کر دینے کو کھول دینی چاہئیں حقیقت میں کمیٹی مذکور کا منشا دو کی شرح سونے کے اعتبار پر

قایم کرنے سے یہی تھا کہ ہندوستان میں عام طور پر سونے کا سکّہ رائج کر دیا جائے اگرچہ پنجاب کے لیے ٹکسال کھولدینا اس مقصد کے حصول کی شرط لازم نہیں ہو لیکن ٹکسال کے کھول دینے سے اس میں بہت بڑی مدد ملے گی۔

جناب والا ہم اس بات کے لیے تیار ہیں کہ جس وقت بھی سونے کے سکہ کی ضرورت معلوم ہو تو سکہ ٹکسال میں ضرب کرنے لگیں۔

سر وٹھلداس ٹھیکرسے نے کہا ممکن ہو کہ شاہی ٹکسال بعض قانونی وجوہات کی بنا پر ہم کو سونے کی ٹکسال کھولنے کی اجازت نہ دے لیکن ان کو اس بات کا اندیشہ نہ ہونا چاہیئے۔ میں آپ کو یہ ضمانت دینے کے لیے تیار ہوں کہ جس وقت بھی ضرورت ہوگی ہماری ٹکسال اس کام کے لیے تیار ہوگی"

لیکن باوجود ان تمام اقراروں وعدوں اور ضمانتوں کے موجودہ کرنسی کمیشن کی تجویز یہ ہو کہ ہندوستان میں سونے کا سکہ نہ تو چلایا جاوے گا اور نہ ساورن کی لیگل ٹنڈر کی حیثیت قایم رہے گی۔

خزانہ معیار طلا کے متعلق خلاف ورزی | سر پرشوتم داس ٹھاکر داس خزانہ معیار طلا کی پالیسی کے خلاف جو کام کیے گئے ہیں اُن کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ خزانہ روپیہ کی ضرب سے جو منافعہ ہوتا تھا اُس سے بنایا گیا تھا اور فاولر کمیشن کی تجویز بھی اس خزانہ کے متعلق یہ تھی کہ جُدا رکھا جائے لیکن ستمبر ۱۹۰۰ء میں جب اس خزانہ کو علیٰحدہ کیا گیا تو اس وقت یہ معلوم ہوا کہ پچھلے سال کا منافعہ جس کی مقدار دس لاکھ پونڈ تھی قحط کے کام میں لگا ہوا ہو۔ گویا کہ شروع میں ہی بنیادی اصول کی خلاف ورزی ہوگئی۔ لارڈ کرزن نے جو اُس زمانہ میں وایسرائے تھے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ "میں فطرتاً ہر اس کارروائی کو جس سے کہ ہماری سکہ کی پالیسی کو ابتدائی حالت میں کسی نقصان کا اندیشہ ہو شک کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ مالیات کے معاملہ میں بہت سے کام جو گورنمنٹ کرتی ہو عوام اُن کو غلط سمجھتے ہیں اور بعض لوگ جان بوجھ کر اُن کا مطلب غلط بیان کرتے ہیں۔ ہم پر ہمیشہ یہ الزام لگایا جاتا ہو کہ ہم کو اپنی پالیسی پر کبھی اعتماد نہیں ہوتا اور نہ ہم نے کبھی پورے طور پر عملدرآمد ہوتا ہو۔ میرے خیال میں ہم جب کبھی کوئی ایسی کارروائی کریں جس سے اس قسم کے اعتراض عائد ہونے کا اندیشہ ہو تو ہم کو بہت احتیاط کرنی چاہیئے"

باوجود ہر قسم کے اعتراضات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد گورنمنٹ ہند اور وزیر ہند میں یہ بحث چھڑ گئی کہ فاولر کمیشن نے معیار طلا کے خزانہ کو سونے میں رکھنے کے لیے جو لکھا ہو اس سے اُن کا کیا مطلب ہو۔ گورنمنٹ ہند تو کہتی تھی کہ سونا بشکل دھات رکھا جائے اور وزیر ہند نے یہ طے کر دیا کہ لفظ "سونا" کے معنی دھات ہی کے نہیں ہیں بلکہ ہر ایسی چیز کے ہیں جس کے عوض میں سونا مل سکتا ہو۔ اس توجیہہ سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ خزانہ معیار طلا کو سود پر چلایا جا سکتا ہو۔

ہندوستان میں لوگوں کا سخت مطالبہ ہو کہ (یہ خزانہ) ہندوستان میں رکھا جائے لیکن ہم اب یہ تجویز پیش کرتے ہیں اور صرف یہ کہتے ہیں کہ اس خزانہ کا حصّہ کثیر سونے کی دھات میں رکھا جائے،، اس طرح پر گورنمنٹ نے صرف اس امر کی استدعا کی کہ اس خزانہ کا ایک جزو کثیر سونے کی شکل میں رکھا جائے لیکن وزیر ہند نے اس درخواست کو اس بنا پر نامنظور کر دیا کہ اس تجویز سے خزانہ سود کے منافعہ سے محروم رہے گا۔ گورنمنٹ ہند نے اپنی چٹھی ۲۳ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۹ء میں اس کا جواب روانہ کیا اور لکھا کہ "دوسرے معاملہ میں آپ نے ہماری تجویز نامنظور کر دی ہو..........

(اور یہ تجویز کیا ہی) کہ خزانہ میں سے صرف ۱۰ لاکھ پونڈ کی رقم سود پر نہ لگائی جائے۔ اور یہ رقم یا تو وقتاً فوقتاً تھوڑے زمانہ کی ضمانتوں پر یا بڑے بڑے بنکوں کو سود پر دی جائے ہم آپ کے تصفیہ کو افسوس کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں،، لیکن اسی چٹھی میں گورنمنٹ ہند نے ہندوستان میں نوٹوں کے خزانہ میں سونے کی مقدار بڑھانے کی اجازت چاہی اور درخواست کی کہ وزیر ہند اپنے مطالبہ سے زیادہ کی ہنڈیاں گورنمنٹ ہند کے نام نہ کیا کریں تاکہ ہندوستان میں سونا آسکے۔ تو وزیر ہند نے اس کے جواب میں گورنمنٹ ہند کی اس استدعا کو بھی نامنظور کر دیا اور لکھا "چونکہ تمھارے خزانہ میں سونا پچاس لاکھ پونڈ سے زیادہ ہو اس لیے میرا ارادہ ہو کہ جو طریقہ ۱۹۰۵ء، ۱۹۰۶ء و ۱۹۰۷ء میں بذریعہ جہاز سونا انگلستان منگانے کا تھا جاری کر دیا جائے،، وہ طریقہ جیسا کہ خزانہ معیار طلا میں لکھا گیا ہو یہ تھا کہ جو سونا مصر، اسٹریلیا وغیرہ سے ہندوستان جانے والا ہوتا تھا اُس کو وزیر ہند اچھے نرخ پر خرید کر لیتے اور ہنڈی ہندوستان کے نام دیدیتے اس طرح سونا انگلستان چلا جاتا اور ہنڈی ہندوستان میں سکار دی جاتی" (سوال ۹۴۰ - ۱۹۱۰ء چیمبرلین کمیشن)

مسٹر پرشوتم داس ان تمام باتوں کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ "فاولر کمیٹی کی سفارش خزانہ طلا کے بارہ میں جو عملدرآمد گورنمنٹ کے عمال نے کیا اُس کو یہ تاریخ اچھی طرح بتا رہی ہو،،

سونے کی درآمد و برآمد پر شرائط اس کے بعد مسٹر پرشوتم داس لکھتے ہیں کہ فاولر کمیٹی نے کرنسی پالیسی کے لیے یہ شرط قرار دی تھی کہ سونے کی درآمد برآمد پر کوئی قیود نہ ہونی چاہئیں لیکن گورنمنٹ اکثر حسب ضرورت اس پر قیود عائد کرتی رہتی ہو۔ چنانچہ ہم بھی اس کے متعلق پہلے بیان کر چکے ہیں۔

۱۹۱۳ء کی کیفیت اس کے بعد مسٹر پرشوتم داس لکھتے ہیں کہ جب ۱۹۱۳ء میں چیمبرلین کمیشن مقرر ہوا تو صورت حال یہ تھی کہ باوجودیکہ گورنمنٹ قانوناً ہندوستان میں معیار طلا قایم رکھنے کی پابند تھی نیز فاولر کمیٹی کی رپورٹ منظور کرنے کی وجہ سے سونے کا سکہ چلانے کی پابند تھی، مگر بوجہ وزیر ہند کے احکام کے ان معاملات کی خلاف ورزی کرتی رہی اور وزیر ہند کے احکام کے خلاف احتجاج بھی کرتی رہی جس کی وجہ سے بار بار رازداری کی تاکید

کی جاتی تھی چنانچہ تین مرتبہ کی رازداری کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

(۱) سنہ ۱۹۰۰ء میں جس وقت خزانہ معیار طلا کو سود پر لگائے جانے کا تصفیہ کیا گیا ہے۔

(۲) سنہ ۱۹۰۲ء میں جب ہندوستان میں سونے کی ٹکسال نہ کھولنے کی بابت طے کیا گیا ہے۔

(۳) سنہ ۱۹۰۸-۰۹ء میں خزانہ معیار طلا کی بابت جو خط و کتابت ہوئی تھی۔

اس کے بعد چیمبرلین کمیشن کا تقرر ہوا جس نے فروری سنہ ۱۹۱۴ء میں اپنی رپورٹ پیش کی لیکن رپورٹ ہوئے چھ ماہ نہ گزرے تھے کہ لڑائی شروع ہو گئی جس کے خاتمہ پر ۳۰ مئی سنہ ۱۹۱۹ء کو بےبنگٹن اسمتھ کمیٹی کا تقرر ہوا اور اُن کو تحقیقات کے لیئے جو معاملات سپرد کیئے گئے اُن میں ایک اور جدت کی گئی کہ ہندوستان کے معیار کو معیار طلا سے بالفاظ معیار تبادلہ طلا منسوب کیا گیا جس کے معنی یہ تھے کہ گورنمنٹ نے اپنا پہلا نصب العین طلا کسی باقاعدہ اعلان کے تبدیل کر دیا تھا۔

موجودہ حالت | سر پرشوتم داس لکھتے ہیں "میرے خیال میں آجکل کی حالت یہ ہے کہ گورنمنٹ اور ہندوستان کے لوگ فاولر کمیٹی کی سفارشات کے پابند ہیں جن کو وزیر ہند اور گورنمنٹ ہند منظور کر چکیں تھیں"۔ (لیکن نہ ان پر عملدر آمد ہوتا ہے نہ ہونے کی صورت ہے)

ان تمام تاریخی واقعات کے آخر میں سر پرشوتم داس پیرے ۳۶ میں اس تمہید کے بیان کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں "میں نے ہندوستان کے سکہ کی تاریخ سنہ ۱۸۹۹ء سے سنہ ۱۹۱۹ء تک تفصیل کے ساتھ اس لیئے دی ہے.... کہ اس زمانہ میں جو خط و کتابت وزیر ہند اور گورنمنٹ ہند کے درمیان ہوئی ہے اُس سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۹۹ء سے جو تبدیلیاں سکہ کی پالیسی میں کی گئی ہیں اُن کی خواہشمند نہ تو گورنمنٹ ہند تھی اور جیسا کہ خود گورنمنٹ کہہ چکی ہے نہ یہاں کے لوگوں کو ضرورت تھی۔ . . . . اس لیئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ان واقعات کو جیسے کہ وہ سرکاری خط و کتابت سے ثابت ہوتے ہیں ظاہر کر دوں۔ میرا یقین ہے کہ ہندوستان کے سکہ کی پالیسی کی تاریخ پیش کرنا موجودہ کمیشن کی رپورٹ اور اس سے میرے اختلاف کی وجوہ کے سمجھنے کے لیئے ضروری ہے"

اس کے بعد سر پرشوتم داس ہندوستان کے لیئے معیار طلا کی سفارش اور کمیشن کی تجویز کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"سونے کے سکہ سا ورن کو کمیشن نے جو لیگل ٹنڈر ہونے سے خارج کر دیا ہے اس کی مثال کسی ملک میں نہ ملے گی"

نیز کمیشن نے جس نوعیت سے مرکزی بنک قایم کرنا تجویز کیا تھا اُس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس کام کے لیئے جدا بنک کی ضرورت نہیں بلکہ امپیریل بنک ہی اس کام کو انجام دے سکتا ہے ورنہ امپیریل بنک کو نقصان پہونچے گا"

ان معاملات پر اظہار خیال کرنے کے بعد مسٹر پرشوتم داس نے روپیہ کی شرح تبادلہ کے متعلق بحث کی ہے۔ اور لکھتے ہیں۔

واقعی شرح تبادلہ ۱۸۹۸ء میں ہرشل کمیٹی نے ۱۶ پنس کی شرح قایم کی تھی جس کو ۱۸۹۹ء میں فاولر کمیٹی نے بھی تسلیم کیا اور یہی شرح ۳۰ اگست ۱۹۱۷ء تک قایم رہی۔ لیکن اس زمانہ میں غیر معمولی طور پر چاندی کی قیمت بہت زیادہ گراں ہوجانے کی وجہ سے گورنمنٹ نے روپیہ کی شرح بڑھادی اور وزیری ہنڈیاں زیادہ قیمت پر فروخت کرنا شروع کردیں ۲۲ دسمبر ۱۹۱۹ء کو بےبنگٹن اسمتھ کمیٹی نے ۲۴ پنس کی ایک نئی شرح تبادلہ تجویز کی اور گورنمنٹ نے ستمبر ۱۹۲۰ء میں باوجود امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے احتجاج کے اس کے متعلق قانون بھی پاس کردیا حالانکہ اس وقت واقعی شرح تبادلہ ۱۶ ۵/۱۶ پنس (سونے) کی تھی اور سونے کے اعتبار سے چیزوں کی قیمتیں رفتہ رفتہ کم ہو رہی تھیں۔ اس وقت قانوناً جو نرخ منظور کیا گیا وہ نہ تو واقعی نرخ تھا اور نہ دنیا کے حالات کے اعتبار سے درست تھا اس غیر فطرتی شرح تبادلہ کو قایم رکھنے کے لیے۔

(۱) اُلٹی وزیری ہنڈیاں ۵ کرور ۵۰ لاکھ پونڈ کی فروخت کی گئیں۔

(۲) بقدر ۳۵ کروڑ کے ہندوستان میں سکہ کی کمی کی گئی۔

اور گورنمنٹ نے ان سب تجربوں کے بعد اپنی ناکامی کو مجبوراً تسلیم کرلیا اور سعی لاحاصل کی جگہ روپیہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا چنانچہ اگست ۱۹۲۱ء اور ستمبر ۱۹۲۱ء کے دوران میں روپیہ کی قیمت ۱۱ ۹/۳۲ سے ۱۵ ۳/۸ پنس سے بڑی ستمبر ۱۹۲۳ء میں ۱۶ پنس کے قریب ہوگئی اس وقت (جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے) اسمبلی میں تحریک کی گئی کہ ۲۴ پنس کا کتابی نرخ منسوخ کرکے ۱۶ پنس مقرر کردیا جائے اور اس کو قایم رکھا جائے لیکن گورنمنٹ نے اس تجویز کو نامنظور کردیا کیونکہ گورنمنٹ چاہتی تھی (جیسا کہ اس کی خط و کتابت سے ظاہر ہوتا ہے) کہ ایسی شرح تبادلہ قایم کی جائے جو ۱۶ پنس سے زیادہ ہو اور اسی خیال سے ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۵ء تک روپے کی بازار میں کمی کرکے شرح بڑھا کر ۱۸ پنس کی گئی۔ معمولاً بیس کروڑ روپیہ سالانہ نیا سکہ جاری کیا جاتا تھا لیکن ان چار سالوں میں صرف ۳۴ ۱/۲ کرور روپیہ نیا جاری کیا گیا جس کی وجہ سے روپیہ کی تنگی رہی۔ اور ۱۹۲۴ء میں بنک کی شرح سود ۸ روپیہ فی صدی تک ہوگئی۔ روپے کی قلت کی وجہ سے بازاروں میں ہیجان و اضطراب پیدا ہوگیا اور گورنمنٹ نے خود تسلیم کیا۔ یہ ہیجان اُن کی غیر روادارانہ کارروائی کا نتیجہ ہو لیکن اس ہیجان سے بالآخر شرح تبادلہ ۱۸ پنس کردی گئی۔ ابتدا میں وزیر ہند شرح تبادلہ اس سے بھی زیادہ بڑھانا چاہتے تھے لیکن گورنمنٹ ہند اس کے مخالف تھی لہذا یہی شرح رکھی گئی جس کی غرض سے [illegible] ہوسکے۔ [illegible] کی گئی تھی۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء میں جب شرح تبادلہ [illegible] کے [illegible] معلوم ہوئے تو اپریل ۱۹۲۶ء [illegible] روپے کی مزید کمی کرکے اس شرح کو قایم رکھا گیا۔ اس

تمام دوران میں قانوناً ۲ شلنگ ۲ پنس کی کتابی شرح تبادلہ قایم رکھی گئی جس کی وجہ سے کوئی شخص گورنمنٹ کو سونا دیکر سکہ نہ خرید سکتا تھا (اور مجبور تھا کہ وزیر ہند سے اُن کی قایم کردہ شرح پر خریدے اور ہنڈی کی قیمت بڑھتی ہے) علاوہ بریں اگرچہ ۱۹۲۳ء میں مجلس مقننہ کو یقین دلایا گیا تھا کہ روپیہ کی شرح قایم کرنے کی غرض سے بغیر ممبران مجلس کی اجازت کے اُلٹی وزیری ہنڈیاں فروخت نہ کی جائیں گی لیکن جب کبھی روپیہ کی شرح تبادلہ کم ہوتی ہوئی معلوم دی تو ہنڈیوں کے بیچنے کی بھی تیاری کر لی گئی غرضکہ سر پرشوتم داس نے ۱۸ پنس کی شرح قایم کر دینے کے لیئے گورنمنٹ کی اُن تمام تدابیر کا ذکر کیا جو ہم ۱۹۲۱-۲۲ء تک کے سلسلہ میں بیان کر چکے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح تو گورنمنٹ نے زبردستی ۱۸ پنس کی شرح قایم کی اور اب کہا جاتا ہے کہ چونکہ یہ واقعی موجودہ شرح تبادلہ ہے اس لیئے اسکو قایم رکھا جائے۔

اشیا کی قیمتوں کا قایم ہونا اشیا کی قیمتوں اور مزدوریوں کے شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہو جانے پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے سر پرشوتم داس نے لکھا کہ "اشیا کی قیمتوں اور مزدوریوں کی بابت جو اصل دلیل پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ چیزیں بھی شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہو چکی ہیں لیکن اس کے متعلق کمیشن کے سامنے ماہران فن تک نے کوئی شہادت نہیں دی نہ کسی اور نے یہ بتلایا کہ اشیا کی قیمتیں قایم ہونے میں کتنی مدت صرف ہوتی ہے جس کا اندازہ بہت مشکل ہے اس کی ایک مثال انگلستان کی دی جا سکتی ہے جہاں اپریل ۱۹۲۵ء میں جب معیار طلا قایم ہوا تھا تو مسٹر کینز نے ایک رسالہ میں لکھا تھا کہ برطانیہ میں دس فیصدی شرح تبادلہ کی تبدیلی کے مطابق اشیا کی قیمتیں قایم ہونے کے لیئے دو سال کی مدت درکار ہے۔ اگر برطانیہ جیسے ملک کے لیئے جہاں کی اصلی تجارت درآمد اور برآمد ہی کی ہے اور اندرونی تجارت ان کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے اتنی مدت کی ضرورت ہے تو ہندوستان جیسے ملک کے لیئے جہاں کی اندرونی تجارت اس کی درآمد اور برآمد کی تجارت سے کہیں زیادہ ہے اشیا کی قیمتیں قایم ہونے کی مدت بہت ہی زیادہ ہونی چاہیئے۔

اس بات کی جانچ کے لیئے کہ قیمتیں اور مزدوریاں نئی شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہو چکیں جداگانہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اشیا کی قیمتیں یہ تاریخی واقعہ ہے کہ دوران جنگ میں قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اور صلح ہو جانے کے بعد سے گھٹنے لگیں۔ بے بنگٹن اسمتھ کمیٹی کا خیال تھا کہ آخر ۱۹۱۹ء میں قیمتوں کی جو سطح تھی وہ مدت دراز تک قایم رہیگی اور اسی کی بنا پر انھوں نے ۲۴ پنس کی شرح کی سفارش کی تھی لیکن اس کے بعد سے قیمتیں گر گئی ہیں اور اس وقت ماہرین اقتصادیات کی متفقہ رائے یہ ہے کہ انگلستان اور امریکہ میں اشیا کی قیمتیں اگر اور نہ گریں تو زیادہ سے زیادہ موجودہ سطح پر قایم رہینگی اگر کچھ شبہ ہو سکتا ہے تو قیمتیں گرنے کا ہے لیکن ابھی پیشین گوئی کرنے کی کسی شخص کو ہمت نہیں

کہ آئندہ قیمتیں بڑھیں گی اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ کرنے کے لیے حسب ذیل طریقہ پر اُن کی تقسیم کی جا سکتی ہے۔

(الف) اُن اشیاء کی قیمتیں جو ہندوستان سے باہر بھیجی جاتی ہیں۔

(ب) اُن اشیاء کی قیمتیں جو ہندوستان ہی میں پیدا ہوتی یا بنائی جاتی ہیں اور یہیں خرچ ہوتی ہیں۔

(ج) اُن اشیاء کی قیمتیں جو باہر سے ہندوستان میں آتی ہیں۔

(الف) **برآمد کا مال** جو چیزیں ہندوستان سے باہر بھیجی جاتی ہیں وہ دُنیا کی منڈیوں میں جا کر بکتی ہیں جہاں ہر جگہ کا مال بکنے کے لیے آتا ہے اور قیمتیں مقابلہ سے قایم ہوتی ہیں نیز دُنیا کی منڈیوں کی قیمتوں کا اثر اُن اشیاء کی قیمت پر پڑتا ہے اور ایسی چیزوں کی قیمتیں شرح تبادلہ کے مطابق روزمرہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں (مثلاً ہندوستان کا گیہوں بکنے کے لیے انگلستان گیا ہوا ہے تو وہ اُسی نرخ پر بکے گا جو لندن کی منڈی کا بھاؤ ہوا اور اس غلہ کے بھیجنے والے کو ہندوستان میں اس کے وہی دام ملیں گے جو انگلستان کے سکہ کی قیمت شرح تبادلہ کی رو سے ہندوستان میں ہو گی پس روزمرّہ روپیہ کی قیمت شرح تبادلہ کی تبدیلی کے ساتھ گھٹتی بڑھتی رہے گی۔

اور ایسی اشیاء بھی جو صرف ہندوستان ہی میں پیدا ہوتی ہیں مثلاً سن (جوٹ) وغیرہ وہ بھی باہر کی منڈیوں میں ایک انتہائی قیمت سے زیادہ میں نہیں بک سکتیں کیونکہ اُس سے زیادہ اگر قیمت طلب کی جائے گی تو جس کام کے لیے جوٹ خریدی جاتی ہے وہ کام اور چیزوں سے لیا جانے لگے گا۔ اس لیے کاشتکار کو دو ہی چارہ کار ہو سکتے ہیں اول یہ کہ مال کے دام اپنی خواہش سے کم لے دوسرے یہ مال فروخت نہ کرے اور دوسری صورت میں نقصان کا زیادہ اندیشہ ہے کیونکہ مال نہ ملنے کی صورت میں دنیا کی ضرورت اور مقامات کے مال سے پوری کی جانے لگیں تو اس کے مال کا کوئی گاہک ہی نہ رہے گا پس مجبوراً کاشتکار کو پہلی صورت کہ دام کم لے اختیار کرنی پڑے گی۔ بالخصوص ہندوستانی کاشتکار کہ اُس میں مال روکنے کی سکت بہت کم ہے اُس کو تو مال کا بیچنا ضروری ہے۔ پس برآمد کے مال پر شرح تبادلہ کا فوری اثر پڑتا ہے اور زیادتی کی حالت میں نقصان شروع ہو جاتا ہے اور یہ نقصان اور بھی تکلیف کا باعث ہوتا ہے جب کہ دوسری اشیاء کی قیمتیں قایم نہیں ہوتیں۔

ہندوستانی کاشتکار کو بڑھی شرح تبادلہ سے ہر وقت خطرہ اور نقصان ہی نقصان ہے۔

(ب) **اشیاء جو ملک میں پیدا ہوتی اور صرف کی جاتی ہیں** اُن اشیاء پر جو ہندوستان میں پیدا ہوتی اور یہیں استعمال میں آتی ہیں شرح تبادلہ کا ایسا اثر نہیں پڑتا جیسا کہ باہر جانے والی چیزوں پر پڑتا ہے روپیہ کی قیمت زیادہ یا کم ہونے سے ان چیزوں کی قیمتیں رفتہ رفتہ کم یا زیادہ تو ضرور ہو جائیں گی لیکن یہ فوراً نہیں ہوگا بلکہ اس میں زمانہ لگے گا (مثلاً چنا باہر نہیں جاتا اور گیہوں باہر جاتا ہے دُنیا میں گیہوں کی قیمت گر جانے کی وجہ سے ہندوستان میں بھی گیہوں کی قیمت گر جاتی ہے لیکن اس کا اتنا ہی اثر چنے کی قیمت پر

نہیں پڑتا) یہ کہنا مشکل ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ اس میں ایک عرصہ دراز ضرور لگے گا۔

(ج) درآمد کا مال ہندوستان میں روپے کی قیمت بڑھ جانے سے باہر سے آنے والی چیزیں بلا شبہ کم قیمت پر ملنے لگیں گی اور مثل برآمد کے مال کے ان کی قیمت پر بھی فوری اثر ہوگا۔ اور جتنی قیمت میں تخفیف ہوگی اتنا خریدار کو فائدہ ہوگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو درآمد کا مال ہندوستان آتا ہے اس میں سے کس قدر عوام اور کاشتکاروں کے مصرف کا ہوتا ہے۔ اس کے متعلق لوگ مختلف تخمینہ کرتے ہیں تو بھی زیادہ سے زیادہ ۴۰ فی صدی اور کم سے کم سات فی صدی تخمینہ کیا جاتا ہے اور اس کے متعلق کوئی سرکاری تخمینہ دستیاب نہیں ہو سکتا (لیکن بہ نظر عام حالات سات فیصدی تخمینہ ہی درست معلوم ہوتا ہے جیسا کہ پہلے تفصیلی طور پر دکھا چکے ہیں)

ان ہر سہ مدات پر غور کرنے کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ برآمد کے مال کا نرخ شرح تبادلہ کے مطابق فوراً قائم ہو جاتا ہے لیکن تا وقتیکہ دوسری چیزوں کی قیمتیں اس شرح کے مطابق نہ ہو جائیں اس کمی سے کاشتکاروں کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے رہیں وہ چیزیں جو اندرون ملک ہی میں استعمال ہوتی ہیں اور جن کی تجارت ہندوستان بیرونی اشیا کی تجارت سے کہیں زیادہ ہے۔ اُن کی بابت قابل اعتماد اعداد نہیں مل سکتے جن کی بنا پر کہا جا سکے کہ قیمتیں شرح کے مطابق قائم ہو گئی ہیں نیز ان کی بابت جو بیانات دیئے جاتے ہیں وہ سب دعوے بلا دلیل کا حکم رکھتے ہیں۔ ہاں اُن اشیا کی قیمت جو باہر سے ہندوستان میں آتی ہیں شرح تبادلہ کی زیادتی سے فوراً گھٹ جاتی ہے لیکن اس کا فائدہ عوام اور کاشتکاروں کو بہت کم پہونچتا ہے۔ (جس کی تعداد ۷ فیصدی سے ۴۰ فیصدی تک بتلائی جاتی ہے)

اشیا کی قیمتیں گرنے کا ثبوت ان اعتراضات کے بعد سر پرشوتم داس ممبران کمیشن کے اُس ثبوت کو لیتے ہیں جو اُنھوں نے مفروضہ اعداد توازن کی بنا پر اشیا کی قیمتوں کے گرنے اور شرح تبادلہ کے مطابق قائم ہو جانے کی بابت دیا تھا جن کی بابت ہم بھی پہلے لکھ چکے ہیں کہ وہ حساب زیادہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔ تاہم ان اعداد سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ بھی قابل غور ہیں جون ۱۹۲۵ء سے مارچ ۱۹۲۶ء تک کی قیمتوں کے مختلف ممالک میں مفروضہ اعداد توازن حسب ذیل ہیں:-

ماہ و سنہ	شرح تبادلہ	کلکتہ کے نرخ بحساب مفروضہ اعداد	انگلستان کے نرخ	بمبئی کے نرخ	ممالک متحدہ امریکہ کے نرخ
جون ۱۹۲۵ء	۱۸ پنس	۱۵۶	۱۵۸	۱۵۸	۱۶۰
جولائی "		۱۶۰			
اگست "		۱۵۷			
ستمبر "		۱۵۸			
اکتوبر "		۱۶۰			

ماہ و سنہ	شرح تبادلہ	کلکتے کے نرخ بحساب	انگلستان کے نرخ	بمبئی کے نرخ	ممالک متحدہ امریکہ کے نرخ
نومبر ۱۹۲۵ء		۱۶۴			
دسمبر ۱۹۲۵ء		۱۶۳			
جنوری ۱۹۲۶ء		۱۶۳			
فروری ۱۹۲۶ء		۱۵۸	۱۴۹	۱۵۲	۱۵۵
مارچ		۱۵۵			
۸ ماہ کا فرق		۲	۹	۶	۵

ان میں سے ہر نرخ کو علیحدہ علیحدہ غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ پہلے کلکتہ کو دیکھیے کہ جون کے مہینے روپیہ کی قیمت ۱۸ پنس ہوئی اور اس وقت سے مسلسل چھ مہینے تک قیمتیں بجائے گھٹنے کے بڑھتی رہیں صرف آخر کے دو مہینوں میں گھٹیں۔ برعکس اس کے انگلستان کو دیکھیے کہ وہاں جون ۱۹۲۵ء میں اسٹرلنگ نوٹ کے بجائے سونے کے برابر ہوا اور اس کے بعد فروری تک قیمتیں بقدر ۹ عدد کے گھٹیں لیکن کلکتہ میں اسی دوران میں بقدر ایک عدد کے بڑھیں اور بمبئی میں اس دوران میں بقدر ۶ عدد کے گھٹیں لیکن اسی کے ساتھ ممالک متحدہ امریکہ میں بھی اسی مناسبت سے قیمتیں گھٹیں۔ حالانکہ وہاں شرح تبادلہ کا کوئی سوال نہ تھا اس لیے بمبئی میں جو قیمتیں گھٹیں ان کی بابت یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ شرح تبادلہ کی وجہ سے گھٹیں بلکہ دنیا میں عام طور پر اس زمانہ میں قیمتیں گھٹ رہی تھیں بمبئی بھی اسی اثر سے محفوظ نہ رہ سکا اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ ۱۸ پنس کے شرح تبادلہ کے اعتبار سے عام اشیاء کی قیمتیں جس قدر گھٹنا چاہیے تھیں وہ گھٹ چکی ہیں اور اب اس شرح کے اعتبار سے قایم ہو چکی ہیں یا حقیقت یہ ہے کہ ان کی وجہ سے قیمتوں میں جو گھٹاؤ ہونا چاہیے وہ آئندہ زمانہ میں پیش آئے گا۔

کلکتہ اور بمبئی کی قیمتوں میں فرق کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ کلکتہ میں جوٹ اور چاول کی خرید و فروخت زیادہ ہے اور اس زمانہ میں ان کی قیمتوں میں بہت کچھ بیشی ہوتی رہی۔ اگر ان دونوں چیزوں کو وہاں کی قیمتوں کے نقشہ سے نکال دیا جائے تو جولائی ۱۹۲۵ء اور فروری ۱۹۲۶ء کے درمیان تین اور پانچ عدد کا فرق ہے یعنی تقریباً وہی حالت تھی جو بمبئی کی قیمتوں کی حالت تھی جس کی اس واقعہ سے اور زیادہ تائید ہوتی ہے کہ اشیاء کی قیمتوں میں کمی دنیا کی قیمتوں کی کمی کی وجہ سے ہے نہ کہ ۱۸ پنس شرح تبادلہ کی وجہ سے یا بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں اب تک قیمتیں ۱۸ پنس شرح تبادلہ کے اعتبار سے قایم نہیں ہوئی ہیں لیکن ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کرنسی کمیشن نے اپنے نقشہ کے اعتبار سے خود ہی یہ تسلیم کیا تھا کہ جون ۱۹۲۵ء کے بعد قیمتیں شرح تبادلہ کے اعتبار سے نہیں گھٹیں کیونکہ جو کچھ گھٹنا تھا وہ جون ۱۹۲۵ء تک گھٹ چکی تھیں اس لیے دسمبر ۱۹۲۲ء سے جون ۱۹۲۵ء

ملک کی قیمتوں کو دیکھنا چاہیئے تاکہ یہ کہا جاسکے کہ قیمتیں شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہوگئیں۔

سنہ	روپیہ کی شرح ۱۶ پنس = ۱۰۰	امریکہ کی قیمت اشیاء ۱۹۱۳ء کے عدد مفروضہ	کلکتہ کی قیمت اشیاء ۱۳ جولائی ۱۹۱۴ء کے عدد مفروضہ	بمبئی کی قیمت اشیاء جولائی ۱۹۱۴ء کے عدد مفروضہ
		(۱۰۰)	(۱۰۰)	(۱۰۰)
دسمبر ۱۹۲۲ء	۹۵	۱۵۶	۱۷۶	۱۷۵
جون ۱۹۲۳ء		۱۴۵	۱۷۶	۱۸۵
جولائی ۱۹۲۳ء		۱۴۷	۱۶۹	۱۸۴
اگست ۱۹۲۴ء		۱۵۰	۱۸۰	۱۸۴
جون ۱۹۲۵ء	۱۱۳	۱۵۷	۱۵۷	۱۶۰
فرق	۱۸	۱	۱۶	۱۵

بقدر (ایک) کے مہنگی

(نقشہ بالا سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے کہ یہ اعداد مفروضہ کہاں تک قابل استدلال سمجھے جاسکتے ہیں۔ مثلاً امریکہ میں دسمبر ۱۹۲۲ء سے جون ۱۹۲۳ء تک قیمتوں میں ۱۱ عدد کی کمی ہوگئی لیکن اسی دوران میں کلکتہ کی قیمت ایک جیسی رہی اور بمبئی کی قیمت بقدر ۱۰ عدد کے اضافہ ہوگئی۔ حالانکہ جب روپیہ کی قیمت میں اضافہ ہو رہا تھا تو امریکہ کی قیمتیں ایک جیسی ہی ہیں تو بھی بمبئی اور کلکتہ میں گرنی چاہیئیں تھیں لیکن ہوا اس کے بالکل برعکس یعنی امریکہ میں تو بقدر ۱۱ گھٹ گئیں اور کلکتہ میں بقدر دس بڑھ گئیں۔ بہرحال اب تو انہی اعداد کو معتبر مان کر اور صرف دسمبر ۱۹۲۲ء اور جون ۱۹۲۵ء کے اعداد پر غور کرکے دیکھنا یہ ہے کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے)

اس دوران میں روپیہ کی قیمت (۱۵ پنس کے قریب سے بڑھ کر ۱۸ پنس کے قریب ہوگئی اگر ۱۶ پنس کی شرح کو ۱۰۰ فرض کر لیا جائے تو روپے کی قیمت) ۹۵ سے بڑھ کر ۱۱۳ ہوگئی یعنی ۱۹ فیصدی کے قریب بڑھی اور اس حساب سے ہندوستان کی قیمتوں میں ۱۹ فیصدی کے قریب ہی کمی بھی ضروری تھی (چونکہ کلکتہ کی قیمتوں میں سب سے زیادہ فرق ہے اس لیے ہم انہی کو لیتے ہیں۔ وہاں کی قیمت میں بہ اعتبار ۱۷۶ کے ۱۹ فیصدی کا گراؤ ہونا چاہیئے تھا یعنی ۳۳،۴ کی کمی ضروری تھی اور پھر دنیا کے دیگر ممالک میں جو کمی ہوئی اس سے مزید ہونی چاہیئے تھی) لیکن نقشہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیمتوں میں واقعی کمی صرف بقدر ۱۹ کے ہوئی جس کے معنی یہ ہوئے کہ جون ۱۹۲۵ء تک اشیاء کی قیمتیں روپیہ کی قیمت کے اعتبار سے پوری طرح قایم نہیں ہوئی تھیں۔ بمبئی کی قیمتوں میں تو صرف ۱۵ ہی کی کمی ہوئی۔ پس یہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ جون ۱۹۲۵ء تک اشیاء کی

قیمتیں ۸ اینس شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہو چکیں تھیں۔

نتیجہ | بلکہ ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ ہندوستان میں اشیاء کی قیمتیں ابھی تک ۸ اینس کی شرح پر قایم نہیں ہوئیں اور اس میں ابھی عرصہ لگے گا اور اس دوران میں یہاں کے کاشتکاروں کو نقصان رہے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک امر غور طلب یہ ہے کہ بالعموم یہ خیال ہے کہ دنیا میں قیمتیں اس وقت ہیں وہ ابھی اور کم ہونگی۔ اگر ایسا ہوا اور شرح تبادلہ بھی ۸ اینس قایم رہی تو ہندوستان میں دو سبب قیمتوں کے گرنے کے ہوجائیں گے اور قیمتیں زیادہ تیزی کے ساتھ گرنے لگیں گی جس کا ذکر کرتے ہوئے سر پرشوتم داس لکھتے ہیں کہ "اس حالت کا قیاس کرتے ہوئے بہت خوف معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں ہندوستان کے مال پیدا کرنے والے (کاشتکار) کو اتنا سخت نقصان پہونچے گا جس کا برداشت کرنا اس کی استطاعت سے باہر ہوگا۔ غرض کہ اس سے ہندوستان کی ۷۲ آبادی کو جو کاشتکار پیشہ ہے نقصان اور سخت نقصان پہونچے گا۔" افسوس ہے کہ آج کل کے واقعات نے سر پرشوتم داس کی پیشین گوئی کو نہایت تکلیف دہ طریقہ سے پورا کر دیا ہے۔

مزدوریاں | مزدوریوں پر غور کرنے کے لیے سر پرشوتم داس نے مزدوریوں کے تین قسمیں کی ہیں۔

(۱) زراعتی مزدور

(۲) صنعتی مزدور

(۳) متوسط طبقہ کے کاریگر اور ملازمت پیشہ لوگ

زراعتی مزدور | زراعتی مزدوروں کے اعداد ملنے مشکل ہیں تاہم جنکس ممبر لیبر بیورو (مزدوروں کی انجمن) بمبئی نے شہروں اور دیہات کے مزدوروں کی ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۵ء تک کی مزدوریوں کا مقابلہ حسب ذیل اعداد میں پیش کیا تھا (نقشہ میں ۱۹۱۳ء کی مزدوری کو ۱۰۰ فرض کیا گیا ہے)

(۱) کھیتوں میں کام کرنے والے مزدور۔	شہروں میں	شرح مزدوری	۱۲۱	فی صدی
(۲) " "	دیہات میں	"	۱۰۶	"
(۳) معمولی مزدور	شہروں میں	"	۱۱۴	"
(۴) "	دیہات میں	"	۸۶	"
(۵) کاریگر	شہروں میں	"	۱۱۶	"
(۶) "	دیہات میں	"	۱۰۹	"

کسی دوسرے اعداد و شمار نہ ہونے کی حالت میں ان ہی اعداد سے مزدوری کی عام حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ (شرح مزدوری ۱۶ اینس کے مطابق بھی نہیں بلکہ کم ہے) اور اس کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ مزدوریاں ۱۸ اینس شرح

سکہ اور شرح تبادلہ کے مطابق کم ہو چکی ہیں۔

صنعتی مزدور | صنعتی مزدوروں کی بابت کمیشن کے سامنے صرف اعداد ذیل پیش ہوئے ہیں۔

(۱) بمبئی کے روئی کے کارخانوں کے مزدور۔ مزدوری ۱۹۱۳ء میں ۱۰۰ ۱۹۲۶ء میں ۲۳۲

(۲) بنگال کے جوٹ کے کارخانوں کے مزدور۔ " ۱۰۰ " ۱۵۰

جن کے دیکھنے سے مزدوری میں کوئی کمی معلوم نہیں ہوتی۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات تو یہ ہے کہ ۱۹۱۸ء سے اب تک مزدوریاں بڑھتی ہی چلی آتی ہیں چنانچہ بنگال کی جوٹ کے ملوں کے اعداد حسب ذیل ہیں۔

بنگال کے کارخانہائے جوٹ کی مزدوری

ماہ و سنہ	۱۹۱۳ء میں اشیاء کی قیمتوں کا مفروضہ عدد ۱۰۰ ہے۔ اشیاء کی مفروضہ قیمت	۱۹۱۳ء میں مزدوری کا مفروضہ عدد ۱۰۰ ہے مزدوری مفروضہ
مئی ۱۹۱۸ء	۱۶۳	۱۱۰
اپریل ۱۹۱۹ء	۱۹۰	۱۱۰
ستمبر	۲۰۰	۱۲۰
جنوری ۱۹۲۰ء	۲۱۸	۱۲۰
اکتوبر	۲۰۶	۱۵۰
اپریل ۱۹۲۵ء	۱۶۹	۱۵۰

بمبئی کے کارخانہ ہائے روئی کے اس زمانہ کے اعداد نہ ملنے کی وجہ سے پیش نہیں کیے جا سکتے

ان اعداد کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اشیاء کی قیمتوں کے بڑھ جانے کے مزدوروں کی مزدوری عرصہ تک نہیں بڑھی جس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ مزدور اپنی مزدوری بڑھانے کا مطالبہ نہیں کرتے یا باوجود مطالبہ کے ملوں کے مالک مزدوری نہیں بڑھاتے جس کی وجہ سے اشیاء کی قیمتیں بڑھنے کے مدت بعد مزدوریوں پر اثر پڑتا ہے پس اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ روپیہ کی شرح بڑھنے کا اثر مزدوریوں پر اور بھی بعد میں ہوگا (اس وجہ سے یہ کہنا کہ مزدوریاں شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہو چکی ہیں غلط ہے)

اس کے ماسوا ایک یہ بھی دقت ہے کہ مزدوری جب ایک مرتبہ بڑھ جاتی ہے تو اس کا گھٹانا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے اور جب کبھی مزدوری گھٹانے کی کوشش کی جاتی ہے تو کارخانوں میں ہڑتالیں شروع ہو جاتی ہیں (جیسا کہ ۱۹۲۴ء میں بمبئی کے کارخانوں میں ہو چکا ہے)

خود گورنمنٹ کے کارخانوں کی یہی حالت ہے مثلاً ریل کے کارخانوں کی مزدوریاں حسب ذیل ہیں (۱۹۲۳ء

بعد کے اعداد نہیں مل سکے) اس نقشہ میں ۱۹۱۴ء کی مزدوری کا عدد مفروضہ ۱۰۰ ہے۔

قسم مزدور	روزانہ مزدوری ۱۹۲۲ء میں	ماہانہ مزدوری ۱۹۲۲ء میں
فٹر	۲۱۸	۲۴۵
بڑھئی	۱۸۱	۲۰۴
معمولی مزدور	۱۹۴	۲۲۰

کلرکوں کی تنخواہیں اسی طرح شہر بمبئی کے کلرکوں کے مشاہرہ کی بابتہ ۱۹۲۴ء میں بمبئی لیبر آفس (دفتر مزدوران) نے تحقیقات کر کے اس کا نتیجہ فروری ۱۹۲۶ء میں سرکاری طور پر شایع کیا ہے جس کا اندازہ حسب ذیل ہے۔

نام محکمہ	۱۹۱۴ء کے مشاہرہ پر فیصدی زیادتی	
ریلوے وغیرہ میں	۶۸	
نیم سرکاری دفاتر میں	۸۱	
بنکوں میں	۶۹	
تجارتی دفتروں میں	۶۰	

ان مشاہروں کے سلسلہ میں مسٹر برنسو تھ وائس لکھتے ہیں کہ "ہمارے سامنے کسی گواہ نے شہادت میں نہیں کہا ہے کہ ۱۸ پنس کا روپیہ ہو جانے کی وجہ سے ان لوگوں کے مشاہرہ گھٹ گئے ہیں۔"

فی الواقع ایک مرتبہ مشاہرہ اور مزدوری بڑھ جانے کے بعد اس کا گھٹنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ تعلیم یافتہ کلرکوں وغیرہ کا سمجھ لینا تو ممکن ہے لیکن جاہل مزدوروں کے لیے سمجھنا بہت دشوار ہے۔ کارخانوں پر تو ۱۸ پنس کا بہت ہی خراب اثر ہوا اس کی وجہ سے اُن کا کاروبار مندا ہوا اور اس شرح کے مطابق جب مزدوریاں کم کی جائیں گی تو ایک مدت تک مزدوروں اور کارخانہ داروں میں کشمکش جاری رہے گی جس کا نتیجہ اور بھی بُرا ہوگا۔ گورنمنٹ کو خود اپنے کارخانوں میں مزدوریاں گھٹانے کی وجہ سے جو پریشانی ہوتی ہے اس سے اس کو اندازہ ہونا چاہیئے کہ دوسرے کارخانوں میں کیا کیفیت ہوگی۔

اِن سب باتوں سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ زرعی مزدوروں صنعتی مزدوروں کی مزدوریوں اور کلرکوں کے مشاہروں پر اس ۱۸ پنس کی شرح کا ابھی تک کوئی اثر نہیں پڑا ہے اور نہ ان میں اس وقت تک کمی ہوگی جب تک خوب جھگڑے اور فساد نہ ہولیں گے۔ اس وقت تو مزدوریاں ۱۹۲۱ء کی سطح پر بھی نہیں آئیں جبکہ روپیہ سولہ پنس کا تھا۔

اور جب تک کہ قیمتوں کے قائم ہونے کا یہ زمانہ گزر نہ لے گا اس وقت تک اس شرح تبادلہ کی زیادتی کی

بدولت دیسی مصنوعات کو بیرونی ممالک کی مصنوعات سے مقابلہ کرنے میں ۱۲½ فیصدی کا نقصان ہی رہے گا۔

بوجوہات مذکورہ بالا سر پرشوتم داس نے اپنی جداگانہ رپورٹ میں ۱۸ پنس شرح تبادلہ کی مخالفت اور ۱۶ پنس شرح تبادلہ کی سفارش کی۔

۱۶ پنس کا روپیہ سر پرشوتم داس لکھتے ہیں کہ "پوچھا جائے گا کہ میں ۱۶ پنس شرح تبادلہ پر کیوں اصرار کرتا ہوں سو میرا اصرار اس وجہ سے ہے کہ میں اس اصول کا قائل ہوں کہ کسی ملک کا سکہ اس وقت تک تبدیل نہ کرنا چاہیئے جب تک کہ اس قسم کی مستقل تبدیلیاں پیدا نہ ہو جائیں کہ جن کے اثرات مستقل ہوں اور ان کی وجہ سے سکہ کا تبدیل کرنا ضروری ہو جائے یعنی بالفاظ دیگر سکہ صرف ایسی حالت میں تبدیل کرنا چاہیئے کہ اس کی قیمت کسی طرح بھی قائم نہ رکھی جا سکے اور وہ اتنی گر گئی ہو کہ اس کا بڑھانا ناممکن ہو۔ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ روپیہ کی سولہ پنس شرح کو دوران جنگ میں قائم رکھنا مشکل ہو گیا تھا لیکن یہ زمانہ وہ تھا کہ دنیا کے ہر ملک میں لڑائی کی وجہ سے سکہ کا قائم رکھنا تقریباً مشکل تھا۔ بے بنگٹن اسمتھ کمیٹی نے ہندوستان کی قانونی شرح تبادلہ میں ایسے زمانہ میں تبدیلی کی تجویز پیش کی کہ جب حالات نہایت غیر معمولی تھے نیز اس کمیشن کی سفارشات پر ایسے زمانہ میں عملدرآمد کیا گیا تھا کہ کسی دوسرے ملک نے اپنے یہاں کے سکہ کے معاملہ کو درست کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ اگر ۱۹۲۰ء جیسے حالات میں ۲۴ پنس شرح تبادلہ کا قانون پاس نہ کر دیا گیا ہوتا اور جس وقت کہ دنیا بھر میں چیزوں کی قیمتیں گر رہی تھیں ۱۶ پنس شرح تبادلہ میں مداخلت نہ کی گئی ہوتی تو مجھ کو یقین کامل ہے کہ روپیہ کتنی ہی مرتبہ اس شرح پر آ گیا ہوتا شرح تبادلہ اگر ۱۶ پنس سے گرتی بھی تو وہ گرنا محض عارضی ہوتا اور زیادہ سے زیادہ ۱۹۲۳ء یا ۱۹۲۴ء تک روپیہ کی پرانی شرح تبادلہ قائم ہو گئی ہوتی جیسی کہ فی الواقع ہو بھی گئی تھی۔ اگر ۱۶ پنس شرح کا قانون باقی رہتا تو ناممکن تھا کہ جب شرح تبادلہ اس سے زیادہ بڑھتی تو ہندوستان میں سونا باہر سے آکر شرح تبادلہ کو اسی حالت پر نہ پہونچا دیتا۔ میں متمنی ہوں کہ ہندوستان کو ۱۹۲۰ء و ۱۹۱۹ء کی غلطیوں کے اثرات سے اور ان کی وجہ سے جو مصنوعی کارروائیاں کرنی پڑی تھیں ان سے اب تو آزاد کر دیا جائے۔"

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ "میں روپیہ کی قیمت کو گھٹانا نہیں چاہتا۔ میرا مطالبہ تو یہ ہے کہ روپیہ کی قیمت جو مصنوعی طور پر ۱۸ پنس کر دی گئی وہ ہندوستان کے حالات اور اس کی ضروریات کے اعتبار سے کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے اس کو صحیح کر دیا جائے۔ اور (اس مصنوعی شرح تبادلہ) سے اس کی قانونی شرح تبادلہ کے طے کرنے میں غلط نتیجہ نہ نکالا جائے"

شرح تبادلہ کا اثر گورنمنٹ کے مالیات پر کہا یہ جاتا ہے کہ بجائے ۱۸ پنس کے ۱۶ پنس شرح تبادلہ قائم کرنے سے گورنمنٹ ہند کو نقصانات ذیل ہوں گے۔

(۱) آمدنی

(الف) عام بجٹ میں .... ۳،۱۹،۰۰،۰۰۰ روپیہ

(ب) ریلوے بجٹ میں .... ۱،۹۱،۰۰،۰۰۰ "

(۲) خرچ

(الف) ریلوے میں .... ۱،۶۸،۰۰،۰۰۰ "

(ب) ڈاکخانہ جات و تار میں .... ۲،۵۰،۰۰۰ "

(ج) نئی دہلی میں .... ۲۳،۰۰۰ "

میزان ۵،۸۸،۷۳،۰۰۰ روپیہ

ریلوے بجٹ کے متعلق سر پرشوتم داس لکھتے ہیں کہ نقصانات مبالغہ کے ساتھ دکھلائے گئے ہیں اور وہ کسی طرح پر ایک کروڑ سولہ لاکھ روپیہ سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ علاوہ بریں گورنمنٹ کو اس زیادہ شرح تبادلہ کی وجہ سے جو امداد بعض مصنوعاتی کارخانوں کو دینی پڑے گی اس کا اس میں کچھ خیال نہیں کیا گیا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ منافعہ گورنمنٹ کو کہاں سے حاصل ہوتا ہے! اس کے متعلق مسٹر رو برٹ کیمبل اور سٹرن میور جیسے صاحب نے جو ونٹ فاولر کمیٹی کی رپورٹ کے ساتھ دیا تھا اس میں لکھا ہے کہ "یہ نفع (گورنمنٹ کو) بلا معاوضہ نہیں ملتا ہے اور اس سوال کا کہ اس منافعہ کا معاوضہ کون دیتا ہے جواب دینا کچھ مشکل نہیں ہے (اس منافعہ کا دینے والا) کاشتکار ہوتا ہے جس کو اپنے غلہ کی جسے وہ بیچتا ہے اس قدر کمی کے ساتھ قیمت ملتی ہے۔"

شرح تبادلہ کا اثر معاہدوں پر | معاہدوں کی تین قسمیں کی جاسکتی ہیں (الف) خرید و فروخت کے اور دیگر تجارتی معاہدے جن کی میعاد چھ ماہ سے سال بھر تک کی ہوتی ہے (ب) کمپنیوں کے قرضے جن کی میعاد ۲۰-۳۰ برس تک کی ہوتی ہے۔ (ج) کاشتکاروں کے قرضے کے معاہدے

تجارتی معاہدے | جو لوگ تجارت کرتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے کاروبار کے اندازہ سے شرح تبادلہ کے گھٹنے بڑھنے کا انتظام کر لیتے ہیں مثلاً اگر کسی کو آج سے چھ مہینے بعد کوئی رقم موجودہ شرح تبادلہ کے اعتبار سے ادا کرنی ہے تو وہ اسی شرح کی ہنڈی خرید لیتا ہے لیکن اگر وہ ہنڈی نہ بھی خریدے تو کچھ دقت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ۱۹۲۰ء میں جب گورنمنٹ نے ۲۴ پنس کی شرح مقرر کی تھی تو اس کی بنا پر بہت سے سوداگروں نے بیرونی ممالک میں مال کے آرڈر دیدیئے تھے لیکن بعد میں گورنمنٹ اس شرح کو قائم نہ رکھ سکی اور گورنمنٹ پر اعتراضات ہوئے تو یکم مارچ ۱۹۲۱ء کو ممبر مالیات نے بیان دیا تھا کہ

"میں اسمبلی کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے گزشتہ سال لیجس لیٹو کونسل میں کیا کہا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ یہ

بتلانا مشکل ہے کہ اس سال شرح تبادلہ میں کیا کیا رد و بدل ہوں گے پس معمولی کاروباری سوجھ بوجھ کے اعتبار سے ہی تاجروں کو اپنے مال کی قیمت کے لیئے مناسب ہنڈیوں کا انتظام کر لینا چاہیئے تھا"۔

اگر قانونی طور پر قایم کردہ شرح تبادلہ کی نسبت ممبر مالیات ایسی توجیہ کر سکتے ہیں تو کسی ایسی شرح کی بابتہ کہ جس کے لیئے نہ کوئی قانون ہو نہ کوئی سرکاری اعلان کسی بھی توجیہ او رعذر کی ضرورت نہیں۔

کمپنیوں کے معاہدے | اب رہے کمپنیوں کے معاہدے سو جو معاہدے ۱۹۱۷ء سے پہلے کے ہیں اُن کا تو کوئی سوال نہیں کیونکہ وہ ۱۶ پنس شرح کی بنا پر ہی کیئے گئے ہیں لیکن ۱۹۱۷ء کے بعد سے ۱۹۲۱ء تک معاہدات کی بابتہ کچھ کہا جا سکتا تھا مگر وہ معاہدے ایسے زمانہ کے ہیں جس کی بابت گورنمنٹ کسی قسم کی ذمہ داری نہیں لے سکتی اور ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۴ء تک کے معاہدات بھی زیادہ تر ۱۶ پنس سے بھی کم شرح پر کیئے گئے ہوں گے البتہ ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۶ء کے معاہدے ایسے ہیں جو اٹھارہ پنس کی شرح تبادلہ پر کیئے گئے ہوں گے اور کوئی شک نہیں کہ ان معاہدوں میں ایک فریق کو ضرور نقصان رہے گا۔ لیکن جب گورنمنٹ نے ۱۹۲۱ء میں باوجود ۲۴ پنس کے قانونی نرخ مقرر ہونے کے اس کے کم ہو جانے پر اپنی ذمہ داری قبول نہ کی تو اس وقت ۱۸ پنس کی شرح تبادلہ پر (کہ جس کے لیئے نہ کوئی قانون ہے اور نہ گورنمنٹ کا کوئی اعلان) گورنمنٹ اپنے آپ کو کس طرح ذمہ دار قرار دے سکتی ہے۔

کاشتکاروں کے قرضے | کسانوں کا طبقہ قرضہ لینے کے لیئے مشہور ہے ان کے قرضے پشتہا پشت وراثتاً باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے تک چلتے ہیں۔ جو قرضہ لیا جاتا ہے اُس کی ادائیگی شاذ ہی ہوتی ہے۔ اگر ان قرضوں کا سود ہی ادا ہوتا رہے تو دائن و مدیون دونوں خوش رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی حالت بہت قابل توجہ ہے مسٹر ایم ایل۔ ڈارلنگ۔ آئی سی۔ ایس۔ پنجاب نے تخمینہ کیا ہے کہ پنجاب کے کسانی پیشہ طبقہ کے (جس میں شہری علاقہ کے کاشتکار بھی شامل ہیں) قرضہ کی تعداد ۹۰۰ کرور روپے سے زیادہ ہے اور اگر دیسی ریاستوں میں بسنے والے کسانوں کے قرضوں کو اس میں شامل کر لیا جائے جو ۲۰۰ کرور روپے کے قریب ہے تو یہ قرضہ ۱۱۰۰ کرور روپے ہوتا ہے۔ چونکہ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۱۷ء تک شرح تبادلہ ۱۶ پنس کے قریب رہی اس لیئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بہت سے قرضے اُس وقت لیئے گئے جب شرح تبادلہ ۱۶ پنس تھی۔ پس اب ۱۸ پنس شرح فی روپیہ کا قانون پاس کر دینے کا اثر یہ ہوگا کہ ان کسانوں کے قرضوں میں ۱۲½ فیصدی کا اضافہ کر دیا جائے۔ اور اس طبقے کے قرضے وہ ہیں جن پر شرح تبادلہ قایم کرتے وقت بہت غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ معاہدوں کے ضمن میں ۱۸ پنس کے موافق تو کوئی بات نہیں ملتی۔ البتہ اُس کے خلاف بہت کچھ ہے۔

۱۸ پنس کا استحکام | ایک بات غور طلب یہ ہے کہ آیا ۱۸ پنس شرح کا قایم رہنا اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ ۱۶ پنس

شرح کا پایا اس سے زیادہ مشکل ہے۔

کہا یہ جاتا ہے کہ ۱۸ پنس شرح تبادلہ قایم رکھنے کے لیئے گورنمنٹ کے پاس کافی خزانہ ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ گزشتہ پانچ سال سے ہندوستان میں فصلیں بہت اچھی ہونے کے باوجود مارچ ۱۹۲۶ء میں برآمد کے مال کی عارضی کمی کی وجہ سے شرح تبادلہ گرنے لگی تو گورنمنٹ نے بہ مشکل بازار میں ۸ کروڑ روپے کی قلت کرکے نرخ کو سنبھالا تھا اور اس کا بھی اعلان کر دیا تھا کہ گورنمنٹ اُلٹی وزیری ہنڈیاں فروخت کرے گی ہندوستان میں فصل کا خراب ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے اس لیئے اگر اچھی فصلوں میں اس شرح تبادلہ کے قایم رکھنے میں دقت ہوتی ہے تو خراب فصلوں کے زمانہ میں کیا حالت ہوگی۔

پس سوچنا تو یہ ہے کہ آیا شرح تبادلہ کا اتنا زیادہ مقرر کرنا لابد ہے جس کے قایم رکھنے کے لیئے بہت خزانہ کی ضرورت ہے۔ اور کیا بہتر نہ ہوگا اگر ہم اس ذمہ داری سے بچ سکیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ۱۸ پنس کی شرح قایم رکھنے میں بہ مقابلہ ۱۶ پنس کی شرح کے زیادہ خزانہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہ واقعہ ہے کہ پانچ سال کی عمدہ فصلوں کے بعد برآمد کی تجارت ذرا رُکنے سے ہی شرح تبادلہ قایم رکھنے کے لیئے سکہ کو بازاروں میں کمیاب کرنا ثابت کرتا ہے کہ اس شرح کو قایم رکھنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ ۱۶ پنس کا قایم رکھنا ہے جو ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۴ء تک جاری رہی اور اتنے طویل عرصہ میں صرف دو مرتبہ بیرونی ممالک میں غیر معمولی حالات پیش آجانے کی وجہ سے گورنمنٹ کو اس کے سنبھالے رکھنے کی کوشش کرنا پڑی اور ۱۹۰۷ء سے ۱۹۲۰ء تک صرف مندرجہ ذیل موقعوں پر اُلٹی وزیری ہنڈیاں بیچی گئی تھیں۔

سال		رقم	
۱۹۰۷-۸-۹ء	کل رقم فروخت اُلٹی وزیری ہنڈی کی	۸۰,۵۸,۰۰۰	پونڈ
۱۹۰۹-۱۰ء	” ” ” ”	۱,۵۶,۰۰۰	”
۱۹۱۴-۱۵ء	” ” ” ”	۸۶,۰۷,۰۰۰	”
۱۹۱۵-۱۶ء	” ” ” ”	۴۸,۹۳,۰۰۰	”
۱۹۱۸-۱۹ء	” ” ” ”	۵۳,۱۵,۰۰۰	”
۱۹۱۹-۲۰ء	” ” ” ”	۵,۵۵,۳۲,۰۰۰	پونڈ

۱۹۰۷ء میں (اگرچہ ہندوستان کی فصل بھی خراب ہوگئی تھی) لیکن ہنڈیاں بیچنے کی بڑی وجہ امریکہ کی گڑبڑ تھی اور ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۱ء تک جو کچھ بھی ہوا جنگ عظیم کی وجہ سے ہوا۔ اس لیئے ۱۶ پنس شرح تبادلہ میں اگر کبھی گڑبڑ ہوئی تو ہندوستان کے حالات کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ بیرونی وجوہات سے ہوئی جن پر ہندوستان کا کچھ قابو نہ تھا لیکن ۱۸ پنس شرح میں تو ذرا سی دیر میں گڑبڑ پڑ گئی۔ پس ان حالات میں

۱۸ پنس کے غیر معمولی خطرہ کی ذمہ داری لینا کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

چاندی کی قیمت بڑھنے کا احتمال کہا یہ جاتا ہے کہ ۱۸ پنس کی شرح رکھنے میں یہ فائدہ ہے کہ چاندی کے گراں ہوجانے کی صورت میں چاندی کی قیمت اور روپے کی قیمت برابر ہونے میں بمقابلہ ۱۶ پنس کے زیادہ دیر لگے گی۔ یعنی روپیہ اگر ۱۶ پنس کا رکھا جاتا ہے تو لندن کے بازار میں جس وقت چاندی کا نرخ ۴۳ پنس ہوگا تو روپیہ میں لگی ہوئی چاندی کی قیمت روپیہ کی قیمت کے برابر ہو جائے گی لیکن اگر روپیہ ۱۸ پنس کا رکھا جائے تو چاندی اور روپیہ کی قیمت اس وقت برابر ہوگی جبکہ چاندی کا نرخ ۴۸ پنس ہو جائے لیکن کمیشن کی تجویز کی رو سے اس اندیشہ کی کوئی بنیاد ہی نہیں رہتی کیونکہ تجویز یہ ہے کہ روپیہ کی بجائے ایک روپیہ کا نوٹ جاری کیا جائے جو سونے یا دوسرے لیگل ٹنڈر سکہ رائج الوقت میں قابل بدل ہو اور کچھ عرصہ کے بعد روپیہ سکہ رائج الوقت لیگل ٹنڈر نہ رکھا جائے ایسی صورت میں روپیہ اور چاندی کی قیمت میں برابری کا سوال ہی نہیں رہتا۔ مزید یہ کہ چاندی کے نرخ میں ۴۳ اور ۴۸ پنس کا فرق اس قدر کم ہے کہ بقول مسٹر سپرنگ جس وقت چاندی کی قیمت ۴۸ پنس ہو جائے گی تو اس کا کچھ اطمینان نہیں ہوسکتا کہ نرخ ۵۰ یا ۵۵ پنس نہ ہو جائے گا (اس لیئے کہ چاندی کا نرخ بالعموم ۲۰ پنس کے آس پاس رہتا ہے اور نرخ میں ۲۰ سے ۴۳ پنس تک زیادتی غیر معمولی حالات ہی میں ہوسکتی ہے) اور جب حالات ایسے ہوں تو دس پانچ پنس کی کمی بیشی کسی شمار میں نہیں ہوتی۔

۱۸ پنس شرح کی تائید میں دیگر دلائل ممبران کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بہ تائید شرح ۱۸ پنس یہ دلیل بھی دی ہے کہ اگر اشیاء کی قیمتیں ۱۸ پنس شرح کے مطابق قائم نہ ہو چکی ہوتیں تو بیرونی تجارت پر اس کا اثر ضرور پڑتا اور برآمد کے مال میں خواہ درآمد کے مال میں اس وجہ سے رکاوٹ ضرور ہوتی لیکن بقول ممبران کمیشن ہندوستان کی تجارت پر فی الجملہ ایسا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے جواب میں سر پرشوتم داس لکھتے ہیں "میرے ہم عصر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستان میں متواتر چار فصلیں اچھی ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندوستانیوں میں عرصہ تک مال کو روکے رکھنے کی استطاعت نہیں ہے پس صرف اس بات سے کہ مال کی برآمد ہوتی رہی ہے کوئی مدد نہیں ملتی۔ (کیونکہ ہندوستانی کسان اور تاجر کو تو غلہ بیچنا ہی ہے خواہ نفع سے بکے یا نقصان سے وہ تو روک رکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا) اس لیئے جب تک ان اجناس کی مانگ دنیا کی منڈیوں میں رہے گی ہندوستان سے باہر جاتی ہی رہیں گی۔"

ایک اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ ۱۸ پنس کی شرح سے تمام ہندوستانی خریداروں کو نقصان ہو رہا ہے اور ان کی قوت خرید کم ہو گئی ہے اس لیئے درآمد کے مال کی بکری میں باوجود اس کی قیمت کے گر جانے کے کمی ہی معلوم ہوا ہے کہ خود لنکاشائر کے تاجروں کا خیال ہے کہ ۱۸ پنس کے مطابق چیزوں کی قیمتیں قائم نہ ہونے کی وجہ سے

ہندوستانیوں کی قوت خرید کم ہوگئی ہو جس کی وجہ سے اُن کے مال کی بکری نہیں ہوتی ہو۔

ممبران کمیشن نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی کہا ہو کہ اگر ۱۶ پنس کی شرح تبادلہ قایم کی جائے گی تو اقتصادیات میں سخت اضطراب و ہیجان پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ جو اس مفروضہ پر مبنی ہو کہ ہندوستان میں چیزوں کی قیمتیں نئی شرح کے مطابق قایم ہو چکی ہیں۔ اول تو یہ مفروضہ ہی غلط ہو۔ دوسرے روپیہ کی قیمت کم ہونے سے اجناس کی قیمت بڑھ جائے گی جس سے کاشتکار طبقہ کو تو بجائے نقصان کے فائدہ ہی ہو۔ نقصان ہو تو صرف درآمد کا مال منگانے والوں کو ہو مگر اُن کو بھی کافی تجربہ ہو گیا ہو کہ خریدار میں خریدنے کی استطاعت ہی نہ رہے تو مال کا سستا پن کس کام آسکتا ہو۔ اجناس کی قیمتیں بڑھ جانے سے عوام اور کسانوں کو نفع ہونے کی حالت میں درآمد کے مہنگے مال کی بھی زیادہ بکری ہوگی۔ کمیشن کے ممبروں کا خیال ہو کہ ۱۶ پنس کا روپیہ ہوتے ہی چیزوں کی قیمتیں ۱۲½ فیصدی بڑھ جائیں گی۔ حالانکہ خود ان کے اعداد و شمار سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ۱۸ پنس کے روپیہ ہوجانے کے بعد قیمتوں میں اتنی ہی تخفیف بھی ہوئی ہو۔

ممبران کمیشن کو خوف ہو کہ ۱۶ پنس کی شرح سے خریداروں کو سخت نقصان ہوگا۔ حالانکہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ۹۰ فیصدی آبادی کاشتکاروں کی ہو جن کو اس سے فائدہ ہوگا۔ رہی ۱۰ فیصدی آبادی سو اس کا گزارہ زیادہ تر انہی ۹۰ فیصدی کی دولت پر ہو تو کیا ۱۰ فیصدی آبادی کو فائدہ پہونچانے کے لئے ۹۰ فی صدی کا نقصان کرنا حق بجانب ہو۔ نیز اس میں بھی کلام ہو کہ اس ۱۰ فیصدی کو زیادہ نقصان پہونچے گا کیونکہ یہ ثابت کیا جا چکا ہو کہ مزدوروں کی مزدوریاں اور کلرکوں کے مشاہرے بھی زمانہ قبل از جنگ سے بہت بڑھ گئے ہیں اس لئے ممبران کمیشن کا یہ خوف بھی درست نہیں ہو کہ ۱۶ پنس کے روپے سے سخت نقصان ہوگا۔

نتیجہ | ان تمام دلائل کے بیان کرنے کے بعد سر پرشوتم داس بطور نتیجہ لکھتے ہیں کہ "جو واقعات اور حالات ہم نے بیان کئے ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہو کہ کمیشن کے مقرر ہونے سے پہلے ہی عمال حکومت نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ۱۸ پنس کی شرح تبادلہ قایم کر دیں گے (چنانچہ کمیشن کا تقرر اُسی وقت کرایا گیا جب کھینچ تان کر یہ شرح قایم کیا جا چکا تھا) جسے کمیشن کے سامنے بطور قایم شدہ فطرتی نرخ کے پیش کر دیا گیا۔ اور جس زمانہ میں کہ ہماری کمیٹی مصروف تحقیقات تھی اُس وقت بھی نرخ کے قایم رکھنے کی کھینچ تان میں تامل نہیں کیا۔ اس غیر معمولی طرز عمل کی نظیر کسی ملک میں بھی ملنی محال ہو۔"

کرنسی کمیشن رپورٹ پر انڈسٹریل کانفرنس میں بحث

کرنسی کمیشن کی رپورٹ جولائی سنہ ۱۹۲۶ء میں شایع ہوئی اور اس کی تجاویز کی منظوری کے لیے ۲۳ اگست کو

اسمبلی میں بل پیش کیا گیا لیکن تھوڑی بحث ہوکر رہ گئی اور مسئلہ کو آئندہ سیشن کے لئے ملتوی کر دیا گیا جس کا مفصل حال آگے چل کر بیان کیا جائے گا مگر اس وقفہ میں کمیشن کی سفارشات کے خلاف بالعموم اور مجوزہ شرح تبادلہ کے خلاف بالخصوص اخبارات اور پبلک میں جوش و خروش کے ساتھ نکتہ چینی ہوتی رہی۔ اسی دوران میں جنوری ۱۹۲۷ء میں انڈسٹریل کانفرنس کا کلکتہ میں اجلاس ہوا تو اس میں بھی کمیشن کی رائے اور آئندہ قانون کی بابت تجویز پیش کی گئی جس کے محرک مسٹر گھنشام داس برلا تھے اور حسب ذیل معاملات پر اظہار رائے کیا گیا تھا۔

تجاویز (۱) ۱۸ پنس کی شرح تبادلہ کی سفارش پر اظہار افسوس۔

(۲) معیار طلا مجوزہ کمیشن محض معیار تبادلہ کا دوسرا نام ہے اور فاولر کمیشن کے مجوزہ معیار طلا کے مقابلہ میں ترقی معکوس ہے۔

(۳) کل خزانے ہندوستان ہی میں رکھے جانے چاہئیں اور آئندہ خزانوں میں جو اضافہ ہو وہ سونے کی شکل میں ہونا چاہیئے۔

(۴) ۱۸ پنس شرح تبادلہ قائم رکھنے کے لیئے مسلسل روپے کی قلت (Deflation) کیئے جاتے رہنے کے خلاف احتجاج۔

(۵) خزانہ نوٹ کی چاندی فروخت کر دینے کی تجویز کمیشن کے خلاف احتجاج اس بنا پر کیا گیا کہ اس تجویز پر عملدرآمد کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ چاندی کا نرخ گر جائے گا۔

(۶) گورنمنٹ سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ اسٹرلنگ کی خریداری یا وزیری ہنڈیاں اس مقدار سے زیادہ نہ کی جائیں جتنی مقدار مطالبات انگلستان کی ادائیگی کے لیئے گورنمنٹ ہند کو ولایت بھیجنی ہو تاکہ ہندوستان میں کافی سونا (میزان تجارت کے بھگتان میں) آسکے (جس کے بجائے اب ہندوستان میں محض وزیری ہنڈیاں آتی ہیں اور سونا انگلستان میں رہ جاتا ہے۔

(۷) نوٹوں کے تبادلہ میں روپیہ دینے کی مجوزہ کمیشن کے خلاف احتجاج۔

مسٹر برلا کی تقریر مسٹر گھنشام داس برلا نے کانفرنس میں ریزولیوشن پیش کرتے ہوئے مختصراً موجودہ شرح تبادلہ کی تاریخ کا تذکرہ کیا اور کہا کہ گورنمنٹ نے ۱۶ پنس شرح تبادلہ قائم کرنے کی کوشش میں چالیس پچاس کرور روپے کا نقصان کیا لیکن اس کے بعد بھی شرح تبادلہ ۱۶ پنس ہوگئی تو پھر زبردستی ۱۸ پنس کرکے اب یہ کہکر اس شرح کو قائم کرنا چاہتی ہے کہ یہ واقعی نرخ ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ سر بیسل بلیکٹ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اشیا کی قیمتیں اس کے مطابق قائم ہو چکی ہیں۔ گورنمنٹ تو اپنی دولت اور طاقت کے ذریعہ سے شرح تبادلہ ۲۰ پنس بھی کرسکتی ہے اور کہہ سکتی ہے کہ واقعی شرح تبادلہ یہی ہے نیز اس میں شک نہیں کہ درآمد اور برآمد کے مال کی قیمتیں شرح

تبادلہ کے مطابق جلد قائم ہو جاتی ہیں لیکن جب دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا اندرون ملک میں دوسری چیزوں کی قیمتیں اس شرح کے مطابق قائم ہو چکی ہیں اور کیا سود جو ساہوکار کو دیا اور کرایہ جو ریلوں میں دیا جاتا ہے اور اسی قسم کے دوسرے مطالبات بھی اس نئی شرح تبادلہ کے مطابق قائم ہو چکے ہیں تو کوئی جواب نہیں دیا جاتا۔"

مسٹر برلا نے گورنمنٹ کی پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "گورنمنٹ نے نہایت ناجائز طریقہ سے شرح تبادلہ ۱۸ پنس کر کے ٹیکس میں ۱۲½ فی صدی کا اضافہ کر دیا ہے"۔ معیار طلا کی بھی اُنھوں نے سخت مخالفت کی لیکن اسی کے ساتھ کہا کہ "اگر واقعی اس کے بعد اس کی جگہ معیار طلا قائم کیا جانے والا ہو تو وہ اتنا بُرا نہیں ہے۔"

مسٹر میڈن کے استدلالات

سونے کے سکہ کی ضرورت | مسٹر بی۔ ایف۔ میڈن نے اس ریزولیوشن کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ "ہم سونے کے سکہ پر اس لیئے اصرار کرتے ہیں کہ جب سونے کا سکہ مثلاً ساورن چلے گا تو ہر شخص کو یہ معلوم ہوگا کہ اس میں ۱۱۳ گرین یعنی (۷ ماشہ ۴ ½ رتی) سونا ہے نیز اُس کی قیمت میں کسی کمی بیشی کا امکان نہیں ہے۔ اس میں جتنا سونا ہے اُتنی ہی اُس کی قیمت ہے اور گورنمنٹ کو اُس کی قیمت میں کسی ایسی مداخلت کا موقع نہ ملے گا جیسی کہ وہ گزشتہ دس سال سے روپیہ کی قیمت میں کرتی رہی ہے۔" اس کے بعد مسٹر میڈن نے معیار طلا کے بابت کہا کہ پچھلے معیار کے مقابلہ میں یہ ترقی نہیں بلکہ تنزل ہے کیونکہ لڑائی سے پہلے تو روپیہ بھی چلتا تھا اور لاکھوں کی تعداد میں ساورن بھی چلتا تھا لیکن اب معیار طلا قائم کر کے ساورن کو لیگل ٹنڈر بھی نہیں رکھا گیا ہے (جس سے اس کے چلنے کا امکان باقی نہیں رہا) البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ آپ سکہ کے تبادلہ میں سونا لے سکیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ کم از کم چار سو اونس (قریب ۱۰۶۶ تولہ) لیں۔ آپ یہ بتلایئے کہ اس مجلس میں کتنے آدمی ایسے ہیں جو اس مقدار میں سونا خرید سکتے ہیں۔ یہ تو محض ایک دھوکہ ہے اگر ہم اس پر رضامند ہو گئے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان میں سونے کا سکہ کبھی بھی نہیں چلے گا نہ ہم سونا لے سکیں گے نہ دے سکیں گے اور دس پانچ برس کے بعد ہم سے کہدیا جائے گا کہ تم اپنا کام بلا سونے کے سکہ کے چلا سکتے ہو اس لیئے آئندہ پچاس سال تک سونے کے سکہ کی ضرورت نہیں ہے اور بالآخر نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیشہ سکہ میں مداخلت ہوتی رہے گی اور عوام کو پتہ بھی نہ چلے گا۔

ممبران کمیشن کہتے ہیں کہ اُنھوں نے سونے کا سکہ چلانے کی بابت بہت غور کیا لیکن اس نتیجہ پر پہونچے کہ اس کو فی الحال شروع نہیں کر سکتے۔ لیکن جو طریقہ اُنھوں نے غور کرنے کا اختیار کیا جب وہی غلط تھا تو نتیجہ تو یہ ہونا ہی تھا۔ ان کے خیال میں ضروری ہے کہ جتنا روپیہ اس وقت ہندوستان میں چل رہا ہے اس سب کو واپس لیکر اس کی جگہ سونے کا سکہ چلایا جائے اور چونکہ اس میں سونے کی بہت زیادہ ضرورت پڑے گی جسے اس وقت امریکہ اور انگلستان دینے کو تیار نہیں ہے اس لیئے وہ نہیں چلایا جا سکتا) مگر میں کہتا ہوں کہ اس طریقہ کی ضرورت

نہیں ہے۔ ہماری حالت تو آج کل تقریباً وہی ہے جو ۱۸۷۹ء میں امریکہ کی تھی جب اُس نے معیار طلا اختیار کیا تھا۔ اُس زمانہ میں امریکہ میں بھی بکثرت چاندی کا سکہ رائج تھا اور امریکہ کے پاس بھی اتنا سونا نہ تھا کہ اُس سے تمام چاندی کے سکہ کو سونے کے سکہ میں بدل سکتا۔ پس جو اُس وقت امریکہ نے کیا تھا (کہ چاندی کے سکہ کے ساتھ ساتھ سونے کا سکہ چلا دیا تھا) آج ہم بھی ویسا ہی کر سکتے ہیں۔ اور یہی وہ بات ہے جو مسٹر جیمین گورنر فیڈرل ریزرو بنک نیویارک نے اپنے بیان میں کہی ہے"

روپیہ کی قیمت کے تعین کی ضرورت شرح تبادلہ کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر میڈن نے کہا کہ فاولر کمیٹی کی رپورٹ کے بعد جب یہ طے ہو گیا کہ ہندوستان میں بجائے معیار چاندی کے معیار طلا قائم کیا جائیگا تو اُس وقت بھی معیار کے بدلنے میں یہی مشکلات پیش آئی تھیں جو اس وقت پیش آ رہی ہیں۔ اُس وقت بھی یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا کہ چاندی کے روپے کو واپس لیکر سونے کا سکہ رائج کیا جائے چنانچہ اس وقت کے رفع کرنے کے لیئے ہی روپیہ کی قیمت متعین کرنے کی ترکیب نکالی گئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ روپیہ کو سونے کے سکہ کا جزو قرار دیدیا جائے۔ اسی لیئے قانوناً روپیہ ۳۔۵۷ گرین (یعنی تقریباً ۴ رتی) سونے کے برابر مقرر کر دیا گیا اور اس کے بعد ہمیشہ ہندوستان کا معیار معیار طلا رہا اور روپیہ ایک ساورن کا پندرھواں حصہ رہا چنانچہ جب کبھی یہ کہا جاتا تھا کہ ہم کو پندرہ سو روپے لینے یا دینے ہیں تو اُس کا مطلب یہ تھا کہ سو ساورن لینے یا دینے ہیں اور جتنے معاہدات ہوتے تھے اسی بنا پر ہوتے تھے۔ اب گورنمنٹ روپیہ کو (بجائے ۱۶ پنس کے) ۱۸ پنس (یعنی ۴½ رتی) کا کرنا چاہتی ہے یعنی پندرہ سو روپے کی مالگذاری کے نام سے بجائے سو پونڈ کے ۱۱۲½ پونڈ وصول کرنا چاہتی ہے۔ جو بہت بُرا ہے لیکن یہ بُرائی اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے جب وہ غریب کسان کو مجبور کرتی ہے کہ اسی شرح سے اپنے قرضے بھی ۱۲½ فی صدی بڑھا کر ادا کرے (کیونکہ اُس بیچارہ کی تو جنس کی قیمت بھی بقدر ۱۲½ فی صدی کم ہو جاتی ہے) ہماری آبادی کے جس سب سے بڑے طبقہ پر اس کا اثر پڑتا ہے وہ کاشتکاروں کی آبادی ہے جن کے قرضوں کا تخمینہ قریب ۸۰۰ کروڑ روپے کے کیا جاتا ہے اس تبدیلی سے ان قرضوں میں ۱۰۰ کروڑ کا اضافہ ہو جاتا ہے یعنی جب کبھی ان کاشتکاروں کو قرضہ ادا کرنا ہوگا تو ۸۰۰ کروڑ کی ادائگی میں جو جنس ان کو دینی پڑے گی اُس کی قیمت پہلی شرح سے ۹۰۰ کروڑ کی ہوتی ہے۔

اگر کسانوں کا سود ایک روپیہ سیکڑہ ماہوار لگایا جائے (جو واقعی شرح سے بہت کم ہے) تو سالانہ سود ہی کی رقم اس ۲ پنس کی تبدیلی سے بجائے ۹۶ کروڑ کے ۱۰۸ کروڑ روپے ہو جائے گی یعنی صرف سود میں ۱۲ کروڑ روپے سالانہ کا اضافہ ہو جائے گا۔

کاشتکاری کی زیادہ آمدنی کا اثر سر بیسل بلیکٹ ہم سے کہتے ہیں کہ اجناس کی قیمتیں بڑھ جانے کی

وجہ سے اب کاشتکار کی حالت ایسی اچھی ہو گئی ہے کہ وہ اس طرح سے بڑھے ہوئے مطالبات آسانی سے ادا کر سکتا ہے (اگرچہ یہ درست نہیں ہے) تاہم جو لوگ اس قسم کی بحث کرتے ہیں وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ معاہدات کے بنیادی اصول کو بھی وہ توڑ رہے ہیں۔ ہم کاشتکار سے یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ تجھے آمدنی زیادہ ہو گئی ہے (اپنے ساہوکار) کو بھی زیادہ دینا چاہیئے جنس کی جو قیمت کاشتکار کو ملتی ہے وہ تو ایسی ہی ہے جیسے کسی دوسرے شخص کو اُس کی محنت کا معاوضہ ملتا ہو پس یہ دلیل اگر ہم کاشتکار کے سامنے پیش کر سکتے ہیں تو دوسروں کے سامنے پیش کرنے میں بھی کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے۔ مثلاً کسی شخص نے دو ہزار روپے قرض اُس زمانہ میں لیے جبکہ اُس کی تنخواہ دو سو روپے ماہوار تھی یعنی قرضہ دس ماہ کی تنخواہ کے برابر تھا مگر کچھ دن بعد اُس کی تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار ہو جاتی ہے تو کیا ہم اُس سے اب یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُسے قرضہ بجائے دو ہزار کے تین ہزار ادا کرنا چاہیئے۔ ذرا خیال کو اور وسیع کیجیے اور فرض کیجیے کہ ایک شخص نے تین ہزار روپے ایسے وقت میں قرض لیے کہ اُس کی تنخواہ تین سو روپے ماہوار تھی مگر گردش زمانہ سے گھٹ کر دو سو ماہوار تنخواہ رہ گئی تو کیا وہ قرضخواہ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ بجائے تین ہزار کے صرف دو ہزار لے لے۔ آپ کہیں گے کہ یہ تو بالکل نامعقول بات ہے۔ پس جو لوگ آج یہ کہتے ہیں کہ کاشتکار چونکہ زیادہ کمائی کرتا ہے اُس کو روپیہ بھی زیادہ دینا چاہیئے اُن کو کل جب اُس کی کمائی کم ہو جائے یہ بھی کرنا چاہیئے کہ اُس سے کم لے لیں یعنی جب اجناس کی قیمتیں ۳۳ فی صدی گھٹ جائیں تو ساہوکار بھی اُن سے اپنے قرضہ کا ۲/۳ لیکر فارغخطی دے دے کیا ایسا ہونا ممکن ہے اور اس کو کوئی گوارا کر سکتا ہے

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ آج یہ دلائل پیش کر رہے ہیں وہ اس معاملہ کو سنجیدگی سے پیش کرتے ہیں یہ تو صرف اس لیے ہے کہ مجوزہ تبدیلی (جو بیجا مداخلت کر کے گورنمنٹ نے پیدا کی ہے) قائم کرنے کے لیے ہم کو پھسلا لیا جائے۔

قیمتوں کا قائم ہونا اور روپے کی قلت کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کہنا کہ کاشتکار کو اس شرح سے کچھ نقصان ہے صحیح نہیں ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ چیزوں کی قیمتیں قائم ہو چکی ہیں اس لیے کاشتکار کو کچھ نقصان نہیں ہے اگر واقعہ یہی ہے تو بقول گورنمنٹ کے شرح تبادلہ میں اس کو ۴ کروڑ کا فائدہ کہاں سے ہوتا ہے۔ کن لوگوں کی جیبیں خالی کی جاتی ہیں۔ کیا یہ نفع آسمان سے برستا ہے؟

بعض لوگ صحیح ہو یا غلط یہ بھی کہتے ہیں کہ ۱۸ پنس کی شرح تبادلہ تو دو برس سے قائم ہے۔ اور ایسا کہنے والے زیادہ تر انگریز ہیں اس لیے میں اُن سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر کوئی غلط فعل دو برس کر لیا جائے تو کیا پھر وہ غلط نہیں رہتا اور اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو جرمنی تو بلجیم پر پانچ برس تک قابض رہا تھا مگر پھر بھی برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے جرمنی کو بلجیم سے باہر نکالنے کے لیے بڑی بڑی قربانیاں کیوں کی تھیں؟

علاوہ بریں گورنمنٹ نے (۱۸ پنس شرح تبادلہ برقرار رکھنے کے لیے) روپے میں جو کمی کی ہے وہ بھی قابل غور ہے۔ اپریل ۱۹۲۶ء سے اس وقت تک ۲۰۰۲ کروڑ روپیہ کی کمی کی جاچکی ہے۔ سر بیسل بلیکیٹ نے کہا تھا کہ تقلیل کے لیے ۲۵ کروڑ کی مقدار بہت زیادہ ہوگی سر نارکوٹ وارن نے جو کمیشن کے ممبر بھی تھے کہا تھا کہ اس کی تعداد دس کروڑ سے زیادہ نہیں ہوسکتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اچھی بارش اور عمدہ فصل ہونے کے اس قدر تقلیل کی گئی ہے۔ .... اگر ایک دو سال فصل خراب ہوگئی تو خدا جانے گورنمنٹ کیا کرے گی۔ انہیں وجوہات کی بنا پر گورنمنٹ کی پالیسی کے خلاف سخت احتجاج کی ضرورت ہے۔"

مسٹر جادو ناتھ رائے اور امیر چند کا اختلاف

مسٹر جادو ناتھ رائے ممبر بنگال نیشنل چیمبر نے اس رزولیوشن کی مخالفت کی اور کہا کہ جرمنی اور فرانس جیسے ممالک باوجود اپنی دولت مندی اور دیگر ذرائع کے مارک اور فرینک کی قیمت کے گھٹاؤ کو نہ روک سکے تو پھر آپ روپے کی قیمت کو کیوں گھٹاتے ہیں۔ سر سوامی آئیر نے یہ بات خوب ثابت کردی ہے کہ کاشتکار صرف مال کا پیدا کرنے والا ہی نہیں ہے بلکہ وہ (دیگر) مال کا خریدار بھی ہے۔ اور بالعموم اُس کی خریداری کی حیثیت مال پیدا کرنے والی حیثیت سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ۱۶ پنس شرح تبادلہ سے کاشتکار کو نقصان ہوگا۔ جہاں تک (ملک کی) مصنوعات کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ ۱۶ پنس کی شرح سے فائدہ ہوگا لیکن ایسی مصنوعی امداد سے مصنوعات کو کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی تو باہر کے مال پر زیادہ محصول لگا کر امداد کی جاسکتی ہے جیسا کہ اب بھی کیا جارہا ہے۔

مسٹر امیر چند نے جو دہلی کے تاجران پارچہ کے نمائندہ تھے کانفرنس سے اپیل کی کہ خواہ شرح تبادلہ کچھ ہی ہو مال درآمد کرنے والے صرف یہ چاہتے ہیں کہ شرح مستحکم ہونی چاہیے۔ ان کے آئندہ کئی مہینوں کے معاہدے ۱۸ پنس شرح تبادلہ پر طے ہوچکے ہیں اگر دفعتاً شرح تبادلہ پھر ۱۶ پنس کردی گئی تو انہیں ۱۹۲۱ء کی طرح سخت نقصانات ہوں گے اس لیے سال بھر تو اس شرح کے قائم رکھنے کا گورنمنٹ کو موقع دینا چاہیے۔ اگر اس دوران میں گورنمنٹ خزانوں کی مقدار قائم نہ رکھ سکی اور اس میں کامیاب نہ ہوئی تو وقت آئے گا کہ اس کا تدارک سوچا جائے۔

سر پرشوتم داس کی تقریر

ان کے بعد سر پرشوتم داس نے تقریر کی اور کہا کہ افسوس ہے کہ مسٹر جادو ناتھ رائے نے مخالفت تو کی لیکن اپنی تائید میں کچھ دلائل پیش نہ کیں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ۱۸ پنس کی تائید کیوں کرتے ہیں اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ مخالفت وہ اپنی ذاتی حیثیت سے کر رہے ہیں یا بنگال نیشنل چیمبر آف کامرس کی جانب سے۔

مسٹر جادو ناتھ رائے۔ میں نے اپنی ذاتی حیثیت سے مخالفت کی ہے۔

سر پرشوتم داس۔ یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کیونکہ ہمارے پاس چیمبر مذکور کی زبانی اور تحریری شہادتیں موجود ہیں

بنگال چیمبر کی رائے جو اُنھوں نے کرنسی کمیشن کے سامنے دی تھیں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ اُنھوں نے نہ ۱۶ پنس کی مخالفت کی اور نہ ۱۸ پنس کی موافقت۔ بلکہ کمیشن کے پریسیڈنٹ نے ان کے نمائندہ سے ایک سوال کیا تھا کہ آپ کے خیال میں ملک میں چیزیں کس شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہو چکی ہیں۔" تو اُنھوں نے جواب دیا تھا "۱۶ پنس کے مطابق" اس پر پریسیڈنٹ نے دوسرا سوال کیا" اس سے معلوم ہوتا ہو کہ ۱۸ پنس کے مطابق قیمتیں قایم نہیں ہوئی ہیں" تو اُنھوں نے جواب دیا تھا کہ "ہاں"، یہ شہادت ۴ جنوری ۱۹۲۶ء کو ہوئی تھی تو اب سال بھر میں قیمتیں کیسے قایم ہوگئیں۔

مال درآمد کرنے والوں کا فرض سر پرشوتم داس نے مسٹر امیر چند کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہم کو مال درآمد کرنے والوں سے پوری ہمدردی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مال درآمد کرنے والوں کا یہ خیال ہو کہ شرح تبادلہ کم ہو جانے سے ان کو نقصان ہوگا۔ لیکن میں مسٹر امیر چند سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا اُن کی انجمن Delhi Importers Association نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہو کہ اس کی کیا وجہ ہو کہ باوجود چار سال کی مسلسل اچھی فصلوں کے اور مال بھیجنے میں ہر قسم کی سہولتیں تاجروں کو بہم پہونچانے کے بھی ہندوستان میں درآمد کے مال کی بکری بہت کم ہو (اس کی وجہ یہ ہی تھی کہ ۱۸ پنس کی وجہ سے کاشتکاروں کو نقصان تھا جس کی وجہ سے لوگوں کی قوت خرید کم ہوگئی تھی) اندریں حالات دہلی ایسوسی ایشن کو چاہیے کہ چند دنوں کے لیے یا ۱۸ پنس کی کمی بیشی سے منافع حاصل کرنے کے خیال کو چھوڑ کر مستقلاً شرح تبادلہ کو فوراً طے کرا دینے کی سعی میں ہم سب کے ساتھ ہو جائیں۔ درآمد کرنے والوں کے لیے بھی اس معاملہ کا فوراً طے ہونا بہت ضروری ہو لیکن جو تصفیہ ہو وہ تمام ہندوستان کے فائدہ کا خیال رکھ کر ہونا چاہیے کسی ایک جماعت یا فرقہ کے فائدہ کے لیے نہیں ہونا چاہیے............ ۱۶ پنس شرح تبادلہ جب تک کہ گورنمنٹ نے ارادتاً اس کو زیادہ نہ کر دیا ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۶ء تک قایم رہی...............

مسٹر ہلٹن ینگ پریسیڈنٹ کمیشن کی شہادت مسٹر بلیکٹ نے اپنی ایک تقریر میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ کاشتکاروں کے لیے شرح تبادلہ ۱۶ پنس ہو خواہ ۱۸ پنس ایک ہی جیسی ہے...........
لیکن اس کے خلاف رائٹ آنریبل مسٹر ہلٹن ینگ پریسیڈنٹ کرنسی کمیشن کی شہادت موجود ہو۔ صاحب موصوف اخبار "مالی خبریں" (Financial Ne) کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ اسی اخبار کے ۱۸ اگست کے پرچہ میں ایک صاحب مسٹر ہلٹن نے ایک خط چھپوایا تھا جس میں لکھا تھا کہ اسمبلی میں جو قانون پیش کیا گیا ہو وہ کاشتکاروں کے لئے مضر ہو کیونکہ اس سے اُن کا بار بڑھ جائے گا۔ اس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ اگر قانونی طور پر شرح تبادلہ ۱۸ پنس کی جاتی ہو تو قانون کے نفاذ ہوتے ہی ای کے اعتبار سے مالگذاری میں تخفیف ہونا ضروری ہو۔ اس

خط پر ایڈیٹر صاحب کا نوٹ یہ تھا کہ "اگر موجودہ کرنسی بل منظور کیا جاتا ہے تو ۱۶ پنس کی بنا پر تشخیص شدہ مالگذاری کی نظر ثانی کرنی ضروری ہوگی"۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ کاشتکار کا کچھ نقصان نہیں ہے بالکل غلط ہے۔

یورپینوں اور اخبارات کی رائے | اس کے بعد مسٹر پرشوتم داس نے کہا کہ بہت سے اخبارات جو پہلے ۱۶ پنس کی شرح کے خلاف تھے اب اس امر کا اظہار کر رہے ہیں کہ ممبر مالیات کی یہ غلطی تھی کہ جب ستمبر ۱۹۲۴ء میں ۱۶ پنس کی شرح قائم ہوگئی تھی تو اُس کو قائم نہ رکھا۔ اور سب کو یہ معلوم ہے کہ کیا کیا کارروائیاں کر کے روپیہ کو ۱۸ پنس کی شرح پر پہونچایا گیا ہے۔ یکم اپریل سے اس وقت تک بقدر ۳۱ کروڑ کے روپے کی قلت کی گئی ہے اور اس کے باوجود بھی ایسے ایسے لوگ ہیں جو کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ روپیہ کو ۱۸ پنس پر قائم کر دینا چاہیئے . . . .

اس معاملہ میں یورپینوں کی خاموشی بہت معنی خیز ہے اگرچہ وہ نجی گفتگو میں ہندوستانیوں سے اتفاق کا اظہار کرتے ہیں لیکن کسی میں اتنی اخلاقی جرات نہیں ہے کہ علانیہ ۱۶ پنس کی تائید کریں . . . .

مسٹر جیسل نے کہا ہے کہ اگر ۱۸ پنس کی شرح منظور نہ کی گئی تو سکہ میں کوئی اور اصلاح نہ کی جائے گی۔ ممبر مالیات کی یہ کوشش کہ شرح تبادلہ ۱۸ پنس کی قائم کی جائے اُس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں بالآخر ۲۴ پنس کی شرح قائم کر دی جائے جس سے ہندوستان کو سخت خطرہ ہے اور ہندوستانیوں کا فرض ہے کہ گورنمنٹ کی اس کوشش کو ناکامیاب بنادیں اُن کو گورنمنٹ سے صاف صاف کہدینا چاہیئے کہ وہ بھی اس مسئلہ کو سمجھتے ہیں اور اپنی بہتری آپ سوچ سکتے ہیں۔

اس کے بعد ریزولیوشن پر ووٹ لیئے گئے اور سب لوگوں کے اتفاق اور صرف تین صاحبوں کے اختلاف سے ریزولیوشن پاس ہوا۔

کرنسی کمیشن کی رپورٹ

اسمبلی میں

جیسا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کرنسی کمیشن نے یکم جولائی ۱۹۲۶ء کو اپنی رپورٹ پیش کی تھی اور ابھی اُس کی اچھی طرح اشاعت بھی نہ ہوئی تھی کہ ۲ اگست ۱۹۲۶ء کو اس کی بنا پر اسمبلی میں ایک بل پیش کیا گیا جو صرف شرح تبادلہ کے تعین ہی کے متعلق تھا باقی سفارشات کو آئندہ موقع کے لئے ملتوی کر دیا گیا تھا۔ سر بیسل بلیکٹ نے اس بل کو پیش کرتے ہوئے مسئلہ کی مختصر تاریخ بیان کی اور جو کوشش جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۰ء میں شرح تبادلہ برقرار رکھنے کی کی گئی تھی اُس کو بھی بیان کیا اور کہا کہ اُس وقت شرح تبادلہ برقرار رکھنے میں جو ناکامیابی ہوئی وہ غیر متوقع نہ تھی۔ کیونکہ اُس زمانہ کے حالات ایسے تھے کہ اُن میں کامیابی کا کوئی امکان ہی نہ تھا۔ اور [illegible] کی تائید میں

سنہ ۱۸۹۳ء کی نظیر پیش کر کے فرمایا کہ جیسے ہرشل کمیٹی کی رپورٹ پر عملدرآمد ہونے کے پانچ سال بعد معیار چاندی کی جگہ معیار تبادلہ طلا قایم ہو گیا تھا اسی طرح اُمید ہے کہ معیار تبادلہ طلا کی جگہ ہلٹن کمیشن رپورٹ پر عملدرآمد ہونے سے تیس سال کے اندر ہی ہندوستان میں اصل معیار طلا قایم ہو جائے گا۔ سر بیسل نے پارٹیوں سے اپیل کی کہ ایک دوسرے کو بے ایمان نہ سمجھیں نہ ایک دوسرے پر نامناسب حملہ کریں نیز عام طور پر جو مشہور تھا کہ "ہندوستانیوں کا نقطۂ نگاہ تو یہ ہے کہ ۱۶ پنس کی شرح ہونی چاہیئے اور غیر ہندوستانیوں کی یہ رائے ہے کہ ۱۸ پنس ہونی چاہیئے" اُس کو بالکل بے بنیاد اور سراسر غلط بتلایا۔ اور بل کو عجلت کے ساتھ پیش کرنے کے متعلق جو اعتراضات گورنمنٹ پر کیے جاتے تھے اُن کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ گورنمنٹ اور پبلک دونوں ہی کو اس بل پر غور کرنے کے لیے زیادہ وقت کی ضرورت تھی لیکن فصل کا زمانہ قریب ہے اور تجارت کے لیے شرح تبادلہ کا قیام ضروری ہے۔ اس لیے عجلت سے بل کے پیش کرنے کی بھی سخت ضرورت تھی۔

دیوان بہادر رنگا چاریہ کی تجویز دیوان بہادر رنگا چاریہ نے تجویز پیش کی کہ چونکہ معاملہ اہم اور پیچیدہ ہے اس لیے بل کو اسمبلی میں پیش کرنے سے پہلے اس کے متعلق رائے عامہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے نیز اُنھوں نے کہا اگرچہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ملک میں چیزوں کی قیمتیں اس شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہو گئی ہیں تو یہ شرح قایم رکھی جانی چاہیئے لیکن اصل امر متنازعہ تو یہی ہے کہ آیا قیمتیں اس شرح پر قایم ہو چکی ہیں یا نہیں۔ اپنے بیان کی تائید میں اُنھوں نے سر اسٹینلی ریڈ کی شہادت پڑھ کر سنائی جس میں صاحب موصوف نے کہا تھا کہ گورنمنٹ نے قصداً کمیشن کی تحقیقات کے دوران میں شرح تبادلہ کو ۱۸ پنس سے گرنے نہیں دیا تھا۔ اور جب ایسے شخص کی شہادت یہ ہو تو یہ کہنا دشوار ہے کہ شرح تبادلہ واقعی ۱۸ پنس ہی ہے دوسرا اعتراض دیوان بہادر نے یہ کیا کہ گورنمنٹ نے کمیشن کی سفارشات میں سے صرف ایک شرح تبادلہ کو لیکر اس کا تو قانون پیش کر دیا اور باقیماندہ سفارشات کو ترک کر دیا۔

بل کا التوا سر الکزنڈر مڈیمن نے ممبر مالیات کی تائید کی اور کہا کہ اگر سب لوگوں کی یہی رائے ہو کہ اس وقت بل ملتوی کر دیا جائے تو گورنمنٹ کو بھی کچھ عذر نہ ہوگا۔ چنانچہ اتفاق رائے سے بل ملتوی ہو گیا۔

اسمبلی کے دوسرے سیشن میں ممبروں کا بل کو جلد پیش کرنے کا مطالبہ جنوری سنہ ۱۹۲۷ء میں اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو ہندوستانی ممبروں کا خیال تھا کہ کرنسی بل شروع ہی میں پیش کر دیا جائے گا اور اس پر خوب دل کھول کر بحثیں کی جائیں گی کیونکہ دوران التوا میں اس بل سے ملک میں بہت دلچسپی پیدا ہو چکی تھی۔ لیکن گورنمنٹ نے اس کے پیش کرنے میں ڈھیل ڈالنا شروع کی اور اس بل کے علاوہ ریزرو بنک کے متعلق ایک دوسرا بل تیار کیا جس میں کمیشن کی قریب قریب جملہ سفارشات کے مطابق دفعات رکھی

گئی تھیں اور اس کو ۲۵ جنوری ۱۹۲۷ء کو اسمبلی میں پیش کر دیا۔ چونکہ اس پر زیادہ غور و خوض کی ضرورت تھی اس لئے اس کو بغرض رپورٹ ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ مگر اس موقعہ پر ممبران اسمبلی نے پہلے بل کے جلد پیش کئے جانے کا مطالبہ کیا۔ ممبروں کو یہ شبہ ہوا کہ بل کے التوا میں ڈالنے سے گورنمنٹ کی غرض یہ ہے کہ آئندہ سال کا بجٹ ۱۸ پنس کی شرح سے مرتب کر کے پیش کر دے اور اس کے پاس ہو جانے کے بعد اس بل کو پیش کرے گی تاکہ ممبر اس "پیچ" میں پڑ جائیں کہ اگر شرح تبادلہ کے بل کو نامنظور کر کے ۱۶ پنس کی شرح تبادلہ کے لئے ووٹ دیتے ہیں تو گورنمنٹ کہے گی کہ بجٹ کی کمی پوری کرنے کے لئے مزید ٹیکس لگانے کی ضرورت ہے۔

صوبجاتی گورنمنٹوں کو بھی زیادہ رقم مرکزی گورنمنٹ کو دینی پڑے گی۔ جس کی وجہ سے وہ بھی اس کے خلاف احتجاج کرینگی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ شرح تبادلہ کا بل جس کا اثر سالہا سال تک ہندوستان پر پڑنے والا ہے بعض لوگ فوری ضرورتوں اور ایک سال کے بجٹ پاس ہو جانے سے متاثر ہو کر ماننے کے لئے تیار ہو جائینگے اور بل پر آزادانہ بحث مباحثہ نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ ۲۵ تاریخ کو سر پرشوتم داس نے اپنی تقریر میں گورنمنٹ کے اس رویہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ "گورنمنٹ کے اس تصفیہ سے کہ کرنسی بل اسمبلی میں بجٹ پیش ہو جانے کے بعد پیش کیا جائے یہ شبہ قوی تر ہو جاتا ہے کہ گورنمنٹ یہ نہیں چاہتی کہ بل پر آزادانہ بحث کی جا سکے" نیز مطالبہ کیا کہ "اسمبلی کو جلد از جلد اس بل پر مباحثہ کرنے کا موقع دیا جانا چاہیئے ممبر مالیات ۱۸ پنس کے حساب سے بجٹ بنا کر پیش کریں گے اور پھر فرمائیں گے کہ یہ تو ہو چکا اور اب اس کو ۱۶ پنس کے حساب کے مرتب کرنے کا وقت نہیں رہا ہے کیونکہ بجٹ کا ۳۱ مارچ سے پہلے پاس ہو جانا ضروری ہے۔"

بہت سے دوسرے ممبروں نے بھی اپنی تقریروں میں اس مطالبہ پر زور دیا۔ اور اس روز تو معاملہ اس گفتگو پر ختم ہو گیا۔

۱۷ فروری ۱۹۲۷ء کو گورنمنٹ کا جواب | مگر گورنمنٹ نے اس بارہ میں اپنا اظہار خیال ضروری سمجھا اور ۱۷ فروری ۱۹۲۷ء کو ممبر مالیات نے اسمبلی میں بیان دیا کہ "گورنمنٹ نے کرنسی بل کے طریقہ کار کے متعلق نیز ممبران اسمبلی نے اس پر ۲۵ جنوری ۱۹۲۷ء کے مباحثہ میں جو اس پر اظہار رائے کیا تھا اُس پر بہت غور کیا ہے . . . . اور گورنمنٹ چاہتی ہے کہ اس معاملہ میں وہ اپنی پوزیشن صاف کر دے اور مختصراً وہ وجوہ جن کی بنا پر گورنمنٹ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ کرنسی بل ۱ مارچ کو پیش کیا جائے بیان کر دینا ضروری ہے"

جیسا کہ بہت سے معزز ممبروں کو معلوم ہوگا گورنمنٹ ہر سال بجٹ کے خاص خاص امور وسط جنوری میں طے کر لیا کرتی ہے تب اتنا وقت ملتا ہے کہ بہت محنت و مشقت سے بجٹ اور تفصیلی تخمینہ جات تیار کر کے ۲۸ فروری تک پیش کیے جا سکتے ہیں۔ چونکہ اسمبلی نے پچھلے اگست میں کرنسی بل کو ملتوی کر دیا تھا اس لیے ۱۹۲۷ء – ۱۹۲۸ء کا

بجٹ سوائے اس کے کسی دوسری شرح تبادلہ کے مطابق تیار کرنے کا امکان ہی نہیں رہا۔ اگر شرح تبادلہ
گھٹا کر ۱۶ پنس کر دی جاتی ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کا اثر بجٹ پر بہت خراب پڑے گا۔ لیکن اس سے کچھ
فرق نہیں پڑ سکتا کہ شرح تبادلہ بجٹ پیش ہونے سے پہلے طے ہوتی ہے یا بعد میں . . . . البتہ
اگر بجٹ پیش ہونے سے پہلے شرح تبادلہ کا بل پیش کیا جاتا تو اُس پر بحث کرنے کے لیے وہ اعداد و شمار نہ ہوتے
جو کہ گورنمنٹ کے علم میں تو ہیں لیکن قبل از وقت ہونے کی وجہ سے ان کو گورنمنٹ پیش نہیں کر سکتی حالانکہ وہ ایسے اہم
ہیں کہ فیصلہ کرنے سے پہلے ان کا جاننا ضروری ہے۔ اس کے برخلاف جب بجٹ پیش ہو چکے گا تو ممبروں کو
ملک کی مالیات کا صحیح اور مکمل اندازہ ہو چکے گا اور اُس وقت جو فیصلہ وہ شرح تبادلہ اور بجٹ کے متعلق کریں گے
وہ تمام اہم معاملات پر غور کر کے کریں گے . . . . . .

گورنمنٹ کے خلاف ملامت کا ووٹ | ہندوستانی ممبران اسمبلی میں اس اعلان سے بہت ہیجان پیدا ہوا
اور ۱۰ فروری کو شام کے ۴ بجے مسٹر جمنا داس مہتہ نے اس کے متعلق تحریک التوا اور ملامت کا ووٹ پیش کیا
اور کہا کہ گزشتہ سال اگست میں تو گورنمنٹ نے اچانک بل پیش کر کے پاس کرانے کی کوشش کی تھی لیکن جب
اسمبلی نے بل کو ملتوی کر دیا تو اس معاملے کے اور بہت سے ماہرین پیدا ہو گئے جس کی سر بیسل کو توقع نہ تھی۔ اب کہ
سر بیسل دیکھ رہے ہیں کہ معاملہ زیادہ گرم ہو گیا ہے اور ہمیشہ التوا مشکل ہے تو اس کو چھوڑ بیٹھے . . . .
التوا کا اصل مقصد یہی ہے کہ اسمبلی کو مجبور کر کے ممبر مالیات کی پیش کردہ شرح تبادلہ کو منظور کرا لیا جائے . . .
. . . . . . مسٹر جیاکار نے اس تجویز کی تائید کی۔

سر بیسل بلیکٹ نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ گورنمنٹ کو یہ حق ہے کہ شرح تبادلہ سے جو اثر ہندوستان کے
موافق یا مخالف بجٹ پر پڑنے والا ہے اس کو ممبران کے سامنے پیش کرے۔ جو تجاویز [illegible] مطالبات مجھے
اُن میں جو کمی کی گئی ہے وہ اسی کے منشا کے موافق کی گئی ہے اور آج اسمبلی میں جو کارروائی کی جائے گی اس سے
گورنمنٹ کی کارروائی پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ گورنمنٹ پر [illegible] اور [illegible] کا الزام [illegible]
جس جوش و خروش کا اظہار کیا جا رہا ہے [illegible] مقصد کیا ہے [illegible] حامی حضرات [illegible]
ہیں بحث و مباحثے [illegible] وہ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ اسمبلی سے شرح تبادلہ کے اثرات کو مخفی رکھ کر
مجبور کر سکتا [illegible] اور ناواقفیت کی حالت میں شرح تبادلہ پاس کرا لی جائے [illegible]
[illegible] کرتا ہوں کہ اس معاملہ [illegible] جلدی کی کوئی ضرورت نہیں [illegible] کچھ فائدہ
نہیں ہوگا۔

[illegible] نے کہا کہ ۵ [illegible] سے جبکہ اسمبلی کو یہ معلوم ہوا کہ ممبر مالیات شرح تبادلہ

کے لیئے بجٹ کو آڑ بنا دیں کے اسی وقت سے اسمبلی کی رائے ہے کہ ممبر مالیات شرح تبادلہ کو جن مصنوعی طریقوں سے برقرار رکھ رہے ہیں اُن کو وہ استعمال نہ کرنے چاہئیں۔

سرکاری ممبران۔ کیوں ؟

سر پرشوتم داس ٹھاکر داس:- اس لیے کہ شرح تبادلہ ایک بجٹ کے لیئے نہیں ہے بلکہ پچاسوں برس کے واسطے ہے کیا آپ ضمانت کرنے کے لیئے تیار ہیں کہ ۱۸ پنس کی شرح تبادلہ کی وجہ سے بجٹ میں آئندہ کبھی بھی آپ کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد کمی نہ ہوگی۔ یا آپ کی خواہش صرف اتنی ہے کہ آپ کے زمانہ میں بجٹ درست رہے اور آپکے جانے کے بعد خواہ وہ کیسے ہی طوفان میں مبتلا کیوں نہ ہو جائے۔ آپ کی بلا سے۔

عرضکہ اسی طرح کے بحث مباحثہ کے بعد ۵۰ [illegible] ووٹ لیئے گئے ملامت کی تجویز ۲۵ ووٹ کی موافقت سے بخلاف ۵۴ ووٹ کے پاس ہو گئی۔

بجٹ کی پیشی | فروری کے تیسرے ہفتہ میں ریلوے بجٹ پیش کیا گیا جو ۱۸ پنس کی شرح سے تیار کیا گیا تھا اس کے ساتھ ایک نوٹ بھی تھا جس میں واضح کیا گیا تھا کہ اگر شرح تبادلہ بجائے ۱۸ پنس کے ۱۶ پنس کر دی گئی تو ریلوے کو کیا کیا نقصانات پہونچیں گے جن کا نتیجہ یہ تھا کہ ریلوے میں ۲ ۱/۲ کرور روپیہ کی کمی پڑے گی جس سے سال رواں میں بجائے ایک کروڑ ۲۹ لاکھ منافع کے ایک کرور پچاس لاکھ کا نقصان رہے گا۔

اس مسئلہ پر زیادہ تر بحث سر پرشوتم داس اور سر وکٹر سیسون نے کی اور ثابت کیا کہ شرح تبادلہ کے اثرات بہت مبالغہ سے بیان کیئے گئے ہیں۔ واقعی طور پر ۱۶ پنس کی شرح قائم کرنے سے ایک کروڑ روپیہ سے زیادہ خرچ کی زیادتی نہیں ہو سکتی۔

۲۸ فروری کو عام بجٹ بھی پیش کیا گیا جس میں ممبر مالیات نے تین کروڑ ۷۰ لاکھ روپیہ کی بچت دکھلائی مگر بقول اُن کے یہ بچت جبھی رہ سکتی ہے کہ شرح تبادلہ ۱۸ پنس رکھی جائے اور ۱۶ پنس کر دینے کی حالت میں بجائے نفع کے ایک کروڑ پچاس لاکھ کا نقصان ہوگا۔ اس بجٹ سے بھی عام طور پر پبلک کو شرح تبادلہ کے مسئلہ کی وجہ سے بہت دلچسپی تھی۔ اور اس پر بڑے زور و شور سے مباحثہ شروع ہوا۔

کرنسی بل دوسری مرتبہ اسمبلی میں | بجٹ پر بحث ہو ہی رہی تھی کہ ۸ مارچ بھی آگئی جس تاریخ میں گورنمنٹ نے کرنسی بل کو مباحثہ کے لیئے دوبارہ پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

اس بل پر جو مباحثہ ہوا وہ ہندوستان کی تاریخ مالیات میں یادگار رہے گا۔ پبلک اور پریس میں بھی اس پر مہینوں پہلے سے بحثیں ہو رہی تھیں اور اس زمانہ میں تو جوش نقطۂ انتہائی پر پہونچ گیا تھا چنانچہ مزاریج کو اسمبلی کی گیلریاں تماشہ دیکھنے والوں سے پٹی پڑی تھیں اور ہر شخص مضطرب نظر آتا تھا کہ دیکھیئے ملک کی قسمت کا

فیصلہ کس طرح ہوتا ہے۔

اس ماحول میں سر بیسل بلیکٹ کرنسی بل پیش کرنے کھڑے ہوئے، اور اپنی تقریر میں اس امر کی وضاحت کی کہ یہ قانون عارضی اور محض اُس وقت تک کے لیئے ہے کہ معیار طلا اور ریزرو بنک کا قانون پاس ہو کر زیر عمل آئے۔ اس بل کا مقصد محض اس قدر ہے کہ روپیہ کی قیمت باعتبار سونے کے بقدر ۸ء۴ء۱۲۵ گرین (۱۸ پنس فی روپیہ) مقرر کردی جائے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے انھوں نے کہا کہ "۱۸ پنس کی شرح قایم کرنے کے موافق یا مخالف خواہ کچھ ہی دلائل کیوں نہ ہوں لیکن ۱۶ پنس کی شرح قایم کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ بات خیال میں نہیں آسکتی کہ بلا کسی معقول وجہ کے یک لخت ہندوستان کے ہر ایک روپیہ میں ہر ایک کرنسی نوٹ میں نیز روپیہ کے وصول کرنے کے استحقاق میں گیارہ فی صدی تخفیف کی حکماً ڈگری دیدی جائے۔ اس بارہ میں اگر کچھ کہا جاسکتا ہے تو صرف یہ کہ یا تو روپیہ کو ۱۸ پنس پر قایم کردیا جائے۔ یا کسی شرح پر بھی قایم نہ کیا جائے۔ اور اگر دوسرا طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے تو گورنمنٹ کو شرح تبادلہ میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرنی چاہیئے۔ تاکہ شرح تبادلہ میں سخت مدوجزر پیدا ہوجائے اور مالیات میں تہلکہ پڑجائے اور ممکن ہے کہ بالآخر کبھی شرح تبادلہ ۱۶ پنس ہوجائے (اگرچہ یہ محال معلوم ہوتا ہے)

اگر ہندوستان کی ایک مقامی پارٹی کے مطالبہ کی وجہ سے روپیہ کی شرح ۱۶ پنس کردی جائے گی تو اس سے فوری طور پر سخت مالی نقصانات ہوں گے۔ قدرتی طور پر مزدوروں میں بے چینی پھیل جائے گی۔ اشیاء کی باعتبار روپیہ کے قیمتیں بڑھ جائیں گی اور زندگی کے اخراجات میں اضافہ ہوجائے گا۔ نیز گورنمنٹ ہند کے بجٹ میں نقصانات عائد ہوجائیں گے جن کی وجہ سے ٹیکس بڑھانے پڑیں گے اور بالآخر (ایک مدت کے بعد) جب حالات ٹھیک ہوجائیں گے تو کسی شخص کو بھی کچھ خاص فائدہ نہ معلوم ہوگا۔ اسمبلی میں اس وقت جو قانون پیش ہے وہ یہ ہے کہ روپیہ کی قیمت ۱۸ پنس مقرر کردی جائے کیونکہ گزشتہ دو سال سے اس کی قیمت یہی رہی ہے۔ جو لوگ اس کے مخالف ہیں بار ثبوت اب اُن پر ہے کہ اس شرح تبادلہ کو کیوں نہ چھپایا جائے۔"

سر بیسل بلیکٹ کے گیارہ نکات

اس کے بعد انھوں نے اپنی دلائل کو ۱۱ نکات میں اسمبلی کے سامنے پیش کیا یعنی

(۱) یہ کہ چاندی کے روپیہ کی سوائے اُس چاندی کی قیمت کے جو اس میں ہوتی ہے اصلی قیمت کوئی دوسری نہیں ہے اور اگر کوئی قیمت اور اس کے سوا مقرر کی جاتی ہے تو فرضی اور مصنوعی ہے۔

(۲) یہ کہ روپیہ کی کوئی شرح تبادلہ مقرر کیوں نہ کردی جائے وہ بالآخر (ایک مدت گزرنے کے بعد) کسی دوسری شرح تبادلہ کے مقابلہ میں مفید (یا مضر) نہیں ہوسکتی۔ نہ اس وقت یہ سوال ہے اور نہ ایسا سوال ہوسکتا ہے کہ مثلاً ۱۸ پنس کی شرح ہندوستان کے لیے مستقلاً ۱۶ پنس یا ۲۰ پنس کی شرح سے زیادہ مفید

یا مضر ہو سکتی ہے۔

(۳) تمام وہ دلائل جو اس یقین پر مبنی ہوں کہ کسی ایک شرح تبادلہ کے مقرر ہونے سے کسی ایک چیز کو مستقلاً فائدہ پہونچیگا یا نقصان بالکل بے معنی ہے۔

(۴) یہ درست ہے کہ بڑھی ہوئی شرح تبادلہ عارضی طور پر درآمد کے مال کو بڑھاتی اور برآمد کے مال کو روکتی ہے لیکن یہ اثر کلیتاً یا جزواً دنیا میں بالعموم چیزوں کی قیمتیں گھٹنے اور بڑھنے سے زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۵ء تک ہندوستان میں ہو چکا ہے۔

(۵) یہ کہ گھٹی ہوئی شرح تبادلہ کا رجحان اس کے برعکس ہوتا ہے لیکن اس کا اثر بھی اسی طرح اور انہی وجوہات سے زائل ہو جاتا ہے جو دنیا میں اشیاء کی قیمتوں کو گھٹا یا بڑھا دیتی ہیں۔

(۶) یہ کہ غیر مستحکم شرح تبادلہ کی وجہ سے تجارت کم ہو جاتی ہے جس سے مال کے پیدا کرنے والوں اور استعمال کرنے والوں دونوں ہی کو نقصان پہونچتا ہے۔ اور (با وجود اس نقصان کے) درمیانی لوگوں (یعنی تاجروں) کو بھی یقینی طور پر کچھ نفع نہیں ہوتا اور وہ (تاجر) بجائے جمے ہوئے کام کرنے کے سٹہ (جیسا) کا ربار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

(۷) ایک مستحکم شرح تبادلہ ہی وہ چیز ہے جس کی ہر شخص کو خواہش ہے اور اسی میں ہر شخص کا فائدہ ہے۔

(۸) آج کل شرح تبادلہ مقرر کرنے کے لیے پہلا سوال یہ ہے "کیا وہ وقت آگیا کہ شرح تبادلہ مقرر کی جائے" کمیشن نے متفقہ طور پر اس سوال کا جواب اثبات میں دیا ہے۔

(۹) اب سوال صرف ایک ہے کہ "کس شرح پر شرح تبادلہ فوراً اور نہایت آسانی سے مقرر کی جا سکتی ہے" اس کا جواب بھی کمیشن نے متفقہ طور پر دیا ہے۔

(۱۰) کمیشن کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اگر اشیاء کی قیمتیں عموماً ۱۸ پنس (کے روپیہ) کے اعتبار سے قایم ہو چکی ہیں تو ہندوستان کا فائدہ اس میں ہے کہ شرح تبادلہ ۱۸ پنس کے حساب سے مقرر کر دی جائے

(۱۱) یہ سب کو تسلیم ہے کہ وقت آگیا ہے کہ روپیہ کی شرح تبادلہ مقرر کر دی جائے لیکن مسئلہ بحث طلب صرف یہ ہے کہ آیا اشیاء کی قیمتیں بالعموم ۱۸ پنس کے روپیہ) کے اعتبار سے قایم ہو چکی ہیں یا نہیں۔

یہ سوال واقعہ ہے اور اسی نوعیت سے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مسٹر سیل نے ان گیارہوں مدات پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے بیان کیا کہ کوئی شرح تبادلہ فطری نہیں ہو چنانچہ ۱۶ پنس شرح تبادلہ کو ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۶ء تک سکہ کو نہایت احتیاط سے چلا کر برقرار رکھا گیا تھا مگر ۱۹۱۷ء کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ۱۶ پنس کی شرح تبادلہ فطری نہ تھی بلکہ اس کے بعد سے روپے کی جو گت رہی ہے

اُس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ ۱۸ پنس شرح تبادلہ ہو جانے سے کاشتکار کو غلہ کی قیمت بہ نسبت ۱۶ پنس کے روپیہ کے ۱۲½ فیصدی کم ملنے کی وجہ سے نقصان ہوگا درست نہیں ہے کیونکہ کاشتکار کو اُس کی جنس کی قیمت میں اگرچہ روپے ضرور کم ملیں گے تاہم جو روپے اُس کو ملیں گے اُن کی قیمت بھی تو زیادہ ہوگی زیادہ قیمت کے روپے کم تعداد میں ملنے سے اُس کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ اس کے بعد اُنھوں نے اس مسئلہ پر بحث کی کہ اشیار کی قیمتیں فی الواقع ۱۸ پنس شرح تبادلہ کے اعتبار سے قایم ہو چکی تھیں یا نہیں اور دعویٰ کیا کہ وہ قایم ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد مسٹر بیل نے ۱۶ پنس کے خلاف جو اعتراضات تھے اُن کو سات سوالات کے روپ میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ ۱۶ پنس شرح تبادلہ قایم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے اس وقت تو ہر شخص کو نقصان پہونچے گا اور دائمی نفع کسی کو بھی نہ ہوگا نیز موجودہ زمانہ میں جو تکالیف لوگوں کو ہوں گی اُس کا نعم البدل کچھ نہ ملے گا۔

اس بل کی مخالفت کی ابتدا پنڈت مدن موہن مالویہ صاحب نے کی۔ اور مختصر سکہ کی تاریخ بیان کرنے کے بعد

بل کی مخالفت میں پنڈت مدن موہن مالویہ صاحب کی تقریر

کہا کہ پہلے روپیہ کی قیمت تیرہ پنس سے جب سولہ پنس کی گئی تھی تو ہندوستانیوں نے اس کو سخت ناانصافی سے تعبیر کیا تھا۔ مگر تعجب ہے کہ ممبر ریاست آج روپیہ کی قیمت ۱۶ پنس سے ۱۸ پنس کر رہے ہیں تو اُس احتجاج کو اپنی موافقت میں پیش کرتے ہیں اور دوسری بہت بڑی ناانصافی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ہندوستانیوں نے اُس بے انصافی کو جو ۱۸۹۳ء میں کی گئی تھی کب تسلیم کیا تھا۔ ہلٹن ینگ کمیٹی کی غلطیوں کو گنوانے کے بعد پنڈت جی نے کہا کہ

"۱۹۲۳ء میں شرح تبادلہ ۱۶ پنس کے قریب تھی اور ممبر ریاست مداخلت کر کے جو کہ شرح تبادلہ کو بڑھا کر ۱۸ پنس کرنا چاہتے تھے مسٹر پرشوتم داس ٹھاکر داس نے نہایت زور و شور سے کمیشن مقرر کیے جانے کی تردید اور روپیہ کی ۱۶ پنس شرح پر مستحکم کر دیئے جانے کی تجویز پیش کی تھی اس کے بعد موجودہ کمیشن مقرر کیا گیا تو اس کے ممبران کے انتخاب ہی سے صاف یہ معلوم ہوتا تھا کہ ۱۸ پنس شرح کی تیاری کر لی گئی ہے چنانچہ باوجود ہر قسم کے احتجاج کیے جانے اور ہندوستانی ممبر کا اضافہ نہ کیا گیا اور کمیشن کی رپورٹ نے صاف بتا دیا کہ اُن کا (ہندوستانیوں کا) اندیشہ بیجا نہ تھا۔" پھر پنڈت جی نے بل کے پیش کرنے کی عجلت اور اس کے بعد تاخیر کیے جانے کے خلاف احتجاج کیا اور کہا کہ "ایسے اہم معاملہ کی بحث کے لیے صرف دو دن رکھے گئے ہیں۔" پنڈت جی نے یاد دلایا کہ [illegible] اس غرض سے بنایا گیا تھا کہ ہندوستان میں معیار طلا قایم کیا جائے لیکن اُس کی خلاف ورزی کی گئی اور ہلٹن ینگ کمیشن نے گورنمنٹ کے اس وعدے کو بالکل نظر انداز کر کے اپنی تجویزیں پیش کی ہیں نیز پنڈت جی نے یاد دلایا کہ

خود گورنمنٹ کے محکمہ مالیات نے بھی سونے کا سکہ ہندوستان میں رائج کیے جانے کی تجویز کمیشن کے سامنے پیش کی تاہم اب وہ اس پر قایم نہیں رہی سونے کے سکہ کی بابت پنڈت جی نے کہا کہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ سونے کا سکہ چلانے کے لیئے کافی سونا نہیں ہے" خود ہندوستان میں اس قدر کافی سونا ہے کہ سونے کا سکہ کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے۔ البتہ ضرورت ہے تو صرف اتنی کہ پبلک کو آپ کے قوانین پر اعتماد ہو جائے اور یہ اندیشہ نہ رہے کہ آپ ان کو فوراً الٹ پلٹ کر دیں گے" پنڈت جی نے کہا کہ سونے کا سکہ رائج کیئے بغیر جو شرح تبادلہ بھی قایم کی جاتی ہے اس میں نقصان ہی نقصان ہے پنڈت جی نے شاستروں کا ایک منتر پڑھ کر بتلایا کہ بادشاہوں کو ملک کے اوزان اور سکہ میں بلا وجہ مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر کل کو ایک سیر ڈھائی پاؤ کا کر دیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ تمام خریدار خوش ہو جائیں گے لیکن ہر وہ شخص جو مال کے پیدا کرنے میں لگا ہوا ہے اس کو نقصان پہونچے گا۔ اور اس کہنے سے کچھ تسلی نہیں ہو سکتی کہ چونکہ مال پیدا کرنے والوں (کاشتکاروں) کو اس کی وجہ سے دو سال سے نقصان ہوتا رہا ہے اور ان کو اس نقصان کے برداشت کرنے کی عادت ہو گئی ہے اس کی کچھ پروا نہیں کرنی چاہیئے۔

سر وکٹر سیسون کی تقریر پنڈت مالویہ جی کے بعد سر وکٹر سیسون نے تقریر کی اور کہا کہ میں کوئی ماہر نہیں بلکہ ان معاملات کا ایک معمولی طالب علم ہوں مگر کاروباری دنیا کے تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ماہروں کی رائے بھی ہمیشہ صحیح ہی نہیں ہوتی ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ خود مجھے اور میرے کاروبار کو بعض اوقات ماہرین کی رائے پر عمل کرنے کی وجہ سے سخت نقصانات پہونچ چکے ہیں۔ اور جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کو بھی یاد ہوگا کہ گورنمنٹ کو بھی بعض اوقات ماہرین کی رائے پر اندھا دھند عمل کرنے سے سخت نقصانات ہوئے ہیں۔ البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ گورنمنٹ کے نقصانات بد قسمت ٹیکس دہندوں پر پڑتے ہیں اور ہم لوگوں کو جو نقصان ہوتا ہے وہ خود ہم کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مزید براں یہ کہ گورنمنٹ میں بیشتر یہی ہوتا ہے کہ ایک افسر جج ہوتا ہے اور جب اس کے پھولنے پھلنے کا وقت آتا ہے تو پنشن یا ولایت کی اور اعلیٰ عہدہ پر چلا جاتا ہے۔ اور تخمینہ بندی کے خراب نتائج پر غصہ کا اظہار کرنے کے لیئے جب عوام کے نمائندہ آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ایک اور نئے صاحب ان کی جگہ آگئے ہیں اور سب کچھ سننے کے بعد فرماتے ہیں غصہ کو جانے دیجئے اس سے کیا فائدہ جو ہونا تھا ہو گیا اب آیندہ کے لیئے غور کیجئے۔ . . . .

شرح تبادلہ بڑھانے کی جو دلائل دی جاتی ہیں وہ تو میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اگر اس شرح تبادلہ بڑھانے سے اگر ہندوستان کو واقعی فائدہ ہو سکتا ہے تو انگلستان کو تو اس سے زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے لہذا آسانی سے وہ یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے سونے کے سکہ کو جاری نہ رکھیں اور ہندوستان کی تقلید کر کے اپنے یہاں سونے کی قیمت اسٹرلنگ سکہ کا عشر سے بڑھا کر امریکہ کے مطالبات ادا کر دیں اور جن ترکیبوں سے روپیہ کی قیمت بڑھائی گئی ہے انھیں ترکیبوں سے ڈالر اسٹرلنگ کی شرح تبادلہ بڑھا کر فائدہ حاصل کر لیں۔ . . . .

حال ہی میں مسٹر کین کا ایک رسالہ جس کا نام مسٹر چرچل کی پالیسی کا اثر اقتصادیات پر ہے میری نظر سے گزرا ہے چونکہ یہ رسالہ دوسرے ممبروں کی نظر سے بھی گزر چکا ہے اس لیئے اس کے متعلق صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہوگا کہ مسٹر چرچل نے ہندوستان کی طرح جنگ عظیم کی شرح تبادلہ سے شرح کو نہیں بڑھایا تھا بلکہ اُس میں محض دس فی صدی کا اضافہ ہی کیا تھا لیکن مسٹر کین کی رائے ہے کہ اس طریقہ سے گورنمنٹ نے مزدوروں کی مزدوری کم کرنے کی کوشش کی ہے . . . .

اور اسی کا نتیجہ تھا کہ کوئلے کے مزدوروں کی ہڑتالیں ہوئیں اور برطانوی تجارت کو نقصان پہونچا . . . .

دوسری بات جو مسٹر کین کی کتاب سے میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مسٹر چرچل کی پالیسی کا اثر یہ ہوا کہ سال بھر میں برطانوی بندرگاہوں پر تو مال کی قیمت سات فی صدی گھٹ گئی لیکن لوگوں کے خانگی اخراجات صرف ۴ فیصدی کم ہوئے انگلستان جیسے چھوٹے ملک میں جہاں کے لوگ کاروبار کو سمجھتے ہیں جہاں بنکوں کی کثرت ہے شرح تبادلہ کا اثر اتنے عرصہ میں صرف ۴ فیصدی پڑا تو ہندوستان جیسے وسیع اور کم تعلیم یافتہ ملک میں جہاں بیل گاڑیاں چلتی ہیں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ دو سال تک ۱۸ پنس کی شرح رکھے جانے سے ہر چیز کی قیمت اسی شرح کے اعتبار سے درست ہو چکی ہے۔

اب میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں فرض کیجئے ایک کاشتکار کو ۱۶ پنس شرح کے اعتبار سے روئی کی ایک مقدار کی قیمت سو روپے ملتی ہے تو اُس کے اخراجات کا اندازہ لگانے سے معلوم ہوگا کہ ۲۲ روپے تو پیداوار کی جگہ سے بندرگاہ تک پہنچانے میں خرچ ہو جاتے ہیں (جس میں کرایہ، مزدوری اور درمیانی لوگوں کا منافعہ شامل ہیں) اور ۷۸ روپے کاشتکار کو ملے جس میں سے ۶۰ روپے اخراجات پیداوار نکل جاتے ہیں تو کاشتکار کا منافعہ خالص ۱۸ روپے رہ جاتے ہیں۔ یہ حالت تو آج سے دو برس پہلے تھی لیکن آج جبکہ روپیہ ۱۸ پنس کا ہوگیا اخراجات تو بدستور ہیں البتہ بکری بجائے سو روپیہ کے ۸۷ ½ رہ گئی ہے اور اس لیئے اس کی خالص بچت بجائے ۱۸ روپیہ کے ۵ ½ روپیہ رہ گئی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ غریب کاشتکار کا منافعہ آٹھواں حصہ نہیں بلکہ دو تہائی گھٹ گیا ہے میں نے روئی کے کاشتکار کی مثال اس وجہ سے لی ہے کہ کاشتکاروں کو بمقابلہ دیگر اجناس کے روئی کی کاشت میں سب سے زیادہ منافعہ ہے۔

ممبر مالیات کے اس استدلال کا کہ اشیاء کی قیمتیں شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہو چکی ہیں جواب دیتے ہوئے اُنھوں نے کہا گورنمنٹ نے جو اعداد خود شایع کیئے ہیں اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خانگی اخراجات میں ابھی تک بہت کم کمی ہوئی ہے جس کے معنے یہ ہوئے کہ اُن اجناس کی قیمتیں جو بیرونی ممالک کو نہیں جاتیں ہنوز ۱۸ پنس کے مطابق قایم نہیں ہوئیں اور اس لیئے ایسے کاشتکاروں کو جو باہر جانے والی اجناس کی کاشت نہیں کرتے ابھی نقصان نہیں ہوا ہے۔ بار بار جو یہ کہا جاتا ہے کہ باوجود شرح تبادلہ بڑھنے کے کاشتکاروں کو نقصان نہیں پہونچا میرے خیال میں اس کا اصلی سبب یہی ہے اور اسی وجہ سے کاشتکاروں کو اُس سے تکلیف نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ جو چیزیں

وہ فروخت کرتے ہیں (اور جو بیرونی ممالک کو نہیں جاتیں) اُن کی قیمتیں شرح تبادلہ کے اعتبار سے ابھی تک نہیں گھٹی ہیں۔ اور اگر ایسا ہی تو یہ دلیل جس کا بار بار اعادہ کیا جاتا ہی کہ قیمتیں شرح تبادلہ کے اعتبار سے گر چکی ہیں تمام تر غلط ہیں اور ۱۸ پنس کی پوری عمارت نیچے آپڑتی ہی .... علاوہ ازیں ایک یہ بات بھی قابل لحاظ ہی کہ بعض ماہرین اقتصادیات مثلاً مسٹر کچن کی رائے ہی کہ دُنیا میں اشیاء کی قیمتیں رفتہ رفتہ گھٹنے والی ہیں جس کی حد ۴۰ فیصدی تک کی جاتی ہی (تو پھر ۱۶ پنس کی شرح تبادلہ سے قیمتوں کے بڑھنے کا کیا اندیشہ ہوسکتا ہی) پس اب ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ شرح تبادلہ کی زیادتی سے قیمتوں کے گھٹنے کا انجام کیا ہوگا۔

(۱) جہاں تک کاشتکار پیشہ طبقہ کا تعلق ہی اُن میں سے جو ایسی اجناس کاشت کرتے ہیں جو بیرونی ممالک کو جاتی ہیں اُن کو تو اس وقت بھی سخت نقصان ہی۔ باقیماندہ کاشتکاروں کو ابھی نقصان نہیں ہی لیکن جوں جوں (یعنی شرح تبادلہ کے اعتبار سے) قیمت کم ہوگی اُن کی مصیبتیں بڑھیں گی۔

(۲) مزدور پیشہ جماعت کے خانگی اخراجات ابھی تک نہیں گھٹے اور جب اشیاء کی قیمتیں پوری طرح گھٹنے لگنگی تو وہ زمانہ صنعت وحرفت اور کاروبار کے کم ہونے کا ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسٹاف کی کمی کے ساتھ بہت سے مزدور بے روزگار ہو جائیں گے۔

(۳) گورنمنٹ کو اس کی مالیات میں البتہ زیادتی شرح تبادلہ سے فائدہ ہوگا۔

(۴) اُن سوداگروں کو نفع ہوتا ہی جو بیرونجات سے ہندوستان میں مال درآمد کرتے ہیں کیونکہ وہ مال اُنھیں سستا پڑتا ہی۔

لیکن یہ فائدہ گورنمنٹ کو ہو یا سوداگر کو سب کاشتکاروں کی جیب سے حاصل کیا جاتا ہی۔

اس کے بعد مسٹر سیسون نے گورنمنٹ کی مالیات پر بڑھی ہوئی شرح کے اثرات کو دکھایا اور کہا کہ کہنے کو کہا جاتا ہی کہ گورنمنٹ کے مالیات میں فائدہ ہوتا ہی لیکن گورنمنٹ کے اخراجات نہیں گھٹنے مثلاً ۲۳-۱۹۲۲ء اور ۲۴-۱۹۲۳ء میں گورنمنٹ نے جو روپیہ خرچ کیا وہ قریب ۹ کرور ۷۵ لاکھ ساورن ہوتا ہی۔ اس سے اگلے سال یعنی ۲۵-۱۹۲۴ء میں تخفیف مصارف کی جو تجویز انچکیپ کمیٹی نے پیش کی تھی اُس کی وجہ سے ۸ کروڑ ۸۰ لاکھ کے قریب خرچ رہ گیا لیکن ۲۷-۱۹۲۶ء میں گورنمنٹ کے تخمینہ کے موافق ۹ کروڑ ۹۳ لاکھ ساورن خرچ کیا جائے گا۔ جو انچکیپ کمیٹی کی رپورٹ کے سال سے بقدر ایک کروڑ پچاس لاکھ کے زیادہ ہی۔ یہ کیفیت تو خرچہ کے بڑھنے کی ہی اب اس کا مقابلہ قیمتوں کے گرنے کے نقطہ سے کیجئے بجٹ ۲۳-۱۹۲۲ء کے وقت یعنی مارچ میں ممالک متحدہ امریکہ میں قیمتوں کا اندازہ ۱۵۹ تھا (یہ اندازہ جیسا پہلے بیان کیا گیا ہی لڑائی کے قبل کی قیمتوں کو معیار قرار دے کر اور اُس کو ۱۰۰ فرض کرکے لگایا جاتا ہی) جون ۱۹۲۵ء میں یہ تعداد ۱۵۷ یعنی دو نقطہ کم تھی نیز مسٹر کین کے مضمون سے معلوم ہوتا ہی کہ جون ۱۹۲۵ء سے جون ۱۹۲۶ء تک ۸ نقطے اور

گھٹ گئے اس طرح پر مارچ ۱۹۲۰ء کے مقابلہ میں دنیا بھر میں چیزوں کی قیمتوں میں ۵ نقطوں کی کمی ہوئی لیکن ۲۵-۱۹۲۴ء کے بجٹ کے مقابلہ میں ۲۷-۱۹۲۶ء کے مصارف میں ایک کروڑ پچاس لاکھ کا اضافہ ہوا۔

مسٹر بیل بلیکٹ۔ میں اس کا جواب دوسرے موقع پر دے چکا ہوں۔

مسٹر وکٹر سیسون اور مسٹر بیل بلیکٹ میں نوک جھونک ہوتی رہی۔

مسٹر سیسون نے آخری جواب یہ دیا میرے خیال میں اصل وجہ یہ ہے .... کہ وہ اپنا خرچ اس لیے نہیں گھٹا سکتے کہ ابھی تک (ہندوستان میں قیمتیں ۱۸ پنس شرح کے اعتبار سے قائم نہیں ہوئی ہیں لیکن ممبر مالیات اس کا اقرار نہیں کریں گے اور نہ وہ ایسی جرات کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کریں تو ۱۸ پنس کی عمارت کی بنیاد جس کو اس قدر محنت اور وقت سے تیار کیا گیا ہے متزلزل ہو جائے گی اور تمام عمارت منہدم ہو جائے گی۔

ممبر مالیات نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ ۱۸ پنس کے مطابق قیمتیں قائم نہیں ہوئی ہیں تو ہم ۱۶ پنس کے لیے ووٹ دیں گے۔

اس لیے میں اب کہتا ہوں کہ چونکہ خانگی اخراجات میں کچھ تخفیف نہیں ہوئی (جیسا کہ مذکورہ بالا بیانات سے ثابت ہے) اور میرے خیال میں خانگی اخراجات کا مدار اشیا کی قیمتوں، آراضی کے کرایہ اور لگان، ٹیکسوں پر ہے (جن میں کمی نہیں ہوئی ہے) پس یہ ثابت ہے کہ اشیا کی قیمتیں بہ اعتبار ۱۸ پنس کے نہیں گری ہیں تو کیا میں امید کروں کہ ممبر مالیات ۱۶ پنس کے لیے رائے دیں گے (قہقہہ)

آخر میں مسٹر سیسون نے پھر اپیل کی اور کہا "یہ کہاں تک مناسب ہے کہ تنخواہ دار اور گورنمنٹ کے فائدہ کے لیے ہم کاشتکار طبقہ کو زیر بار کریں اور محض بجٹ کو درست رکھنے کے لیے ان کو پریشانی میں ڈالیں کیونکہ اس شرح تبادلہ کا اثر عرصہ تک اس طبقہ پر پڑنے والا ہے۔

مسٹر پرشوتم داس ٹھاکر داس کی تقریر ان کے بعد مسٹر پرشوتم داس ٹھاکر داس کھڑے ہوئے اور انھوں نے اپنی تقریر کے دوران میں کہا کہ تھوڑے ہی دن ہوئے ممبر مالیات نے کہا تھا کہ شرح تبادلہ کا مسئلہ کچھ زیادہ اہم نہیں ہے لیکن نہ معلوم اب کیا ضرورت ہوئی کہ اس کے استحکام کے لیے قانون پیش کیا جا رہا ہے ....

نیز روپیہ کی شرح تبادلہ بڑھانے کے سلسلہ میں کہا کہ جب سے فاولر کمیٹی نے سفارشات کی تھیں اسی وقت سے ہمارے حکام سفارشات کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں۔ حکام نے جو پالیسی برتی اس کی رو سے ہندوستان کے خزانے چاندی سے بھر دیے گئے اور لارڈ کرزن جیسے مضبوط وائسرائے کے احتجاج کے باوجود ہندوستان سے سونا انگلستان بھیج دیا گیا نیز دوران جنگ میں بھی بھیجا گیا۔ اس زمانہ میں میزان تجارت ہندوستان کے حق میں تھی لیکن سونا ہندوستان نہیں آنے دیا۔ اس کے بعد بیبنگٹن سمتھ کمیٹی مقرر کی گئی۔ الٹی وزیری ہنڈیاں بیچی گئیں جن سے ہندوستان کو

سخت نقصان پہونچا اور پھر گورنمنٹ نے زبردستی شرح تبادلہ ۱۶ پنس سے زیادہ کردی ....

اگر گورنمنٹ ہند شرح تبادلہ کو اُس کی حالت پر چھوڑ دیتی اور مداخلت نہ کرتی تو کچھ دقت نہ ہوتی لیکن گورنمنٹ سکہ میں خلل کرتی رہتی ہے اور روپیہ کی قیمت زبردستی بڑھادی ہے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا ملک ہے کہ جہاں ایسا ہوا ہو۔

مسٹر بیسل بلیکیٹ سیام

مسٹر پرشوتم داس۔ سیام کا کسی طرح ہندوستان سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ میں کھلم کھلا اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ ممبر مالیات نے انڈیا آفس کے روپیہ (یعنی شرح تبادلہ بڑھانے) کے خلاف احتجاج کیا تھا لیکن اب کیا حالت ہے ہندوستان کو شرح تبادلہ کی بابت گورنمنٹ کی پالیسی پر کچھ اعتماد نہیں رہا ہے اور اسی لیے ہندوستان اب سونے کا سکہ چاہتا ہے اور ایسا سکہ چاہتا ہے جس کی قیمت اُس کی اصلی اور واقعی قیمت ہو ....

مسٹر پرشوتم داس نے ممبر مالیات کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے سکہ کی گورنمنٹ پالیسی کے متعلق پانچ سوالات قائم کیے۔

مسٹر پرشوتم داس کے پانچ سوالات

(۱) کیا یہ واقعہ ہے کہ جنگ عظیم کے بعد کسی بڑے ملک نے اپنے سکہ کی قیمت لڑائی سے پہلے کی قیمت سے زیادہ کی نہیں کی اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہندوستانی سکہ کے بارہ میں یہ خاص برتاؤ کیا جارہا ہے

(۲) کیا یہ واقعہ ہے کہ موجودہ شرح تبادلہ اس وجہ سے قایم ہوئی ہے کہ گورنمنٹ نے قانونًا ایک (یعنی ۲۴ پنس) ایسی شرح تبادلہ قرار دے رکھی تھی جو بالکل ناقابل عمل تھی اور جس کی وجہ سے لوگ سونے کے تبادلہ میں اصلی سکہ سے سکہ نہیں لے سکتے تھے (کیونکہ اگر کوئی شخص ایک تولہ سونا خزانہ میں پیش کرتا تو اُس کو پندرہ روپے ملتے حالانکہ سونے کا بازاری نرخ بائیس روپے فی تولہ تھا) اور یہ باوجود جماعت تجار کے ۱۹۲۰ء سے مسلسل احتجاج کے منسوخ نہیں کیا گیا تھا۔

(۳) کیا یہ واقعہ ہے کہ موجودہ شرح تبادلہ جلد اس طرح بنائی گئی ہے کہ عمومًا سکہ میں جو سالانہ اضافہ کیا جاتا تھا گورنمنٹ نے عرصہ تک اس کو روک رکھا اور ۲۲-۱۹۲۱ء میں تو چلتے سکے میں سے بھی کچھ گھٹا دیا۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا ممبر مالیات اعداد پیش کریں گے۔

(۴) کیا کسی ایسے ملک کی مثال دی جاسکتی ہے جہاں ایک ناقابل عمل شرح تبادلہ کو گورنمنٹ نے نہایت ضد اور اصرار سے قانونًا جائز رکھا ہو اور پبلک کے لیے سونے کے تبادلہ میں سکہ لینا ناممکن بنادیا ہو اور پبلک کو معمولًا جو نیا سکہ جاری ہوتا اُس سے محروم رکھا ہو۔

(۵) سکہ کی گردش میں جو کمی یا زیادتی کی گئی ہے کیا گورنمنٹ اس کا حساب پیش کرے گی اور ساتھ ہی یہ بھی

ظاہر کرے گی کہ ملک کی پیداوار کس قدر تھی اور قیمتوں کی حالت کیا تھی جس کی وجہ سے ملک میں معمولی سکہ کے اضافہ اور بڑھاؤ کو نہیں بلکہ چلنے ہوئے سکہ کو زبردستی گھٹانے کی پالیسی گورنمنٹ کو اختیار کرنی پڑی۔

آگے چل کر مسٹر پرشوتم داس نے کہا کہ وہ ۱۶ پنس شرح تبادلہ کا مطالبہ اس وجہ سے کرتے ہیں کہ یہ شرح تبادلہ ۱۹۱۶ء تک قانوناً جاری تھی اور دُنیا بھر میں صرف یہی سکہ ایسا تھا جس میں کہ لڑائی کے دوران میں سب سے کم گربڑ ہوئی .... ممبر مالیات نے ستم یہ کر رکھا ہے کہ بیرونی ممالک سے سونا ہندوستان لانے پر مداخلت کرتے ہیں اور ۱۸ پنس شرح تبادلہ مقرر کرکے ایک ساورن کے پندرہ روپے ملنے پر رکاوٹ پیدا کرتے ہیں اور ہر شخص کو مجبور کرتے ہیں کہ ہندوستان میں وہ ایک ساورن کے (بجائے پندرہ کے) تیرہ روپے پانچ آنے چار پائی ۵/۱۳ لے۔ اور اس طرح جو بچت ہوتی ہے اُس کو کچھ تو اپنے بجٹ کے لیئے لیتے ہیں اور بقیہ رقم اُن لوگوں کو دیدیتے ہیں جو اپنا روپیہ انگلستان بھیجنا چاہتے ہیں .... ہندوستان کی اندرونی تجارت انگلستان کی تجارت برآمد سے پندرہ گنا ہے اگر انگلستان کو نئی شرح تبادلہ کے مطابق اپنی اندرونی تجارت کے قایم کرنے میں دو برس لگے تو ہندوستان کو نئی شرح تبادلہ کے مطابق اپنی اندرونی تجارت قایم کرنے کے لیئے کم از کم دس برس لگیں گے۔

ممبر مالیات دریافت کرتے ہیں کہ ۱۶ پنس شرح تبادلہ میں کیا خوبی اور برتری ہے جس کی وجہ سے اتنا اصرار ہے ہم اُن سے کہتے ہیں کہ ہندوستان کا پیدائیشی حق ہے کہ اُس میں سونے کا سکہ جاری ہو اور معیار طلا قایم ہو .... اور میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا گورنمنٹ اور انڈیا آفس کا ارادہ ہے کہ جبتک ہم کو معیار طلا ملے وہ شرح تبادلہ کو بڑھا کر ۱۸ پھر ۲۰ پھر ۲۲ اور ۲۴ پنس کر دے .... مجھے ذرا بھی شک نہیں ہے کہ گورنمنٹ بجٹ کی آمدنی بڑھانے کے لیئے اور مزید ظاہری ٹیکس لگائے بغیر اور مختلف بڑھتے ہوئے روزمرہ کے اخراجات کی کفالت کے لیئے روپیہ کی قیمت آہستہ آہستہ روزمرہ زیادہ کرتی رہے گی اور عوام پر زیادہ سے زیادہ مصیبت ڈالی جائے گی .... بے بنگٹن اسمتھ کمیٹی نے زیادہ سے زیادہ لالچ سے کام لیا تھا (اسی وجہ سے ناکامی ہوئی) لیکن اب گورنمنٹ عقلمندی سے کام لے رہی ہے اور اب ہماری ترقی وہ رفتہ رفتہ کرنی چاہتی ہے۔

اس تقریر کے ہوتے ہوتے پانچ بج گئے اجلاس کا وقت ختم ہو گیا اور طے پایا کہ بل پر آئندہ اجلاس میں بحث کی جائے۔

۸ مارچ کو مسٹر جمناداس مہتا نے بل کی مخالفت میں تقریر کی اور قیمتوں کے نئی شرح تبادلہ کے مطابق ہو جانے کے دعوے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ ابھی ریلوے اور فوجی اخراجات کے لیئے بجٹ میں تنخواہوں کے بارے میں

دیئے گئے ہیں (اگر اشیاء کی قیمتیں اس بڑھی ہوئی روپیہ کی قیمت کے اعتبار سے قائم ہوگئی ہیں یعنی گھٹ گئی ہیں) تو یہ چھپن ساٹھ کروڑ روپیہ کا کیوں نہیں کر دیا گیا۔ کیونکہ اشیاء کی قیمتوں کے قائم ہونے کے معنی تو یہی ہو سکتے ہیں (کہ روپیہ کی قیمت بڑھ گئی ہے پس اسی نسبت سے تنخواہوں میں کمی کر دی جانی چاہیئے تھی) ممبران گورنمنٹ کی طرف اشارہ کرکے مسٹر جمنا داس نے کہا کہ کیا قابل ممبران اپنی تنخواہوں میں سے ایک پیسہ بھی کم کرانے پہ رضامند ہیں (جو کہتے ہیں کہ اشیاء کی قیمتیں ۱۸ پنس کے مطابق گھٹ گئی ہیں) مسٹر جمنا داس نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے بیان کیا کہ سالانہ ۳۰ کروڑ روپیہ منافع بیرونی ممالک کے لوگ ہندوستان سے لے جاتے ہیں ان لوگوں کو ۱۸ پنس کے حساب سے ۴ کروڑ روپیہ کا مزید منافع ہوگا اور گورنمنٹ کو بھی ۳-۴ کروڑ روپے کا فائدہ ہوگا۔ اور باقیماندہ رقم مال درآمد کرنے والے تاجروں کی جیب میں جائے گی جس کے معنے یہ ہیں کہ ملک کے ۳۰-۴۰ کروڑ روپے کا نقصان کرکے ان لوگوں کو منافع میں دے دیا جاتا ہے اور یہ لوگ ہندوستان کے دیئے جانے سے نفع کماتے ہیں . . . .

کہا تو یہ جاتا ہے کہ اشیاء کی قیمتیں گر رہی ہیں لیکن اس پر بھی روز بروز گورنمنٹ کے اخراجات بڑھتے جاتے ہیں۔ صرف انتظامی محکموں میں ۲۳-۱۹۲۲ء سے اس وقت تک تین کروڑ دس لاکھ کا اضافہ ہو چکا ہے نیز اس سال مزید اضافہ کا اندیشہ ہے۔ فوجی محکمہ میں سات کروڑ روپے کی تخفیف کا اظہار کیا جاتا ہے تاہم اخراجات بجائے تین کروڑ اٹھتیس لاکھ روپے کے تین کروڑ بیالیس لاکھ روپے ہو گئے ہیں۔ بھلا ان حالات میں گورنمنٹ یہ کیسے کہتی ہے کہ چیزوں کی قیمتیں گر رہی ہیں۔

سر والٹر ولسن بل کی تائید میں | سر والٹر ولسن نے مسٹر جمناداس مہتہ کی تردید کی اور کہا یہ تو تقریباً ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ بالآخر جب قیمتیں قائم ہو جاتی ہیں تو اس میں کچھ بھی فرق نہیں پڑتا کہ شرح تبادلہ ۱۶ پنس ہو یا ۱۸ پنس۔ یہ سچ ہے کہ جب سے شرح تبادلہ ۱۸ پنس ہوگئی ہے خانگی اخراجات اس کے مطابق نہیں گھٹے ہیں۔ پھر بھی آپ کو حسابات دیکھنے چاہئیں۔ کلکتہ کی قیمتیں بمقابلہ بمبئی کی قیمتوں کے زیادہ قابل اعتبار ہیں چنانچہ انھوں نے اجناس کی قیمتیں پیش کرکے بل کی تائید کی۔

مسٹر محمد علی جناح بل کی مخالفت میں | ان کے بعد مسٹر محمد علی جناح نے تقریر کی اور ایک موقر شخص کی رائے پیش کی جس نے لکھا تھا کہ ایسے قابل اور مقتدر گواہوں کی شہادت پر بھی کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا جو ایک فریق کے طرفدار ہوں . . . .

سلسلہ بیان میں کہا کہ جو شہادتیں کمیشن کے سامنے پیش ہوئی تھیں وہ سب نہایت ناقص تھیں۔ اگر ان کی بنا پر کوئی عدالت فیصلہ دیتی تو ہائی کورٹ میں وہ پانچ منٹ بھی قائم نہیں رہ سکتا تھا . . . .

کہا تو یہ جاتا ہو کہ کمیشن کی یہ رائے تھی کہ قیمتیں (نئی شرح تبادلہ کے مطابق) قایم ہو چکی ہیں لیکن واقعہ یہ ہو کہ کمیشن نے خود تسلیم کیا ہو کہ قیمتوں کے متعلق صحیح اعداد ان کے سامنے نہیں تھے۔ اور مزدوریوں کے متعلق جو اعداد تھے وہ ان سے بھی کم قابل اعتبار تھے مگر پھر بھی یہ کہا جاتا ہو کہ قیمتیں (نئی شرح تبادلہ کے مطابق) قایم ہو چکی ہیں۔ اور اگر شرح تبادلہ ۱۸ اپنس قایم کی گئی تو مزدوروں کو سخت نقصان پہنچے گا۔

گورنمنٹ ہند اور وزیر ہند کے درمیان جو خط وکتابت ہوئی تھی مسٹر جناح نے وہ پڑھ کر سُنائی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وزیر ہند ممبر مالیات کو مجبور کر رہے تھے (کہ شرح تبادلہ اور بڑھائی جائے) مسٹر جناح نے ممبر مالیات کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اگرچہ یہ مخالف ہیں لیکن اس تعریف کے مستحق ہیں کہ انھوں نے شرح تبادلہ ۱۸ اپنس سے زیادہ نہیں بڑھائی۔ اور اس حد تک ہندوستان کو ان کا مشکور ہونا چاہیئے۔

ان کے بعد مسٹر سر بنواس آئنگر نے تقریر کرتے ہوئے ۱۸ اپنس کی مخالفت کی۔

پھر سر پرشوتم داس ٹھاکر داس نے سر بسیل کے الکات کا جواب دیا اور اپنے ۵ سوالات کا جواب طلب کیا اسی بحث میں ۵ بج گئے اور سر بسیل نے کہا کہ وہ جواب دینا نہیں چاہتے۔ اس لیے مباحثہ ختم کرکے رائیں لی گئیں اس مباحثہ میں منجملہ ۱۴۴ ممبروں کے ۱۳۴ حاضر تھے جب سے کہ اسمبلی بنی تھی اتنی حاضری آج سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ۶۸ ووٹ بل کے موافق اور ۶۵ ووٹ بل کے مخالف رہے اور شرح تبادلہ تین ووٹ کی کثرت سے پاس ہوگئی اور ہندوستان کا ایک یادگار مباحثہ ختم ہوگیا۔

۱۲ تاریخ کو بل کی دوسری دفعات پر مباحثہ ہوا اور پورا بل پاس ہوگیا۔

معیار طلا اور رزرو بنک کا بل

معیار طلا اور رزرو بنک بل جیسا کہ اس کے نام ہی سے معلوم ہوتا ہو ہلٹن ینگ کرنسی کمیشن رپورٹ کی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے تیار کیا گیا تھا۔ اس بل کے دو مقصد تھے۔ اول یہ کہ ہندوستان میں بجائے معیار تبادلہ طلا کے معیار طلا قایم کیا جائے یعنی گورنمنٹ اس کا انتظام کرے کہ روپیہ کے تبادلہ میں ایک مقررہ نرخ پر سونا فروخت کیا جائے اس مقصد کے زیر نظر بل میں قریب قریب وہی دفعات تھیں جو ایکٹ ۱۹۲۷ء میں پاس ہو چکی تھیں لیکن وہ ایکٹ عارضی طور پر پاس کیا گیا تھا اور اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد منسوخ کیا جانے والا تھا۔

دوسرا مقصد یہ تھا کہ ایک مرکزی بنک قایم کیا جائے جس کا نام "رزرو بنک" ہو اور اس کو گورنمنٹ اپنی جانب سے اجراء سکہ وکرنسی نوٹ نیز سونے کی خرید و فروخت کے تمام اختیارات سپرد کرے۔ اس طرح اس

قانون کی رو سے ساہوکارہ کہ وہ تمام کام جو گورنمنٹ کرتی تھی اس بنک کے سپرد کیئے جانے والے تھے اس کے علاوہ انگلستان روپیہ بھیجنے کا کام جو گورنمنٹ کرتی تھی وہ بھی اسی بنک کے سپرد کیا جانے والا تھا۔ کرنسی نوٹ کے بنانے اور جاری کرنے کا اختیار بنک کو تھا اور سکہ کو محض جاری کرنے کا اختیار بنک کو تھا لیکن سکہ ضرب کرنے کا کام گورنمنٹ ہی کے پاس بدستور رہتا البتہ گورنمنٹ پر یہ ذمہ داری ہوتی کہ حسب مطالبہ بنک سکہ کو مہیا کرے۔ ہندوستان کا خزانہ عامہ اور خزانہ سکہ و نوٹ بھی اسی بنک کے ماتحت رہتے۔ ہندوستان کے دوسرے بنکوں سے تعلقات رکھنا اس بنک کے فرائض میں تھا اور دوسرے بنکوں کو بھی ایک رقم اس بنک میں جمع کرانی لازمی قرار دی گئی تھی تاکہ تمام بنکوں کی ساکھ بڑھ جائے۔

یہ بل اسمبلی میں ۲۵ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء کو پیش کیا گیا اور اس بل پر غور کرنے کے لیئے اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کی مشترکہ کمیٹی ۲۰ ممبروں کی بنائی گئی جس نے مئی سنہ ۱۹۲۸ء سے تحقیقات شروع کی اور اپنی رپورٹ مع ترمیم کردہ بل کے ۲۸ اگست سنہ ۱۹۲۸ء کو اسمبلی میں پیش کی۔

بل میں ترمیمات | اس بل کی رو سے جو سرکاری طور پر پیش کیا گیا تھا

(۱) ہندوستان میں معیار طلا قائم کیا جانا تھا۔ مگر سونے کا سکہ رائج کرنے کی تجویز تھی۔

(۲) ریزرو بنک کی جماعت منتظمہ (گورننگ بورڈ) ۱۵ ممبروں کی تجویز کی تھی جن میں سے ایک سرکاری ملازم ہونے کی شرط تھی جس کو معاملات بنک میں ووٹ دینے کا حق نہ تھا۔ باقی ماندہ ۱۴ ممبر بنک کے ڈائرکٹر ہونے چاہیئے تھے جن میں سے پانچ گورنمنٹ ہند کے نامزد کردہ بنانے تجویز کیئے تھے تفصیل ممبران بورڈ جو بنک کے ڈائرکٹر ہوتے حسب ذیل تھی۔

(۱) ملازم سرکار جس کو ووٹ دینے کا حق نہ تھا		۱
(۲) گورنر	گورنمنٹ ہند کے نامزد کردہ	۱
(۳) ڈپٹی گورنر		۱
(۴) دیگر ممبران		۳
(۵) ممبران	حصہ داروں کے منتخب کردہ	۹

بنک کا سرمایہ ۵ کروڑ روپے مقرر کئے گئے تھے جو عام حصہ داروں کی خرید سے پورے کیئے جانے کی تجویز تھی جن میں گورنمنٹ بھی ایک حصہ دار ہوتی اور یہی حصہ دار ممبروں کے منتخب کرنے والے تھے

کمیٹی نے بل مذکور میں ۳ معاملات میں ترمیم کی

اوّلاً یہ کہ ہندوستان میں سونے کا سکہ جاری کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ ریزرو بنک گورنمنٹ کا بنک ہو عام حصہ داروں کا بنک نہ ہو بلکہ سرکاری بنک ہو اور ڈائرکٹران حسب تفصیل ذیل مقرر کیے جائیں۔

گورنر ایک	
ڈپٹی گورنر ایک	گورنر کے نامزد کردہ ہوں اور گورنر یا ڈپٹی گورنر دونوں میں سے ایک لازمی طور پر ہندوستانی
ڈائرکٹر دو	ہو اور دونوں ڈائرکٹران بھی ہندوستانی ہونے ضروری ہیں۔

صوبجاتی مجالس مقننہ کے منتخبہ ممبر (۳) جن کو غیر سرکاری ممبر منتخب کریں گے۔

مرکزی حکومت کے منتخبہ ممبر (۳) جن کو غیر سرکاری ممبر منتخب کریں گے۔

فیڈریشن آف انڈین چیمبرس کے منتخبہ ممبر (۲) (ہندوستانی اہالیان تجارت کی متفقہ جماعت)

ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس کے منتخبہ (۲)

صوبجاتی کوآپریٹو بنکوں کا منتخبہ (۱)

ملازم سرکار (۱) جسے ووٹ دینے کا حق نہ ہوگا۔

یہ ترمیمات کمیٹی کی جماعت اکثریت نے کی تھیں جن سے ممبر مالیات اور اُن کے ساتھ چند اور ممبروں نے اختلاف کیا تھا۔ ان کے علاوہ اور ممبران نے بھی اختلافات کیے تھے لیکن وہ اختلافات جزئیات پر تھے۔ ان ترمیمات سے منتخبہ کمیٹی نے گورنمنٹ کے پیش کردہ بل کے اصل اصول کو پلٹ دیا تھا۔ جہاں تک بنک کا تعلق تھا اُس میں سرمایہ کی سرکاری ہونے اور ممبران کے جماعتہائے مقننہ و دیگر پبلک جماعتوں کے منتخبہ ہونے کی تجاویز سے گورنمنٹ کسی طرح متفق نہ تھی اور اس رپورٹ کے پیش ہونے سے پہلے ہی سر جارج شسٹر ممبر مالیات نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ ان کو ترمیم شدہ بل کے متعلق میں یہ منظور ہے کہ بالکل ہی بل کو ترک کر دیا جائے۔ اُدھر ہندوستانی ممبروں کو اصرار تھا کہ بل ترمیم شدہ شکل ہی میں پاس ہو ورنہ بڑے بڑے سرمایہ دار انگریز بنک کے حصہ دار ہو جائیں گے اور اپنا پانچ کروڑ کا سرمایہ لگا کر ہندوستان کے کاروبار روپے کے خزانے اور اس کے سکہ اور نوٹ کے اجرا کے مالک بن بیٹھیں گے۔ اب تک تو اسمبلی میں گورنمنٹ پر اعتراضات کر کے کچھ کام نکل بھی جاتا تھا لیکن آئندہ ایسے بنک کی حالت میں اس کی بھی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ گورنمنٹ کہتی تھی کہ اگر یہ کام جماعتہائے مقننہ کے سپرد کیا گیا تو بنک بھی سیاسی اکھاڑا قائم ہو جائے گا جو ہندوستان کے لیے کبھی فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ یہی بحث و پیش اور کشمکش دونوں فریقوں کے درمیان تھی کہ آخر بل اسمبلی میں پیش ہونے کے وقت گورنمنٹ کی جانب سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ ضرورت ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ منتخبہ کمیٹی کی ترمیمات نامنظور ہو کر اصلی بل قانون کی صورت میں پاس ہو جائے۔ سر جارج شسٹر نے اس تجویز کو پیش کرتے ہوئے جو تقریر کی اس میں کہا کہ

بل پیش کرتے ہوئے سر بیسل بلیکٹ کی تقریر | اگر آپ لوگوں کو اس بنک کو کامیاب بنانا ہے تو اس کو سرکاری بنک نہیں بلکہ عام حصہ داروں کا بنک بنانا چاہیئے کیونکہ صرف اسی حالت میں اُس کے ڈائرکٹر ملک کے بہترین باشندے ہو سکیں گے۔ گورنمنٹ اس کی مخالف ہے کہ بنک کے ڈائرکٹروں کے انتخاب میں اسمبلی اور کونسلوں کا ہاتھ ہو۔ اس بارہ میں قابل کاروباری لوگ بھی گورنمنٹ کے ہم نوا ہیں سر بیسل نے اس قانون کی اہمیت بیان کرکے ممبران اسمبلی سے درخواست کی کہ ایسے مفید قانون کو جس کی رو سے سکہ اور شرح تبادلہ کی پالیسی وزیر ہند اور گورنمنٹ ہند کے ہاتھ سے نکل کر ایک باضابطہ غیر سرکاری کاروباری جماعت کے ہاتھ میں جانے والی ہے اور جس قانون کے متعلق خیال ہے کہ وہ نہ صرف مالی اور اقتصادی بلکہ سیاسی تاریخ میں بھی ایک یادگار قانون ہوگا اُس کو صرف ایک مسئلہ کے اختلاف پر اپنے ہاتھ سے نہ کھونا چاہیئے۔

بنک کے سرکاری یا غیر سرکاری ہونے کی بحث | پنڈت مدن موہن مالویہ صاحب نے گورنمنٹ کی اس تجویز کی مخالفت میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ افسوس ہے کہ گورنمنٹ منتخبہ کمیٹی کی رپورٹ ماننے کے لیئے تیار نہیں ہے اگر گورنمنٹ کو یہی کرنا تھا تو کمیٹی مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی . . . .

پنڈت مدن موہن مالویہ جی کی تقریر

اوّل تو امپیریل بنک کو ترقی دے کر ریزرو بنک بنا دینا چاہیئے تھا اور اگر نیا بنک ہی بنانا ضروری سمجھا جاتا ہے تو وہ سرکاری بنک ہونا چاہیئے نہ کہ حصہ داروں کا بنک کیونکہ حصہ داروں سے (یہ توقع نہیں ہے) کہ وہ صحیح قسم کے ڈائرکٹر منتخب کر سکیں گے بنک اگر سرکاری ہوگا تو اُس کے منافع سے صرف معدودے چند دولتمند لوگ ہی متمتع نہ ہوں گے بلکہ عوام کو نفع پہنچے گا (ہندوستان میں بڑے بڑے نجی کاروبار کے تجربے پہلے ہی ہو چکے ہیں) مثلاً گورنمنٹ نے ریلیں بجائے خود چلانے کے ٹھیکے بڑی بڑی کمپنیوں کو دیدیئے جس کی وجہ سے ہندوستان کو ۸۰۰ کروڑ سے . . . اکروڑ روپیہ تک کا نقصان ہو چکا ہے لہذا ہندوستانی اب اس کے لیئے تیار نہیں ہو سکتے کہ اس نئے بڑے بنک کو نجی حصہ داروں کے سپرد کرکے مزید نقصان برداشت کریں۔ جرمنی۔ ناروے۔ سویڈن۔ فرانس بلجیم۔ ڈنمارک میں اس قسم کے بنک گورنمنٹ اور جماعتہائے مقننہ کی ماتحتی میں قایم کیئے گئے ہیں جس قسم کے بنک کی تجویز ممبر مالیات کر رہے ہیں اس سے ہندوستان کو کچھ فائدہ نہ پہونچے گا۔ بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ یہ ریزرو بنک چھوٹے چھوٹے ہندوستانی بنکوں کی ترقی میں صرف سدراہ ہی نہ ہوگا بلکہ اُن کو ختم بھی کردیگا

سر وکٹر سیسون | سر وکٹر سیسون نے بنک کے سرکاری ہونے سے اتفاق کیا لیکن ڈائرکٹروں کے انتخاب میں مجالس مقننہ کا ہاتھ ہونے سے اس بناپر اختلاف کیا کہ ایسا کرنے سے سیاسیات کی تبدیلیوں کا اثر پڑنے کا بنک کی حالت پر بہت اندیشہ ہے۔

مسٹر پانڈا کی ترمیم | اگلے روز ۲۰ ستمبر کو مسٹر پانڈا نے ایک ترمیم پیش کی

موجودہ بل کو رائے عامہ دریافت کے لیئے شایع کر دیا جائے" تاکہ پبلک کو ہر دو تجاویز کے حسن و قبح پر غور کرنے کا موقع ملے اُنھوں نے کہا کہ مسٹر بیل اپنی تجویز کی رو سے ہندوستان میں ایک دوسری اسٹیٹ انڈیا کمپنی قایم کرنا چاہتے ہیں۔ میں اپنے ۵۰ سالہ بنکوں اور کاروبار کے تجربہ نیز بنک آف انگلینڈ کے کاروبار کے مطالعہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ممبر مالیات کے مجوزہ بنک کے ڈائرکٹر (ایسے خود مختار محض) ہوں گے کہ وہ کسی کے سامنے جوابدہی کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ کیونکہ عام حصہ دار بنک کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لیا کرتے جس کا اندازہ امپیریل بنک کے حصہ داروں کے جلسوں سے بخوبی ہو سکتا ہو اگر ریزرو بنک غیر سرکاری بنک رہا تو وہ محض بنک آف انگلینڈ کی شاخ کی طرح ہوگا۔ جب گورنمنٹ خود ہندوستان میں سب سے بڑی سیاسی جماعت ہو (اور اُس کو بنک میں اقتدار حاصل ہوگا) تو پھر اُس کو غیر سرکاری ماہرین سیاست کے ڈائرکٹر ہونے میں کیوں اعتراض ہو۔

ڈائرکٹر غیر ملک کے لوگ نہ ہوں

مسٹر چیٹی نے کہا کہ اگرچہ یہ درست ہو کہ بہت سے ممالک میں مرکزی بنک سرکاری نہیں ہیں بلکہ نجی حصہ داروں کے بنک ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ایسے بنکوں میں غیر ممالک کے لوگ نہ حصہ دار ہو سکتے ہیں نہ اُن کو ووٹ دینے کا حق ہوتا ہو اگر ممبر مالیات اس شرط پر رضامند ہوں تو مجھ کو گورنمنٹ کے بل سے اتفاق ہو۔

مسٹر بیسل بلیکٹ۔ ہاں میں اس شرط کے لیئے تیار ہوں کہ صرف ہندوستانیوں اور ایسے برطانوی لوگوں کو جو بالعموم ہندوستان میں رہتے ہیں ووٹ کا حق دیا جائے۔

مسٹر چیٹی۔ نہیں اس سے کام نہیں چلے گا۔

لیکن آخر میں مسٹر چیٹی نے کہا کہ خواہ مجالس مقننہ کے ممبر بنک کے ڈائرکٹر ہوں یا نہ ہوں اگر صرف یہ اطمینان دلایا جائے کہ بنک کے ڈائرکٹروں میں ہندوستانی منتخبہ ممبروں کی اکثریت ہوگی تو میں گورنمنٹ سے اتفاق کر لوں گا۔

مسٹر جمناداس مہتہ

مسٹر جمناداس مہتہ نے عام حصہ داروں کے بنک کی مخالفت اس بنا پر کی کہ اس بنک کے اختیار میں شرح تبادلہ کا کام بھی ہوگا جو بہت اہم ہو اور جس کا قایم رکھنا اسٹرلنگ ضروری ہو۔ پس اگر عام حصہ داروں کا بنک ہوگا تو ایک معمولی شخص بھی بنک کا حصہ دار ہو کر اس میں رائے دے سکے گا اور مداخلت کر سکے گا۔ اور حصہ داروں میں ۹۹ فیصدی اشخاص ایسے ہوں گے جو ایسے معاملات کے سمجھنے سے قاصر ہوں گے لہٰذا حصہ داروں کا بنک کسی صورت میں ٹھیک نہیں ہو کنیڈا اسٹریلیا جیسے ممالک تک میں کوئی ایسا مرکزی بنک نہیں ہی۔ برطانوی سلطنت میں صرف ایک جنوبی افریقہ میں ایسا بنک ضرور ہو اور کہیں بھی نہیں ہو سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ حصہ داروں کا بنک بنانے سے گورنمنٹ کا منشا یہ ہو کہ اُس کا موجودہ تسلط بدستور

اسی طرح قایم رہے کیونکہ تمام ڈائرکٹر گورنر اور ڈپٹی گورنر کے تسلط سے اُن کے ہی ماتحت رہیں گے۔ بہ خلاف اس کے جو اسکیم کمیٹی نے پیش کی ہے اس میں ہر جماعت کو نمائندگی حاصل ہو۔ اُس میں گورنمنٹ کے اور یورپینوں کے ہی نمائندے نہیں ہوں گے بلکہ ایسے عوام کے بھی نمائندے ہوں گے جو تاجران کی طرح اس بات کے متمنی ہیں کہ شرح تبادلہ مستحکم رہے اور نوٹ کی قیمت قایم رہے جس کو وہ روزمرّہ استعمال کرتے ہیں۔ آخر میں مسٹر جمنا داس نے تجویز پیش کی کہ اگر کمیٹی کی تجویز منظور کی جائے تو دوسری تجویز یہ ہو سکتی ہے کہ ڈائرکٹروں کے انتخاب کے لیے انتخابی حلقے بنائے جائیں جن میں ممبران مجالس مقننہ اور لوکل بورڈوں کے چیرمین ووٹر ہوں تاکہ ہر جماعت کی نمائندگی ہو سکے۔

انتخابی حلقوں کی تجویز

اس روز کا مباحثہ ختم ہو گیا۔ ۳۱ اگست کے اجلاس میں سر پرشوتم داس ٹھاکر داس نے مباحثہ کی ابتدا کی۔

سر پرشوتم داس سر پرشوتم داس نے کہا کہ اس نئے بل کے نافذ ہونے کے بعد امپیریل بنک کو جو استحقاق گورنمنٹ کے کچھ روپیہ بلا سود چلانے کا ہے وہ جاتا رہے گا جس کی وجہ سے وہ اپنی نئی شاخیں نہ کھول سکے گا اور اس کی وجہ سے عام لوگوں کی سخت حق تلفی ہوگی کیونکہ وہ نئے بنکوں کے بننے اور اُن کے فوائد سے محروم رہینگے حالانکہ یہ فوائد وہ ہیں جن کے متعلق یکے بعد دیگرے مختلف کرنسی کمیشن زور دیتے رہے ہیں۔ . . . .

غیر سرکاری بنک میں اختیار رکھنے والے لوگ

اگرچہ سر پرشوتم داس کے نزدیک اس بل سے مذکورہ بالا نقصان ہونے والا تھا تاہم وہ اس بنا پر مخالف نہ تھے بلکہ اصل وجہ اختلاف انتقال اختیارات تھی۔ اُنھوں نے کہا کہ جو اختیارات (سکہ اور شرح تبادلہ کے متعلق) وزیر ہند کو ہیں وہ اس بل کی رو سے منتقل ہو جائیں گے لیکن ہم کو دیکھنا ہے کہ وہ وزیر ہند کے پاس سے کسی ایسی جماعت کے پاس تو نہیں جاتے جو (ہندوستان کی ضروریات کا خیال ہی نہیں کرے گی) اور موجودہ حالت بدستور رہے گی اور اس میں کوئی ترقی نہ ہوگی۔ . . . .

حصہ داروں کے بنک کی نظیر صرف ریلوے کمپنیوں میں مل سکتی ہے (جن کا انتظام خوش قسمتی سے اب گورنمنٹ کے ہاتھ میں آگیا ہے) حصہ داروں کا بنک ہونے کی صورت میں اس کی بھی ویسی حالت ہوگی کیونکہ ڈائرکٹر جو حصہ داروں کے نمائندہ ہوں گے اور جن کی اکثریت ہوگی اُن کی پانچ کروڑ روپیہ کی رقم کی بدولت ہندوستان کے کروڑہا روپیہ کا انتظام اُن کے کیسے سپرد کیا جاسکتا ہے (اگرچہ ہندوستان کے خزانہ میں کمی ہے لیکن پھر بھی اس کا روپیہ بنک کے سرمایہ سے تو کہیں زیادہ ہوگا)

ریزرو بنک میں دوسرے بنکوں کے کھاتے

بل کی اس دفعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ ہندوستان کے دوسرے بنک ریزرو بنک سے تعلقات رکھیں گے اور اپنے روپیہ کا ایک حصہ ریزرو بنک میں جمع کریں گے۔ سر پرشوتم داس نے کہا کہ ملک میں دیسی بنک مشکل سے ایک درجن کے قریب ہوں گے اور اُن کی حالت بھی یہ ہے کہ یہ مشکل اپنا کاروبار چلا رہے ہیں

پس اس بل کی روسے اُن سے ریزرو بنک میں بلا سود کے کثیر رقوم جمع کرانے کے معنی یہ ہوں گے کہ اُن کی گردن میں چکی کا پاٹ ڈال دیا گیا ہے۔ وہ مجبور ہوں گے کہ یا تو زیادہ شرح سود پر قرض دیں یا کاروبار ختم کر دیں۔ کیا اسمبلی اس کے لئے تیار ہے۔

مسٹر رنگا سوامی آئنگر | مسٹر رنگا سوامی آئنگر نے بل کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ریزرو بنک کا مطلب ہے کہ وہ بنکوں کا بنک ہوگا۔ ایسے بنک کو حصہ داروں کا بنک ہونا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ ایسا بنک اسمبلی کے ماتحت ہونا چاہیئے کیونکہ آج کل مثلاً امپیریل بنک ایسا ہے جو اس قسم کا بنک کہلایا جا سکتا ہے لیکن کسی دوسرے بنک کی امداد کرنا یا نہ کرنا محض اس کی خوشنودی مزاج پر منحصر ہے اس طرح کے ریزرو بنک بنانے سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ ریزرو بنک محض ہندوستانیوں کا بنک ہونا چاہیئے جو ہندوستانیوں کی ضروریات کا خیال رکھے اور ہندوستانی بنکوں کی مشکل کے اوقات میں امداد کرے۔

مسٹر کوک | ان کے بعد مسٹر کیلکر نے تقریر کی اور پھر مسٹر کوک نے حصہ داروں کے بنک کی تائید میں کہا کہ اگر یہ بل اس وقت منظور نہ کیا گیا تو پھر برسوں ملک میں ریزرو بنک بنانا دشوار ہوگا۔ جو اخلاقی معاملات ہیں اُن پر بحث کر لینی چاہیئے۔ بعض معترضین حصہ داروں کے بنک کے خلاف ہیں۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ بعض بڑی بڑی کمپنیاں اور بنک جو اس وقت چل رہے ہیں اُن کو ایسے ہی ڈائرکٹر چلا رہے ہیں جن کو حصہ دار منتخب کرتے ہیں۔ جو بل پیش کیا جا رہا ہے اس کی روسے جو بنک بنے گا اُس کے ڈائرکٹروں کو حصہ داروں سے ایسی بے تعلقی نہ ہوگی۔ چونکہ اس مباحثہ میں اندیشہ ہے کہ بل ہی نہ جاتا رہے اس لئے ممبروں کو حصہ داروں کے بنک کے متعلق غور کرنا چاہیئے (کہ اس کو کس طرح مفید بنایا جا سکتا ہے)

لالہ لاجپت رائے صاحب | لالہ لاجپت رائے صاحب نے فرمایا تعجب ہے کہ مسٹر کوک پھر حصہ داروں کے بنک کی بحث بیچ میں لے آئے۔ اب تک تو وہ سمجھتے تھے کہ سب فریق سرکاری بنک ہی چاہتے ہیں لالہ صاحب نے غیر سرکاری ہندوستانی ممبروں کی جانب سے کہا کہ وہ حصہ داروں کے بنک کے کسی طرح موافق نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی دوسری مناسب تجویز پیش کی جائے تو وہ اُس پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن جہاں تک گورنمنٹ کی تجویز کا تعلق ہے اس میں ڈائرکٹروں کی نوعیت سے وہ متفق نہیں ہو سکتے خواہ بل پاس ہو یا نہ ہو۔

مسٹر لاہری | مسٹر لاہری چودھری نے کہا کہ خود امپیریل بنک بیرونی ممالک کی تجارتی جماعتوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے تو ایسی حالت میں ہم حصہ داروں کے بنک سے کیسے متفق ہو سکتے [illegible]

سر بیسل بلیکٹ | بالآخر سر بیسل بلیکٹ نے تقریر کی اور کہا کہ اگرچہ گورنمنٹ کی اور اسمبلی کی کثیر التعداد

ممبروں کی رائے یہ ہو کہ بنک حصہ داروں کا بنک ہی ہونا چاہیئے اور اسی میں ملک کا بہترین فائدہ ہے۔ لیکن ہم اُن لوگوں کی بات ماننے کے لیئے تیار ہیں جو بنک کو سرکاری بنک بنانا چاہتے ہیں۔ اب جو اختلاف باقی رہ گیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس بنک کے ڈائرکٹر کون لوگ ہوں گے۔ ممبر مالیات نے اس بات کو واضح کیا کہ اُن کے یہہ کہنے سے کہ ممبران مجالس مقننہ بنک کے ڈائرکٹر نہیں ہونے چاہئیں اُس سے اُن کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اُن کو ممبران مجالس مقننہ پر اعتماد نہیں ہے یا اُن کو اس قابل نہیں سمجھتے ہیں بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ ایسی صورت میں مجالس مقننہ اپنی حدود سے تجاوز کر کے انتظامی معاملات میں مخل ہوں گی۔ اور اس سے بھی زیادہ سنگین اعتراض یہ ہے کہ ان ممبران کے منتخب کرنے والے سیاسی بنا پر ان کو منتخب کرتے ہیں۔ اگر یہی انتخاب کرنے والے ان کو بنک کے لیئے منتخب کرتے تو وہ اس کام کے لیئے بہترین ہوتے بسلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے ممبر مالیات نے کہا کہ جہاں تک کہ میرا تعلق ہے مجھ کو انتخابی حلقہ قائم کرنے کی تجویز بہت پسند ہے۔ اور اس وقت تک جو تجاویز پیش کی گئی ہیں اُن میں یہی بہترین تجویز ہے۔

اس طرح فریقین میں تصفیہ ہو گیا۔ گورنمنٹ نے یہ تسلیم کر لیا کہ بنک سرکاری ہوگا۔ اور ہندوستانی ممبروں نے یہ مان لیا کہ ڈائرکٹران بنک کا انتخاب حلقہ ہائے انتخاب بنا کر کیا جائے گا۔

مسٹر پانڈیا (Pandaya) نے اپنی ترمیم واپس لے لی۔ اور بل پر دفعہ وار غور ہونا شروع ہوا۔

مجالس مقننہ کے ممبر بنک کے ڈائرکٹر نہ ہوں | یکم ستمبر کو جب ریزرو بنک بل پر مباحثہ شروع ہوا تو مسٹر ... نے یہ ترمیم پیش کی کہ ممبران مجالس مقننہ بنک کے ڈائرکٹر نہ ہو سکیں گے۔ تقریر میں اُنھوں نے کہا کہ ممبران مجالس مقننہ کو سال بھر میں ۶ مہینے تو مجالس مقننہ میں کام کرنا پڑتا ہے نیز اگر اُن کا انتخاب بطور ڈائرکٹر کے ہو گیا تو وہ بنک کے کام کو پوری توجہ اور وقت سے انجام نہ دے سکیں گے علاوہ ازیں یہ بھی کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ کاروبار اور سیاسیات کو خلط ملط کیا جائے۔

مسٹر رنگا سوامی آئینگر | مسٹر رنگا سوامی آئینگر نے کانگریس پارٹی کی جانب سے ترمیم کی مخالفت کی اور کہا کہ اس شرط کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قابل لوگ بنک کے ڈائرکٹر نہ ہو سکیں گے ایک زمانہ ضرور ایسا آجائے گا کہ ایک جماعت ایسی پیدا ہو جائے گی جو بنک کے کاروبار ہی سے دلچسپی لینے لگے گی۔ لیکن جب تک وہ زمانہ آئے اُس وقت تک یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ حلقہائے انتخاب کو جواب سمجھوتے سے بنائے جا رہے ہیں مجبور کیا جائے کہ وہ کسی ایسے نمائندہ کا انتخاب نہ کریں۔

مسٹر پانڈیا Pandaya نے اپنی تقریر میں ممبروں کو یاد دلایا کہ ممبران پارلیمنٹ

بنک کے سرکاری ہونے پر مصالحت

سکّہ اور شرح تبادلہ
بنک آف انگلینڈ کے ڈائرکٹر ہو سکتے ہیں

اس پر بحث چھڑ گئی اور تقریروں پر تقریریں ہونے لگیں۔

مسٹر فضل رحمت اللہ | آخر میں مسٹر فضل رحمت اللہ نے کہا کہ یہ بہت ہی عجیب ترمیم پیش کی گئی ہے کہ سیاسیات اور ماہرین سیاسیات کا بنک پر بہت اثر پڑے گا۔ اگر واقعی ایسا ہے تو گورنمنٹ نے کونسل آف اسٹیٹ کے دو ممبروں سر مانک جی دادا بھائی اور سر دنشا واچہ کو امپیریل بنک کا گورنر کیوں مقرر کیا تھا اور سر الگزنڈر مرے جو امپیریل بنک کے مرکزی بورڈ کے ڈائرکٹر ہیں اسمبلی میں کیوں لائے گئے ہیں۔ کیا ان کو صرف اسی غرض کے لیئے نہیں لایا گیا کہ ان کے تجربہ اور علم سے ریزرو بنک کا قانون بنانے میں مدد ملے پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ممبران مجالس مقننہ ریزرو بنک کے ڈائرکٹر نہ ہونے چاہئیں۔

اس کے بعد ترمیم پر مباحثہ ختم ہوا اور ترمیم ۶۰ ووٹ سے بخلاف ۵۰ ووٹ کے نامنظور ہو گئی۔

بعد ازاں مسٹر کیلکر کی ایک تجویز بعد بحث نامنظور ہو گئی۔

گورنر یا ڈپٹی گورنر کے ہندوستانی ہونے کی مخالفت | پھر سر سیل بلیکٹ کی دوسری ترمیم پیش ہوئی جو یہ تھی کہ بل میں تجویز کیا گیا ہے کہ گورنر اور ڈپٹی گورنر میں سے ایک کا ہندوستانی ہونا ضروری ہے اسے منسوخ کر دیا جائے۔ سر سیل نے کہا کہ اس تجویز سے بے نتیجہ نسلی امتیازات پیدا ہوتے ہیں۔ قانوناً ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ جب وہ خود کہہ چکے ہیں کہ بنک ہندوستانی نقطۂ نگاہ سے قائم کیا جائے گا اور اس میں ہندوستانی منتخبہ ممبران کی اکثریت رکھی جائے گی۔

مسٹر جمنا داس مہتہ | مسٹر جمنا داس مہتا نے ترمیم کی مخالفت کرتے ہوئے کہا افسوس ہے کہ اُن کو گورنمنٹ کی نیک نیتی کا تجربہ ایسا تلخ تھا کہ اُس تجربہ کی بنا پر یہ دفعہ بل میں رکھی پڑی نیز کہا کہ میں نے پہلے کہا تھا کہ جرمنی میں صرف جرمن ہی مرکزی بنک کے بورڈ کا ممبر ہو سکتا ہے جس سے سر سیل اور مسٹر مرے نے اختلاف کیا تھا لیکن اس کی بابت مزید دریافت کرنے پر یہ معلوم ہوا ہے کہ میں نے جو عرض کیا تھا وہ ہی درست ہے۔ دیگر اقوام کے لوگ محض جنرل کونسل کے ممبر ہو سکتے ہیں اور ڈائرکٹر نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد مسٹر کوکنے ترمیم پیش کی اور کہا کہ ایک گورنر اور دو ڈپٹی گورنر مقرر کر دیئے جائیں اور گورنمنٹ اس کا اقرار کرلے کہ ان تین میں سے ایک ہندوستانی ہوگا سر سیل بلیکٹ نے یہ ترمیم منظور کر لی لیکن اور لوگ اختلاف کرتے رہے اور بحث جاری رہی تھی کہ وقت آخر ہو گیا۔

سر سیل کی تجویز التوائے مباحثہ | ستمبر ۱۹۲۸ء کو جب اجلاس شروع ہوا اور پریسیڈنٹ نے مباحثہ شروع کرنے کے لیئے کہا تو سر سیل نے مباحثہ کے التوا کی تجویز اس بنا پر پیش کی کہ اُن کو اندیشہ ہے کہ فرقہ وارانہ

جذبات میں یہ بل غرق ہو جائے گا جس کی تائید میں انھوں نے راجہ غضنفر علی خاں کی ترمیم کا حوالہ بھی دیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مجلس ڈائرکٹروں کے ۳ مسلمان بھی ہوا کریں اور کہا کہ ان مشکلات پر غور کرنے کے لیے دو ہفتہ تک کی مہلت دی جائے۔ دوسرے ممبران نے بھی اس کی تائید کی اور مباحثہ ملتوی ہو گیا۔

۲۰ ستمبر ۱۹۲۶ء کو سر بیسل بلیکٹ نے اعلان کیا کہ اس سیشن میں ریزرو بنک بل پر غور نہیں کیا جائے گا کیونکہ ڈائرکٹروں کے متعلق کوئی باہم تصفیہ نہیں ہو سکا ہے۔ اس اعلان پر مسٹر سری نواس آئنگر نے سوال کیا کہ آیا اس بل پر دہلی کے سیشن میں بحث ہو گی۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بل پیش ہی نہ ہو۔

ممبر مالیات نے جواب دیا کہ میں جو کچھ کہہ چکا ہوں اس میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتا۔

ممبران اسمبلی کا احتجاج اور ملامت کا ووٹ اس جواب پر ہندوستانی ممبروں کو بہت اشتعال ہوا اور مسٹر سری نواس آئنگر نے کہا کہ یہ بہت تکلیف اور تعجب کی بات ہے کہ گورنمنٹ نے تصفیہ کر لیا ہے اس کی وجوہات نہیں بتلائی جاتیں۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ کس کا کام ہے۔ حالانکہ غیر سرکاری ممبر تو اس معاملہ میں گورنمنٹ کے ساتھ برابر اشتراک عمل کرتے رہتے ہیں تاکہ ایک قومی سرکاری مرکزی بنک قائم ہو جائے۔ سر بیسل کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ بل آئندہ پیش ہی نہ کیا جائے۔ اس طریقہ سے گورنمنٹ یقیناً اسمبلی کی عزت و وقار کو صدمہ پہنچاتی ہے اور آزادی کو سلب کرتی ہے آخر میں انھوں نے کہا کہ اس طرح سے کسی کام میں بھی گورنمنٹ کے ساتھ اشتراک عمل کرنا ممکن ہو۔ اگر یہی رویہ ہے تو ممکن ہے کہ قواعد میں ترمیم کرنے کی ضرورت ہو تاکہ جب کوئی بل اسمبلی میں پیش ہو جائے تو ممبران اسمبلی کو پورے بل پر غور کرنے کا اختیار رہے خواہ گورنمنٹ چاہے یا نہ چاہے۔

اس التوائے بحث پر ہندوستانی ممبروں کو عموماً اور کانگریسیوں کو خصوصاً سخت اشتعال تھا اور وہ سب یک وقت اسمبلی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

۲۰ ستمبر ۱۹۲۶ء کو اس کارروائی کی بنا پر تجویز التوائے اجلاس (یعنی ملامت کا ووٹ) پیش کیا گیا۔ اور پاس ہو گیا۔

سر بیسل کا سفر انگلستان اور مشورہ بقول مسٹر جے کوٹمن ڈائرکٹر آف پبلک انفارمیشن اسمبلی کے شملہ سیشن کے خاتمہ اور دہلی سیشن ۱۹۲۷ء کے شروع ہونے کے درمیانی زمانہ میں تمام حالات و واقعات پر غور کرنے اور سر بیسل بلیکٹ کے ولایت جا کر انڈیا آفس سے ان معاملات پر گفتگو کرنے کے بعد گورنمنٹ نے طے کیا کہ معیار طلا اور ریزرو بنک کا ایک نیا بل اسمبلی میں پیش کیا جائے جو حصہ داروں کے بنک کے اصول کو قائم رکھ کر ان امور پر حاوی ہو جن پر سر بیسل نے سمجھوتا کر لیا تھا۔ یعنی جو سمجھوتہ سر بیسل نے بنک کے سرکاری بنک ہونے کی بابت کر لیا تھا وہ مسترد کر دیا جائے اور عام حصہ داروں کے بنک کے اصول پر دوبارہ بل پیش

کیا جائے۔

۱۹۲۸ء اور ریزرو بنک کا دوسرا بل چونکہ ممبر مالیات کے نئے بل پیش کرنے کی تجویز شایع ہو چکی تھی جب یکم فروری ۱۹۲۸ء کو دہلی میں اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو اسمبلی کے ممبر بھی بکثرت حاضر تھے اور گیلریوں میں تماشہ دیکھنے کے لیئے لوگ بھی کچھا کھچ بھرے ہوئے تھے اور ہر شخص کو پریشانی تھی کہ اب گورنمنٹ کیا کرتی ہے اور ہندوستانی ممبر اس نئے بل کا خیر مقدم کس طرح کرتے ہیں۔ مسٹر پٹیل مشہور صدر کرسی صدارت پر رونق افروز تھے کہ بیسل بلیکٹ آئے۔ چیرز کا شور ہوا بسکون ہونے پر انھوں نے اپنا نیا بل پیش کرنا شروع کیا ہی تھا کہ مسٹر اینے نے اعتراض کرنے کی اجازت طلب کی اور صدر نے اجازت دے دی۔

مسٹر اینے کا اعتراض مسٹر اینے نے کہا کہ سر بیسل کی تجویز کئی وجوہ سے ناقابل سماعت ہے۔ اولاً یہ کہ پہلے بل پر جزوی طور پر بحث ہو چکی ہے اور اسمبلی اس کا بنیادی اصول طے کر چکی ہے پس اب دوبارہ اسمبلی میں اگر کوئی ایسی تجویز پیش کی جاتی ہے جس کی وجہ طے شدہ اصول پر دوبارہ بحث اور تجویز لازم آتی ہے تو وہ مسئلۂ تجویز شدہ کی بنا پر ناقابل مسموع ہے۔

دوسرے یہ کہ "سر بیسل بلیکٹ اب دوبارہ اسمبلی میں ایسا بل پیش نہیں کر سکتے کہ جس مضمون کا بل پہلے سے پیش ہے اور ہنوز وہ ختم نہیں ہوا ہے" ایسی کارروائی اگر کسی قانونی نکتہ کی وجہ سے جائز بھی قرار دیدی جائے تو بھی وہ اسمبلی کے عزو وقار سے گری ہوئی ہے۔ اور اسمبلی کو ایسے دباؤ کو ماننے سے انکار کر دینا چاہیئے۔ یہ غیر معمولی طریقہ کار جو گورنمنٹ اختیار کر رہی ہے اس اصول کے خلاف ہے کہ "ایک ہی معاملہ کو بار بار پیش کرنا ممنوع ہے" اور یہ اصول وہ اصول ہے جو ہر ملک کے دستور اساسی میں تسلیم کیا گیا ہے (اور ایسا کرنا ممنوع ہے)

سر بیسل کا جواب سر بیسل نے جواب دیا کہ مجھے خود اسمبلی کی عزت کا خیال ہے۔ اور میں اسمبلی کے اصول و قواعد کا پابند ہوں اور اس کے قواعد کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ نیز درخواست کی کہ اگر کوئی ایسی فروگزاشت ہوئی ہے تو ممبران اس کو معاف کریں گے۔ اس مسئلہ کے قانونی پہلو پر مسٹر گریہم بحث کریں گے۔

مسٹر جمنا داس مہتہ مسٹر جمنا داس مہتا نے کہا کہ اس وقت گورنمنٹ کے لیئے دو چارۂ کار ہیں یا تو پہلے بل کو وہ واپس لیلے اور اس کے بعد دوسرا بل پیش کرے یا یہ کہ پہلے بل کو اسمبلی میں پاس کرالے اور کونسل آف اسٹیٹ میں اس میں ترمیمات کرالے لیکن شاید گورنمنٹ اس پر تیار نہیں ہوگی کہ وہ پہلے بل کو واپس لے کیونکہ واپسی کے واسطے اسمبلی کی متفقہ اجازت کی ضرورت ہے جس کا امکان نہیں ہے۔

مسٹر سری نواس نے مسٹر اینے کی تائید کی۔

مسٹر گریہم کا جواب پھر مسٹر گریہم لیجس لیٹو سکریٹری جواب کے لیئے کھڑے ہوئے اور کہا کہ اسمبلی کے قواعد

کی رو سے ممبران اسمبلی گورنمنٹ کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ کسی بل کو تکمیل تک پہونچائے۔ یہ تجویز کہ اسمبلی کی عزت قایم رکھنے کے خیال سے بل کو اسمبلی سے پاس کرا دیا جائے اور اس کے بعد کونسل آف اسٹیٹ میں ترمیمیں پیش کی جائیں نہایت لغو اور بے جوڑ ہے۔ گورنمنٹ کو اس کا کچھ اندیشہ نہیں ہے کہ اگر وہ بل کو واپس لینا چاہے گی تو اسمبلی اس کی اجازت نہ دے گی۔ پہلا بل ہنوز زندہ ہے لیکن معلق ہے اور گورنمنٹ اس کے متعلق اس سیشن میں کچھ کارروائی کرنا نہیں چاہتی۔ ممبران اسمبلی اس بل کا خاتمہ دیکھ چکے ہیں۔ نیز مسٹر گریہم نے سر ہری سنگھ گوڑ کے بل کا ذکر کیا جو انھوں نے گورنمنٹ کے اس وعدہ کی بنا پر کہ گورنمنٹ اسی مضمون کا بل اسمبلی میں پیش کرے گی واپس لے لیا تھا۔

سر پرشوتم داس | سر پرشوتم داس نے کہا کہ جو طرزِ عمل گورنمنٹ اختیار کر رہی ہے وہ بہت خطرناک ہے۔ مسٹر گریہم کہتے ہیں کہ بل واپس لینے میں گورنمنٹ کو کچھ اندیشہ نہیں ہے تو پھر وہ بل کو واپس کیوں نہیں لیتے۔

مسٹر سیل۔ جناب والا! اس وقت سوال یہ ہے کہ طریقہ کار جائز ہے یا نہیں۔

پریسیڈنٹ۔ سر پرشوتم داس ٹھیک کہہ رہے ہیں۔

سر پرشوتم داس۔ سر ہری سنگھ گوڑ کے بل کے متعلق جو کہا گیا ہے اس کی حالت بالکل مختلف تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اس طرزِ عمل پر چل کر آئندہ خود گورنمنٹ کو رونا پڑے گا۔ یہ اسمبلی کی توہین ہے۔ اور ان لوگوں کی تذلیل ہے جنھوں نے تین مہینے مشترکہ کمیٹی میں اس بل پر غور کرنے میں صرف کیے ہیں۔

پریسیڈنٹ کا فیصلہ | اس بحث مباحثہ کے بعد پریسیڈنٹ نے اپنا فیصلہ صادر فرمایا جس کا ماحصل یہ تھا کہ گورنمنٹ جب تک پہلا بل واپس نہ لے لے وہ مسٹر سیل کو دوسرا نیا بل پیش کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ انھوں نے فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا "جو سوال پیش ہے اس کے دو پہلو ہیں۔ اوّلاً یہ کہ آیا جو طریقہ ممبر مالیات نے ریزرو بنک بل کے متعلق اختیار کیا ہے کیا وہ اسمبلی کے عز و وقار کے خلاف ہے اور اس سے قواعد اسمبلی سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے اور دوسرے یہ کہ آیا جہاں تک کہ اس بل کی رو سے یہ تجویز کی جاتی ہے کہ مجوزہ بنک حصہ داروں کا بنک ہوگا حالانکہ اسمبلی پہلے تجویز کر چکی ہے کہ بنک سرکاری بنک ہوگا۔ اس وجہ سے اس بل سے ایک مسئلہ کو بار بار پیش کیے جانے کی ممانعت کے اصول کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اس دوسرے معاملہ میں میری رائے ہے کہ کسی مسئلہ کے بار بار پیش ہونے کی ممانعت کے اصول سے اگر بل مسترد کیا جا سکتا ہے تو صرف اس وقت جبکہ ممبر مالیات اس دفعہ کو پیش کریں گے جس کا مقصد یہ ہے کہ بنک حصہ داروں کا بنک ہوگا (کیونکہ صرف یہی ایک مسئلہ ہے جو اسمبلی پہلے طے کر چکی ہے) لہٰذا اس وقت ضرورت ہے کہ یہ غور کیا جائے کہ اس وقت اس بل کے پیش کرنے پر اس کا کیا اثر ہے۔

اس مسئلہ کے طے کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ صدر اس بل کی سابقہ تاریخ پر نظر ڈال کر

سکا اور نتیجہ بتادے
تجویز کرے کہ آیا جس طریقہ سے بل پیش کیا گیا ہے اُس سے اسمبلی کے وقار میں تو فرق نہیں آتا (آپ لوگوں کو)
یاد ہوگا کہ ممبر مالیات نے سال گزشتہ دلی سیشن میں ریزرو بنک بل پیش کیا تھا جس پر غور کرنے کے لیئے
ممبروں کی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس نے مختلف مقامات پر اپنے جلسے کرکے اس بل پر غور و خوض کیا تھا۔
سرکاری اور غیر سرکاری ممبروں میں امور متنازعہ فیہ دو تھے اوّلاً یہ کہ آیا ریزرو بنک حصہ داروں کا بنک ہونا
چاہیئے یا سرکاری۔ ثانیاً یہ کہ اس بنک کے ڈائرکٹر کون ہونے چاہیئیں۔ ان دونوں معاملات میں گورنمنٹ کو
ناکامی ہوئی اور ممبر مالیات نے اپنا اختلافی نوٹ اس کمیٹی کی رپورٹ کے ساتھ دیا تھا شملہ سیشن کے دوران
میں یہ بل معہ کمیٹی کی رپورٹ اور اختلافی نوٹ کے اسمبلی میں پھر پیش کیا گیا۔ تین دن کے بحث مباحثہ کے
بعد گورنمنٹ کی جانب سے ممبر مالیات نے کمیٹی کے مجوزہ اصول (بنک کے سرکاری ہونے کی نسبت) اس
شرط کے ساتھ تسلیم کر لیا کہ ڈائرکٹروں کی بابت بھی مناسب سمجھوتہ ہو جانا ضروری ہے۔ بعد ازیں دفعہ وار بل
پر غور ہونا شروع ہوا اور وہ دفعات جن میں بنک کے سرکاری ہونے کی دفعہ بھی شامل تھی پاس ہوگئیں۔
یکم ستمبر ۱۹[illegible]ء کو آٹھویں دفعہ جو ڈائرکٹروں کے بارہ میں تھی پیش ہوئی اور وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے
مباحثہ دوسرے دن کے لیئے ملتوی ہوا۔ ۳ ستمبر کو ممبر مالیات نے مزید غور کرنے کے لیئے ۵ ستمبر تک کے لیئے
التواء کی خواہش کی تاکہ وہ اسمبلی کی مختلف پارٹیوں کے ساتھ ڈائرکٹروں کے بارہ میں سمجھوتہ کرسکیں۔
ممبر مالیات کی استدعا منظور کر لی گئی لیکن پانچ ستمبر کو جب اسمبلی کا اجلاس ہوا تو یہ بل نہ تو ایجنڈا میں تھا اور
نہ کوئی نوٹ تھا جس سے معلوم ہوتا کہ وہ ایجنڈا میں درج کیوں نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم اسمبلی کے جلسے میں ممبر
مالیات نے اس مضمون کا ایک بیان دیا کہ فی الحال گورنمنٹ کا ارادہ بل کے متعلق مزید کارروائی کرنے کا نہیں
ہے۔ اس بیان پر سوراجیہ پارٹی سخت معترض ہوئی اور ایوان اسمبلی سے بطور احتجاج یک وقت باہر چلی گئی
۱۳ ستمبر کو جب اسمبلی کا اجلاس ہوا تو اس کارروائی کے متعلق گورنمنٹ پر ملامت کا ووٹ پیش کیا گیا جو
پاس ہو گیا۔ ممبر مالیات نے اس ملامت کے ووٹ کے سلسلہ میں بیان کیا تھا

"گو میں اسمبلی سے پورے طور پر متفق ہوں۔ اگر ممبران اسمبلی کا یہ خیال ہو کہ اس سے ان کی توہین کی گئی
ہے تو میں گورنمنٹ کی جانب سے صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ نہ تو یہ کرنا مقصود تھا اور نہ کوئی ایسا ارادہ تھا۔ اور
مجھ کو سخت افسوس ہے کہ آپ صاحبان کو ایسا خیال پیدا ہو گیا ہے۔ نیز بل کے واپس لینے کے متعلق یہ ہے کہ گورنمنٹ
اس نتیجہ پر پہونچ گئی ہے کہ جو پیچیدہ مسائل ہنوز حل کرنے باقی ہیں (اُن کے اعتبار سے) جو وقت (بحث مباحثہ
کرنے کے لیئے) اس سیشن میں مل سکتا ہے (وہ ناکافی ہے (اور اس لیئے) یہ مناسب نہیں کہ یہ بل اس سیشن میں
پایۂ تکمیل کو پہونچایا جائے۔"

یہ اس بل کی وہ تاریخ ہے جس پر صدر کو اس معاملہ کا تصفیہ کرتے وقت خیال رکھنا ضروری ہے کہ آج ممبر مالیات اُس بل کے بجائے ایک نیا بل پیش کرنا چاہتے ہیں جیسوں کے قاعدہ ۳۴ ضمن ۲ کے ماتحت پہلا دو دو بیک بل ہنوز فہرست کار میں درج ہے نہ تو واپس لیا جا چکا ہے اور نہ کافی زمانہ گزر جانے کی وجہ سے خارج ہو چکا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بل کے مجوز کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی بل کو بالکل چھوڑ دے یعنی یہ کہ اس کے متعلق کوئی تحریک نہ کرے لیکن وہ اگر اس بل کو چھوڑ دے اور اسی مضمون کا دوسرا بل پیش کرنا چاہے تو اس کا صحیح طریقہ کیا ہے یہی وہ سوال ہے جو اس وقت صدر کے پیش نظر ہے۔ اس معاملہ میں میں نے بہت محنت سے پارلیمنٹ کی نظائر تلاش کیں اور اگرچہ مجھ کو کوئی نظیر ایسی نہیں ملی جو اس معاملہ پر پوری منطبق ہو سکے تاہم ایسے نظائر مل گئے ہیں جو بتلاتی ہیں کہ ایسے معاملات میں کن اصول پر کام کرنا چاہیے۔

اگر کوئی ممبر بل پیش کرتا ہے اور پھر خود ہی اُس کو چھوڑ دیتا ہے یا اُس کو اس وجہ سے چھوڑنا پڑتا ہے کہ اُس کی دفعات سے اُس کو اتفاق نہیں رہا یا اُس میں اس قسم کی ترمیم کرنی چاہتا ہے جن سے کہ اس بل کا مطلب بالکل بدل جاتا ہے یا کمیٹی جس کے سپرد وہ بل کیا گیا ہے اُس میں ایسی ترمیمات کر دیتی ہے کہ جن کی وجہ سے وہ بالکل نیا بل ہو جاتا ہے تو ایسی حالت میں پارلیمنٹ کی نظائر حسب ذیل ہیں" اس کے بعد صدر صاحب نے نظائر کا حوالہ دے کر کہا کہ "اس اسمبلی کو ایک اور واقعہ نے مزید مشکل میں ڈال دیا ہے جو یہ ہے کہ گورنر جنرل ان کونسل اپنے حکم سے اس بل کو پہلے ہی گزٹ میں بھی شائع کرا چکے ہیں جس کی وجہ سے اسمبلی کو اپنے اجتماع کا بھی کوئی موقع نہیں مل سکا ہے۔ اور اب یہ صدر کے ذمہ آن پڑا ہے کہ وہ قواعد و قوانین کے مترجم اور اسمبلی کے حقوق کے محافظ کی حیثیت سے مداخلت کرے اس رائے کے ساتھ اور اپنے فیصلہ کے لیے اپنی ذمہ داری کا پورے طور پر احساس کرتے ہوئے میں تجویز کرتا ہوں کہ جو طریقہ ممبر مالیات نے اختیار کیا ہے وہ اسمبلی کے وقار کے خلاف ہے اور اس کے قوانین سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی حد تک پہونچتا ہے۔ لہٰذا مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میں ممبر مالیات کو بل پیش کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا (سوراجسٹ نیشنلسٹ اور انڈی پنڈنٹ ممبروں کی بنچوں سے چیرز)

گورنمنٹ کے لیے طریقہ کار اب دو ہیں۔ اوّلاً یہ کہ وہ اسمبلی کی اجازت سے پہلے بل کو واپس لے لے اور اس کے بعد نیا مجوزہ بل پیش کرے اس طریقہ کو بتاتے ہوئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت میں یہ کچھ نہیں بتا سکتا کہ پہلے بل کے واپس لینے پر نئے بل کے پیش کرنے میں کوئی وقت باقی رہے گی یا نہیں۔
ثانیاً یہ کہ سب سے اچھا اور محفوظ دوسرا طریقہ گورنمنٹ کے لیے یہ ہے کہ وہ اس بل کو جیسا ہے پڑا رہنے دے اور کافی زمانہ گزر جانے کی وجہ سے جب وہ خود بخود خارج ہو جائے تو دوسرا بل پیش کرے جیسا کہ قاعدہ ۳۴ ضمن ۲ سے ظاہر ہوتا ہے۔

رزرو بنک بل کا خاتمہ اس تجویز کے صادر ہونے پر سوراجی ممبر اٹھے اسمبلی چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ اس جدوجہد اور کشمکش کے بعد بالآخر گورنمنٹ نے اسمبلی سے اپنا پیچھا چھوڑا یا۔ اور حصہ داروں کے بنک کے بجائے سرکاری بنک کے اصول کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے رزرو بنک بل کا خاتمہ کر دیا۔ اور آئندہ کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اب وہی قدیم پالیسی اور وہی گورنمنٹ ہند اور وزیر ہند کی مداخلت جاری ہے۔ ساڑھے تین برس سے زیادہ ہونے کو آئے۔ اسمبلی بھی بدل گئی لیکن اس بل کے دوبارہ پیش ہونے کی نوبت نہ آئی۔

بیسویں صدی کا دور چہارم

شرح تبادلہ اور بجٹ بیسویں صدی کا دور چہارم مارچ ۱۹۲۶ء میں کرنسی بل کے پاس ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ اس قانون کی رو سے شرح تبادلہ بجائے ۲۴ پنس کتابی شرح کے ۱۸ پنس کر دی گئی تھی۔ اسمبلی میں یہ قانون سالانہ بجٹ کے دوران میں پیش کیا گیا تھا اور بجٹ پہلے ہی سے ۱۸ پنس فی روپیہ کی شرح سے مرتب کر لیا گیا تھا۔ اس بل کو دوران بجٹ میں پیش کرنے سے گورنمنٹ کا مقصد یہ تھا کہ ممبران اسمبلی اگر ۱۸ پنس کے بجائے ۱۶ پنس شرح قایم کرنے پر اصرار کریں گے تو اس تبدیلی کی وجہ سے بجٹ میں جو صریح نقصان ہوگا اُس کو پورا کرنے میں زحمتوں کا مقابلہ بھی ممبروں ہی کو کرنا پڑے گا۔ نئے ٹیکس تجویز کرنے ہوں گے اور دوسری کارروائیاں کرنی لازم ہوں گی۔ پس ممبران اسمبلی ان دقتوں سے بچنے کے لیئے ۱۸ پنس فی روپیہ شرح تبادلہ کو قبول اور منظور کر لینگے ہندوستانی ممبروں نے گورنمنٹ کے اس رویہ پر اعتراض بھی کیئے تھے اور کہا تھا کہ "کرنسی بل و شرح تبادلہ کا فیصلہ کسی ایک سال کے بجٹ کو مدنظر رکھ کر کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے یہ معاملہ تو پچاسوں بجٹ کے لیئے ہے اور اس کا اثر تمام ملک کی تجارت و صنعت پر پڑنے والا ہے۔ اس کو اس قدر محدود اور مختصر بنا پر طے کرنا کسی طرح مناسب نہیں" ممبر مالیات کے حساب سے ۱۶ پنس شرح تبادلہ قایم کرنے سے بجٹ میں ۵ کروڑ روپیہ کا نقصان ہوتا تھا لیکن ہندوستانی ممبر اس تخمینہ کو مبالغہ آمیز تصور کرتے تھے اور واقعی کمی ڈیڑھ دو کروڑ بیان کرتے تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ حقیقت میں کس فریق کی دلیل صحیح تھی لہذا ہم پہلے ۲۷-۱۹۲۶ء کے بعد کے سنین کے بجٹوں کو مختصراً لیتے ہیں کہ اُن کی کمی بیشی کے واقعی اور اصلی وجوہ کیا ہیں اور شرح تبادلہ کی امداد سے اُن کی صحت و درستی کرنا کہاں تک بجا ہے۔

۲۷-۱۹۲۶ء اور سنین مابعد کے بجٹ جس زمانہ میں کہ مذکورہ بالا بجٹ ۲۷-۱۹۲۶ء اسمبلی میں پیش تھا اس سے پہلے سنین میں ہندوستان کی فصلیں مسلسل اچھی ہوتی آئی تھیں اور سرکار کو اپنی آمدنی میں کافی بچت رہی تھی۔ اور بغرض احتیاط آئندہ بجٹوں کے نقصانات پورا کرنے کے لیئے سالانہ ایک رقم علیحدہ رکھی جانے لگی تھی جس کا

نام (Revenue Reserve Fund) محصولات کا سرمایہ محفوظ رکھا گیا تھا اُس کی مجموعی تعداد ۲ کروڑ ۹۰ لاکھ روپے کے قریب ہوگئی تھی لیکن سال ۲۸-۱۹۲۷ء سے بجٹ میں نقصان ہونا شروع ہوگیا۔ چنانچہ آخر سال ۲۸-۱۹۲۷ء میں بجٹ میں ۲ کروڑ ۲۲ لاکھ روپے کی کمی واقع ہوئی تو اس کو اسی سرمایہ سے روپیہ لیکر پورا کیا گیا۔ یہ زمانہ سر بسیل بلیکٹ کا آخری عہد حکومت تھا یعنی اس کے بعد سر بسیل نے صرف ۲۹-۱۹۲۸ء کا بجٹ اور بنایا اور پیش کیا جس میں توقع دلائی تھی کہ تیس لاکھ روپے کے قریب سرکار کو بچت رہے گی لیکن سال کے آخر میں بجائے کسی طرح کی بچت کے سرمایہ محفوظہ کا بقیہ کل ۴۷ لاکھ روپیہ خرچ کر دینے کے بعد بھی ۲۳ لاکھ روپے کا خسارہ رہا۔ سر بسیل کا عہد حکومت ختم ہوگیا اور سر جارج شسٹر ممبر مالیات مقرر ہوئے۔ ان کے زمانہ میں بھی ۳۰-۱۹۲۹ء کے بجٹ میں تخمیناً ایک کروڑ ۷۰ لاکھ کا نقصان رہا لیکن اسی سال بین الاقوامی کانفرنس کے تصفیہ کی رو سے ہندوستان کو ایک رقم کثیر ملی جس کی شمولیت سے نقصان بھی پورا ہوگیا اور ۲۷ لاکھ روپیہ بچ بھی رہا۔ لیگ آف نیشن نے یہ رقم صلحنامہ ورسیلز کی رو سے جرمنی کے قرضوں کے بارہ میں دی تھی۔ سال ۳۱-۱۹۳۰ء کے بجٹ کی بھی حالت خراب ہی رہی حالانکہ ممبر مالیات نے ۴ کروڑ ۸۰ لاکھ کے نئے ٹیکس بڑھا کر سمجھ لیا تھا کہ ۸۰ لاکھ کی بچت رہے گی تاہم سال تمام پر ۱۲½ کروڑ روپے کا خسارہ رہا اس کے بعد ۳۲-۱۹۳۱ء کا بجٹ پیش کرتے ہوئے ۱۴ کروڑ ۸۲ لاکھ روپے کے جدید ٹیکس لگا کر توقع کی جاتی تھی کہ ایک لاکھ روپے کی بچت ہو جائے گی مگر چھ مہینے بعد ہی اندازہ کیا گیا کہ سال تمام پر ۱۹ کروڑ روپے کا خسارہ ہوگا اور ۳۳-۱۹۳۲ء میں بھی اتنے ہی نقصان کا اندازہ کیا جا رہا ہے جس کے پورا کرنے کے لیئے دسمبر ۱۹۳۱ء سے نئے ٹیکس باوجود اسمبلی کے احتجاج اور نامنظور کر دینے کے وایسرائے کے اختیار خصوصی کی سند لیکر نافذ کر دیئے گئے ہیں۔

ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ گورنمنٹ بجٹ کو شرح تبادلہ سے جو سہارا دینا چاہتی تھی اصولاً وہ سہارا غلط تھا۔ گورنمنٹ کے بجٹ میں نقصان کا باعث تو یہ ہے کہ طریقہ کاشت میں کسی قسم کی ترقی نہ ہونے کی وجہ سے نیز نرخ گر جانے کی وجہ سے کاشتکاری پیشہ طبقہ کی آمدنی کم ہوگئی اور لوگوں کی قوت خرید گھٹ گئی جس کا براہ راست نتیجہ یہ ہوا کہ درآمدکے مال کا کاروبار بھی مدھم پڑ گیا اور باوجود نرخ گر جانے اور روپے کی قیمت بڑھ جانے کے گورنمنٹ نے اپنے اخراجات میں اسی نسبت سے تخفیف نہ کی یعنی کو تو روپیہ کی قیمت ۱۲½ فیصدی بڑھ گئی مگر اخراجات میں بجائے کسی تخفیف کے سال بہ سال اضافہ ہوتا گیا۔ پس نتیجہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہی ہوا۔

فوجی اخراجات تمام ممالک کی سلطنتوں کا طریقہ یہ ہے کہ آمدنی زیادہ ہوتی ہے تو رفاہ عام کے کاموں میں

صرف کی جاتی ہی اور جب کبھی غیر معمولی حالات پیش آ جانے کی وجہ سے آمدنی کم ہو جاتی ہی تو ان رفاہ عام کے اخراجات کو گھٹا کر مصیبت کا وقت گزار دیا جاتا ہی لیکن اس کے برخلاف ہندوستان میں آمدنی کا جو کچھ اضافہ ہوتا ہی وہ بیشتر فوج اور تنخواہ ملازمان میں صرف کر دیا جاتا ہی لہذا آمدنی کم ہو جانے کی صورت میں تخفیف مصارف کی کوئی صورت ہی نہیں نکلتی۔ غیر ملکی حکومت میں فوج اور دوسری ملازمتوں کی توسیع میں بہت گنجایش ہوا کرتی ہی اور تمام آمدنی کو یہی مدات ہضم کر لیا کرتی ہیں۔ کیونکہ انھیں دونوں پر گورنمنٹ کے استحکام کا انحصار ہوتا ہی جن میں قانونی اور سیاسی مصالح کی بنیاد پر خاطر خواہ تخفیف قریب قریب ناممکن کے ہوتی ہی۔ فوج میں مرکزی گورنمنٹ کے کل مصارف کا تخمینہ ۵ء۳۳ فیصدی ہی۔ اور سنہ ۱۹۱۳ء سے سنہ ۱۹۲۸ء کے درمیانی عرصہ میں اس مد میں سو (۱۰۰) فی صدی ترقی ہو چکی ہو یعنی ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ پونڈ سے بڑھ کر ۴ کروڑ ۴۰ لاکھ پونڈ ہو گیا ہی۔ سر والٹر لیٹن (Sir Walter Layton) نے جو بہت بڑے ماہر اقتصادیات ہیں نہایت اچھے الفاظ میں گورنمنٹ کی اس پالیسی اور خرچ کی مذمت کی ہی۔ انھوں نے ہندوستان کے فوجی اخراجات کا دوسرے ممالک کے اخراجات سے جو مقابلہ کیا ہی اس سے صاف ظاہر ہوتا ہی کہ ہندوستانی عمال حکومت یہاں کے اخراجات میں کسی تناسب کا لحاظ نہیں رکھتے۔

دیگر ملازمتیں | دوسرے محکموں کی ملازمتوں میں بھی اقتصادیات کا خیال نہیں رکھا جاتا چنانچہ اعلیٰ عہدوں کی ابتدائی تنخواہیں بھی بہت اعلیٰ معیار پر قایم کی گئی ہیں جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہی کہ اس سے اعلیٰ قابلیت کے برطانوی افسر مل سکتے ہیں جن کی حقیقت میں محض سیاسی وجوہ ہی سے ضرورت ہی اور صرف ان کی تنخواہوں کا معیار ہی اعلیٰ نہیں ہی بلکہ ترقیاں بھتے اور وقتاً فوقتاً دوسری مراعات جو ان ملازمین کو دی جاتی ہیں اُن کی وجہ سے اس ملک کی انتظامی مشین کے اوپر حد کا صرفہ ضرورت سے بہت زیادہ ہو کر سر بہت ہی بھاری ہو گیا ہی مثلاً سنہ ۱۹۲۴-۲۵ء میں ان ملازموں کو گورنمنٹ سے زبردستی لی کمیشن کی سفارش کے موافق خاص مراعات اس بنا پر دلوائی گئی تھیں کہ اجناس اور اشیا کی قیمتیں بہت بڑھ گئیں تھیں مگر آج بھی جبکہ قیمتیں زمانہ قبل از جنگ سے کم ہو چکی ہیں ان کو وہی زیادہ تنخواہیں دی جا رہی ہیں علاوہ از یں لی کمیشن کی سفارشات مراعات اس خاص وجہ سے بھی قابل توجہ ہیں کہ یہ کمیٹی اس زمانہ میں مراعات دلوا رہی تھی جبکہ انچکیپ کمیٹی نے عام طور پر ہر محکمہ میں تخفیف کی سفارشات کی تھیں۔

زیادہ شرح سود کے قرضے | تمام اخراجات کا ۱۸ فیصدی قرضہ جات کی مد میں صرف کیا جاتا ہی اور روز بروز اس کی مقدار بڑھتی جاتی ہی جس کی وجہ یہ ہی کہ قرضے تھوڑی میعاد اور زیادہ شرح سود پر لیے جاتے ہیں جس میں کسی تخفیف کی گنجایش نہیں ہی۔

مرکزی اور صوبجاتی بجٹ | ہندوستان کے بجٹ پر غور کرنے کے لیئے چار امور خاص طور پر قابل لحاظ ہیں
(۱) یہ کہ ہندوستان کی آمدنی میں سے تقریباً نصف تو مرکزی گورنمنٹ لے لیتی ہے اور بقیہ نصف آمدنی تمام صوبجات کے پاس بچتی ہے اور مرکزی گورنمنٹ قریب قریب تمام وہ فرائض جو فی زمانہ مہذب گورنمنٹ کے فرائض سمجھے جاتے ہیں مثلاً تعلیم حفظان صحت۔ اقتصادی ترقی وغیرہ سب صوبجاتی گورنمنٹوں کے ذمہ چھوڑ دیتی ہے۔ حالانکہ صوبوں کو خود اپنے ملازموں پر اتنا زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے کہ دیگر مدات میں صرف کرنے کے لیئے اُن کے پاس بہت ہی کم بچتا ہے مرکزی گورنمنٹ کے پاس تو امور رفاہ عامہ اور ملکی پیداوار کو ترقی دینے کے لیئے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ وہ تو عملاً صرف حفاظت (فوج) اور دیگر ضروری اخراجات ہی کی کفیل ہوتی ہے۔ اس وجہ سے موجودہ نظام امور رفاہ عام اور پیداوار ملکی ترقی میں بہت کمی ہے۔
(۲) ہندوستان کی آمدنی کا دارمدار زیادہ تر غیر ملکی تجارت پر ہے جو محض ہیں اچھی پیداوار اچھا ہونے کی حالت ہی میں قابل اعتماد سمجھی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی گورنمنٹ کے ایک کثیر حصّہ کا انحصار درآمد کے محصولات پر ہے اور صوبوں کی آمدنی کا دارمدار اسٹامپ اور آبکاری وغیرہ پر ہے اور یہ سب مدات ایسی ہیں کہ جس وقت ملک میں مقدمہ بازی۔ شراب نوشی کے گھٹانے اور ملکی مصنوعات کے ترقی کی طرف قدم اُٹھایا جاتا ہے تو ان ذرائع آمدنی پر بہت خراب اثر پڑتا ہے۔
(۳) گزشتہ سنین کے تجربہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ٹیکسوں کی شرح اور نوعیت بڑھانے سے گورنمنٹ کی آمدنی میں اُسی نسبت سے اضافہ نہیں ہوتا ہے جس نسبت سے از روئے حساب اضافہ کی توقع کی جاتی ہے۔
(۴) آمدنی کا ایک حصّہ کثیر فوج۔ اعلیٰ ملازمتوں کی تنخواہوں اور قرضہ کے سود کی مدات میں مطالبات انگلستان کے نام سے سالانہ ہندوستان سے انگلستان چلا جاتا ہے۔

بجٹ کے نقصانات کی تلافی کا طریقہ | ممبر مالیات نے اس سال دوسری مرتبہ گزشتہ اکتوبر میں جو بجٹ پیش کیا تھا اُس میں ۱۱ کروڑ ۳۳ لاکھ روپے کی کمی کا تخمینہ تو مختلف ٹیکسوں کی آمدنی میں تھا اور ۳ کروڑ روپے کی کمی کا تخمینہ تجارتی صیغوں کی آمدنی کا تھا اور دیگر متفرق مدات کی کمی ملاکر مجموعی نقصان کی تعداد ۱۹ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے ہوتی تھی اور اسی قدر نقصان کا اندازہ ۳۳-۱۹۳۲ء میں بتایا گیا تھا یعنی ۳۸ کروڑ ۵۰ لاکھ کے خسارہ کی تلافی ۱۸ ماہ میں کرنی تھی۔ جس کے لیئے ۹ کروڑ ۸۰ لاکھ روپیہ کی تو اخراجات میں تخفیف اور ۲۲ کروڑ ۳ لاکھ روپیہ کی نئے ٹیکس لگاکر آمدنی بڑھانے کی تجویز کی تھی۔ نیز نمک اُدھار فروخت کرنے کے طریقہ کو بند کرنے سے ۴ کروڑ روپے کی آمدنی ہونے کی توقع تھی۔ خلاصہ یہ کہ ان طریقوں

اُمید کی جاتی تھی کہ سنہ ۳۱-۱۹۳۰ء کے خاتمہ پر تو صرف ۱۰ کروڑ ۱۱ لاکھ روپیہ کا نقصان رہے گا لیکن آئندہ سال کے اختتام پر ۵ کروڑ ۳۲ لاکھ روپیہ کی بچت رہے گی جس کو سنہ ۳۱-۱۹۳۰ء کے باقیماندہ ۱۰ کروڑ ۱۱ لاکھ کے نقصان میں محسوب کر دیا جائے گا۔ تو ۱۸ ماہ میں فی الجملہ کمی صرف ۴ کروڑ ۷۹ لاکھ روپیہ کی رہ جائے گی جس کو پورا کرنے کا طریقہ ممبر مالیات نے یہ تجویز کیا ہے کہ ۲ کروڑ ۴۰ لاکھ روپیہ سالانہ جو رقم قرضوں کی مد میں خرچ کی جاتی ہے ان دونوں سالوں میں کم کر کے بجٹ کے نقصان کو پورا کر دیا جائے گا۔

غرضکہ گورنمنٹ کو اُمید ہے کہ ان طریقوں سے یہ اٹھارہ مہینے گزار لیے جائیں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب ہندوستان کی خوشحالی کے زمانہ میں اس قدر ٹیکس وصول نہ ہو سکتے تھے تو اب کاروبار کے مدھم اور نرخوں کے گھٹ جانے کے بعد یہ تخمینی بجٹ کس طرح پورا ہوگا جب تک کہ گورنمنٹ اپنے اخراجات کو آمدنی کے مطابق نہ کرے گی کام چلنا مشکل ہے۔

یہ تو زمانہ ہی بتائے گا کہ اس تخمینی بجٹ کا انجام کیا ہوگا اور ممبر مالیات کے قیاسات کہاں تک صحیح ثابت ہوں گے مگر غور طلب یہ ہے کہ سنہ ۱۹۳۲ء میں بجٹ کو (حسب تخمینہ ممبر مالیات حالانکہ ہندوستانی ممبروں کا اندازہ بہت کم تھا) ۵ کروڑ روپیہ کے نقصان سے بچانے کے لیے شرح تبادلہ ۱۸ پنس کی تھی اور مزید ٹیکسوں سے اس کمی کو پورا کرنے میں دقت محسوس کرتے تھے تو آج جب حالت ایسی سنگین ہو گئی ہے کہ اجناس اور غلہ کی قیمتیں نصف سے بھی کم رہ گئی ہیں اور ہندوستان کے لوگوں کی قوت خرید جاتی رہی ہے۔ پانچ کروڑ نہیں بلکہ ۱۹ کروڑ سالانہ نقصان کی تلافی کی تدابیر سوچی جا رہی ہیں لیکن جو مسلمہ نقصان ۱۸ پنس شرح تبادلہ سے کاشتکاروں کو ہوا ہے وہ ہنوز جاری اور قائم ہے۔

شرح تبادلہ سنہ ۱۹۲۷ء کے بعد باوجودیکہ سنہ ۱۹۲۵ء سے سنہ ۱۹۳۱ء تک تقریباً ہر سال میزان تجارت ہندوستان کے حق میں رہی ہے لیکن ۱۸ پنس شرح تبادلہ قائم رکھنے میں جن دقتوں کا سامنا گورنمنٹ کو رہا ہے اس کا اندازہ مسٹر ای۔ ایم فرید ارڈ ڈائرکٹر ٹاٹا کمپنی کے اس بیان سے ہوتا ہے جس کو اخبار پائنیر کے نامہ نگار نے بذریعہ تار ہندوستان بھیجا تھا وہ کہتے ہیں کہ

"سنہ ۱۹۳۰ء میں سکہ کی قلت کرنے کے سلسلہ میں گورنمنٹ کو اپنے خزانہ میں ۴۴ کروڑ روپیہ کی کمی کرنی پڑی نیز وزیر ہند کے پاس کافی رقم جمع رکھنے کے لیے سال بھر کے اندر ۴ کروڑ دس لاکھ پونڈ قرضہ لینا پڑا اور یہ سب اس لیے ہوا کہ شرح تبادلہ قائم رکھی جا سکے شرح تبادلہ کی برابر آزمائش ہوتی رہی ہے اور باوجود ہر قسم کی کارروائیوں کے اس وقت تک ناکام رہی ہے۔"

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر وی۔ ایل۔ رائے کا مضمون قابل ملاحظہ ہے جو سنہ ۱۹۳۰ء میں گورنمنٹ کے جدید قرضہ

تحریک کیا تھا وہ لکھتے ہیں کہ "میں ممبر مالیات سے درخواست کرتا ہوں کہ لندن کے تبادلہ کرنے والے اُن بنکوں کے چیرمینوں کے ایڈریس غور سے پڑھیں جو ہندوستان میں کاروبار کرتے ہیں۔ ان ایڈریسوں میں وہ صاف طور سے کہتے ہیں کہ گزشتہ سال خزانے کی ضمانت پر جو قرضے ہندوستان میں لیئے گئے تھے (Treasury Bills) اور جو انگلستان میں (اسٹرلنگ کے قرضوں کے نام سے) لیئے گئے تھے وہ شرح تبادلہ برقرار رکھنے کے واسطے لیئے گئے تھے اگرچہ ان مصنوعی تدبیروں کے واسطے عارضی طور پر شرح تبادلہ سنبھل گئی تھی لیکن آئندہ کے لیئے ترقی کے آثار نمایاں نہیں ہوئے۔"

علاوہ ازیں کونسل آف اسٹیٹ میں ۱۶ ستمبر ۱۹۳۱ء کو لالہ جگدیش پرشاد نے ایک تجویز ۱۸ پنس شرح تبادلہ کو منسوخ کرکے ۱۶ پنس قایم کرنے کی کی تھی اُنھوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ "۱۸ پنس کی شرح تبادلہ ہندوستان کے لیئے ایک ناسور ہو گئی ہے۔ گزشتہ چند مہینوں میں تو حالت اور بھی خراب ہو گئی ہے حالانکہ اس کے برقرار رکھنے کے زیادہ شرح سود پر گورنمنٹ کو قرضے لینے پڑے ہیں۔ کاشتکاروں کو سخت نقصان ہو چکا ہے اور اُن کے مال بکنے کے لیئے کوئی بازار بھی نہیں ہے اُن کا مال سامان اور مویشی بکتے چلے جاتے ہیں۔

مسٹر باسو نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس بیان سے اتفاق کرنا کہ ہندوستان پر تمام مصائب شرح تبادلہ کی وجہ سے نازل ہوئے ہیں ناممکن ہے۔ ۱۶ پنس شرح تبادلہ کے حامی یہ ثابت کرنے سے قاصر رہتے ہیں کہ موجودہ اقتصادی بدحالی اور سیاسی بے چینی کی جڑ بنیاد شرح تبادلہ ہی ہے۔ اگرچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ گورنمنٹ کی حالت جیسی اچھی ہونی چاہیئے تھی ویسی نہیں ہے۔

لالہ رام سرن داس نے کہا کہ ۱۸ پنس شرح قایم کرنے کے بعد گورنمنٹ کو اپنے مطالبات مثلاً مالگذاری وغیرہ ۱۲½ فیصدی گھٹا دینے چاہیئے تھے نیز سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ بیرونی سرمایہ داروں نے اس نئی شرح تبادلہ کی بدولت ۵۰ کروڑ روپیہ کا نفع کما لیا۔

مسٹر ڈننگ سکرٹری مالیات نے جواب دیا کہ گزشتہ چند برسوں میں پبلک میں نیز مجالس مقننہ میں شرح تبادلہ پر اتنی بحثیں ہو چکی ہیں جو تھکا دینے والی ہیں۔ ممبر مالیات اس کے متعلق بار بار گورنمنٹ کی پالیسی اور اسکی وجوہات کو بصراحت بیان کر چکے ہیں۔ اور وائسرائے صاحب بھی گزشتہ دوشنبہ کی تقریر میں کہہ چکے ہیں کہ اس پالیسی میں کوئی تبدیلی ہونی نہیں ہے۔ پھر بھی میں مختصراً موجودہ حالت بیان کیئے دیتا ہوں کہ ۱۹۲۷ء کے کرنسی ایکٹ کی رو سے گورنمنٹ ذمہ دار ہے کہ شرح تبادلہ ۱۸ پنس برقرار رکھے اور وہ ابھی اس ذمہ داری کے پورا کرنے میں اپنی تمام قوت کو استعمال کرنا چاہتی ہے یہی نہیں بلکہ گورنمنٹ انگلستان نے بھی وعدہ کر لیا ہے کہ اگر ضرورت ہوگی تو وہ بھی مالی امداد کرے گی۔ اور میں کونسل کے ممبران کی اطلاع کے لیئے وزیر اعظم کا وہ بیان

جو اس بارہ میں آخر ہفتہ جون میں کیا ہے سُناتا ہوں۔ اُنھوں نے کہا تھا کہ "مجوزہ اساسی تبدیلیاں اُس وقت تک ممکن نہیں ہیں جب تک مالی استحکام کا یقین نہ ہو۔ اور گورنمنٹ برطانیہ کا یہ پختہ ارادہ ہے کہ ایسی کوئی حالت نہ پیدا ہونے دے جس سے ہندوستان کی مالی حالت اور عمدہ انتظام جس کے آج کل وزیر ہند ذمہ دار ہیں خطرہ میں پڑ جائے اس لیے گورنمنٹ نے یہ طے کر لیا ہے کہ اگر ضرورت ہوگی تو پارلیمنٹ سے درخواست کرے گی کہ وہ اُن کو اختیار دے دے کہ گورنمنٹ ہند کی مناسب شرائط کے ساتھ مالی امداد کر سکیں تاکہ اساسی معاملات کے طے ہونے کے زمانہ میں اس ملک کی ساکھ قائم رہے اور اس قسم کی تجاویز بنائی جا سکیں جن سے آئندہ زمانہ میں بھی ہندوستان کا اعتبار قائم رکھ سکیں۔ وزیر اعظم کے اس بیان کے دو مقصد ہیں اوّلاً یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ نے وعدہ کر لیا ہے کہ ضرورت ہوگی تو وہ پارلیمنٹ سے ہندوستان کی مالی امداد کرنے کی اجازت لے لیں گے اگرچہ اب تک ایسی ضرورت نہیں ہوئی ہے اور اُمید ہے کہ آئندہ بھی ایسی ضرورت نہ پڑے گی اور ہندوستان اپنی موجودہ مصائب کا بلا بیرونی امداد کے مقابلہ کر لے گا۔ لیکن گورنمنٹ برطانیہ کے امدادی وعدہ کو اگر اچھی طرح سمجھا جائے تو موجودہ مصائب سے عہدہ برا ہونے کے لیے ہندوستان کو جس ساکھ اور اعتبار کے قائم کرنے کی ضرورت ہے اُس میں یہ وعدہ بہت ممد ہوگا۔ دوسرا نکتہ وزیر اعظم کے بیان میں یہ ہے کہ مجوزہ تبدیلیوں کی ابتدا کرنا اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ مالی حالت کا اطمینان نہ ہو جائے"

سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے مسٹر ڈیننگ نے کہا کہ جو تجویز اس وقت پیش کی گئی ہے اُس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے مالی استحکام کو ارادتاً چھوڑ دیں قابل مجوز اپنی تجویز کے اثرات کو شاید پوری طرح نہیں سمجھے جو خطرات ایک غیر یقینی (قیمت کے) سکہ سے ملک کو ہو سکتے ہیں۔ کیا اُن کے لیے یہ ایوان تیار ہے۔ جرمنی کی مثال سامنے ہوتے ہوئے ہمارے لیے یہ ناقابل قیاس ہے کہ ہندوستان اپنے سکہ کے استحکام کو کھو دے جس کے مستحکم کرنے کے لیے دوسری اقوام بھی کوشاں ہیں۔ . . . .

جو مصائب آج دنیا پر نازل ہو رہے ہیں اُن کا علاج سکہ کی قیمت کم کرنے سے نہیں ہو سکتا۔ . . . .

میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اجناس کے نرخوں کی کمی سے کاشتکاروں کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ اس وقت ہر ملک میں مال کے پیدا کرنے والوں کو نقصان پہنچ رہا ہے

اس میں شک نہیں کہ شرح تبادلہ اگر ۱۶ پنس کر دی جائے تو قیمتیں ۱۲½ فیصدی کے قریب بڑھ جائیں گی لیکن اس کے ساتھ اُن چیزوں کی قیمتیں بھی تو بڑھ جائیں گی جو کاشتکاروں کو خریدنی پڑتی ہیں۔ آخر میں مسٹر ڈننگ نے کہا کہ ملک کی اندرونی اشیا کی قیمت بڑھانے کے لیے اگر سکہ کی قیمت گھٹائی جاتی ہے تو ہندوستان کا اعتبار جاتے رہنے سے جو مصائب نازل ہوں گے اُن کا مقابلہ کرنا پڑے گا جو ممکن ہے کہ بالآخر تمام ملک کے لیے تباہ کن

ثابت ہوں"

اس کے بعد تجویز پیش ہوئی لی گئی اور ۲۳ ووٹ سے بمقابلہ ۹ ووٹ کے تجویز نامنظور ہو گئی۔

۲۶ ستمبر ۱۹۳۱ء کو اسمبلی میں جدید ٹیکسوں کے قانون کے سلسلہ میں مسٹر چیٹی نے اُن کارروائیوں کو بیان کرتے ہوئے جو ۱۸ پنس شرح تبادلہ برقرار رکھنے کے لئے گورنمنٹ نے کی تھیں کہا کہ "۱۸ پنس شرح تبادلہ برقرار رکھنے کے لئے ۱۹۲۱ء سے ۱۲۸ کروڑ روپے کی قلت کی گئی۔ اور سال رواں میں پانچ مہینے کے اندر اندر ۲۸ کروڑ روپیہ سے کم قلت Deflation نہیں کی گئی۔ اس پالیسی کی بدولت کاشتکاروں اور صناعوں کو سخت نقصان پہونچا ہے۔ علاوہ ایں سر جارج شسٹر کا یہ بیان کہ خزانہ میں ۶۰ لاکھ روپے کے سونے کا اضافہ ہوا ہے پورا صحیح نہیں ہے بلکہ نصف صحیح ہے۔ کیونکہ یہ ۶۰ لاکھ روپے کا سونا تو وہ ہے جو کاشتکاروں کو مصیبت کے وقت اپنی ضروریات خریدنے کے لئے بیچنا پڑا ہے۔ برخلاف اس کے خزانہ کے سونے اور قرضوں کا اگر حساب لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ پچھلے ۴ سال میں ۶۰ کروڑ روپیہ ۱۸ پنس شرح تبادلہ برقرار رکھنے میں کھویا جا چکا ہے نہ صرف یہ بلکہ بیرونی قرضوں میں بھی بقدر ۶ کرور پونڈ کے اضافہ ہو چکا ہے اور اس طرح شرح تبادلہ برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی تو اقتصادی مصیبت نے زیادہ تیزی سے ہم کو آگھیرا ہے۔ ہم ہمیشہ سے یہی سنتے چلے آتے ہیں کہ گورنمنٹ نے ٹھان لی ہے کہ وہ روپیہ کی شرح تبادلہ کو قائم رکھے گی"۔

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے مسٹر چیٹی کہتے ہیں کہ "دنیا بھر میں صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس کی سکہ کی قیمت بڑھی ہوئی ہے حالانکہ بقول پروفیسر کینز Keynes فرانس اور بلجیم جیسے ممالک کی خوشحالی کی وجہ یہ تھی کہ اُن کے سکہ کی قیمت گھٹی ہوئی تھی"۔

غرضکہ اس وقت بھی ۱۸ پنس کی شرح تبادلہ برقرار ہے تاہم اس زمانہ میں منجانب اللہ کچھ ایسے واقعات پیش آ رہے ہیں اور آنے والے ہیں جن کا آخری انجام بیان کرنا اس وقت تو ہمارے امکان سے باہر ہے لیکن اُن کے وجود کا اقرار کرنا اور اُن کے مختصر حالات بیان کرنا ضروری ہیں۔ اور اُن کے جو اثرات ہندوستان کی اقتصادیات اور سکہ اور شرح تبادلہ پر ہونے والے ہیں وہ بھی قابل غور ہیں۔

مالیات انگلستان میں تنزل اور اس کے وجوہ

تہذیب اور مشینوں کی ایجاد جس طرح دنیا کی پیدائش قوانین قدرت کے تابع ہے اسی طرح اُس کی ترقی و تنزل بھی اُسی قانون کے ماتحت ہوتے ہیں۔ قانون ایک ہے جس پر عمل کرنے سے زندگی کے بڑھانے اور ختم کرنے کی چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ لوہار ایک نشتر بناتا ہے جس سے پھوڑے میں شگاف دیکر انسان کو

راحت بھی پہونچائی جاسکتی ہے اور شریان کاٹ کر اُس کو فنا بھی کیا جاسکتا ہے۔

اسی قانون قدرت کے ماتحت اقتصادیات بھی ہیں۔ ابتدا، زمانہ میں علم کی کمی کے ساتھ صنعت و حرفت کی بھی کمی تھی۔ جوں جوں علم کی ترقی ہوتی گئی صنعت و حرفت میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ شروع میں سب کام ہاتھ سے کیے جاتے تھے تو وقت زیادہ صرف ہوتا تھا۔ کام بھی کم ہوتا تھا اور مال کی لاگت بھی زیادہ ہوتی تھی۔ عقل انسانی نے ترقی کی تو اُس نے مشینیں ایجاد کیں جن کی بدولت ایک آدمی پانچ آدمیوں کے برابر کام کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ دس اور پھر سو آدمیوں کی برابر ایک آدمی کام کرنے لگا۔ غرضکہ مال پیدا کرنے کی قوت روز بروز انسان میں ترقی کرتی گئی۔ اگر پہلے بقدر اپنی ضروریات کے بمشکل مال تیار کرسکتا تھا تو اب ہزاروں آدمیوں کی ضروریات کے موافق تیار کرنے لگا۔ اس لیے ضرورت ہوئی کہ وہ دوسرے آدمیوں تک پہونچے اور اپنا تیار کیا ہوا مال دے کر اُن سے معاوضہ حاصل کرے۔ مشرق کے بام ترقی پر پہونچنے کے بعد علوم و فنون کی مغرب میں ترقی اور مشینوں کی کثرت ہوئی اور وہاں اس قدر عمدہ اور سستی مصنوعات تیار ہونے لگیں کہ بکثرت مشرق کے بازاروں میں بکنے لگیں۔ مشرق میں ہنوز پُرانے طریقے رائج تھے اور سوء اتفاق کہ سلطنتوں کے ردوبدل نیز باہمی کشمکش کی بنا پر نہ ایجادات ہوئیں نہ مصنوعات کی ترقی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی مشینوں کے عمدہ اور سستے تیار کردہ مال نے مشرق کو آگھیرا اور مشرق کی صنعت و حرفت ختم ہوگئی اور اس کا گزر اوقات صرف زراعت پر رہ گیا تاہم مغرب میں زراعت کی کمی تھی۔ اس لیے مشرق کی زرعی پیداوار مغرب میں بکنے لگی اور اُس کی مانگ زیادہ ہونے کی وجہ سے دام بھی زیادہ اٹھنے لگے پس مشرق کا کاشتکار اور مغرب کا کاریگر دونوں خوشحال ہوگئے۔

مگر دُنیا کی ترقی و تنزل کا راز یہ ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی حالت پر قانع نہیں رہتا اور حرص و لالچ کی بدولت اگر ایک وقت ترقی کرتا ہے تو دوسرے وقت تنزل۔

۱۹۱۴ء کی جنگ چنانچہ اسی حرص و لالچ کے زیر اثر مغربی ممالک میں تقابل ہوکر مال سازی میں روز افزوں ترقی ہوئی اور اُسی نسبت سے خریداروں کی تلاش کرنی پڑی۔ اور ظاہر ہے کہ مال کی کھپت ایسے ہی ممالک میں ہوسکتی تھی جن میں صنعت و حرفت کے نئے سامان نہ تھے اور وہ ممالک مشرقی ہی تھے پس ان منڈیوں کی تقسیم پر ممالک غربی میں باہمی جھگڑے شروع ہوگئے اور بالآخر ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم پر منتج ہوئے جرمنی اپنی علمی اور اقتصادی ترقی کے نشہ میں سرشار اپنے یہاں کی مصنوعات کی کھپت کے لیے منڈی کی تلاش میں متفکر تھا اور اُس میں رخنہ اندازیوں کی تاب نہ لا کر مستانہ وار آج اس سے لڑا تو کل اُس سے نہ روس کی پرواکی نہ بلجیم کی اور آسٹریا کے ذرا سے بہانہ پر فرانس پر ہلا بول دیا۔ جس پر تمام دوسری مغربی طاقتیں بھی

جو اسی مرض میں مبتلا تھیں جرمنی کے مقابلہ کو اکھڑی ہوئیں اور برطانیہ بھی اس کشمکش سے نہ بچ سکا چونکہ برطانیہ کی سلطنت اور منڈیاں ربع مسکوں کے گوشہ گوشہ میں پھیلی ہوئی تھیں اس کو اس جنگ عظیم میں تکلیفیں بھی زیادہ برداشت کرنی پڑیں اور روپیہ بھی زیادہ خرچ کرنا پڑا۔ ہاں امریکہ یورپ سے فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے جنگ سے بالکل بچا رہا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان دول کی باہمی جنگ و جدل کی وجہ سے تجارتی حریف کم ہوگئے۔ اور منڈیاں کی منڈیاں بازار کے بازار اس کے حیطۂ تصرف میں آ گئے۔ جنہیں کل کے حریف آج اس کے محتاج ہوگئے۔ اس کی تجارت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوگئی۔ اس زمانہ میں امریکہ کا کاروبار اور ساہوکارہ بہت ترقی پر ہوگیا جنگ کے دور آخر میں جرمنی کی پریشانی بہت بڑھ گئی اور دوست دشمن کی تمیز کیے بغیر امریکہ کے جہازوں کو بھی نقصان پہونچا دیا جو اس وقت صرف دولت کمانے میں مصروف تھا۔ امریکہ کے باوجود احتجاج کے جرمنی اپنی جنگی مصلحتوں پر پریشان دماغی کی وجہ سے اپنی حرکات سے باز نہ آیا تو امریکہ کو بھی جرمنی کے خلاف میدان میں آنا پڑا۔ اس وقت فریقین لڑتے لڑتے تھک چکے تھے ایک تازہ دم طاقتور نئے حریف کے میدان میں آتے ہی جرمنی کے چھکے چھوٹ گئے۔ اتحادی فتحمند ہوئے اور جرمنی شکست پا گیا۔

تاوان جنگ اور قرضہ | جنگ ختم ہونے کے بعد حساب کتاب شروع ہوئے تاکہ نقصانات کے اندازے سے معاوضہ تجویز ہو۔ چنانچہ فرانس کا سب سے زیادہ نقصان ہوا تھا اسی کے اعتبار سے بطور معاوضہ تاوان جنگ میں اس کا حصہ بھی قرار پایا ظاہر ہے کہ تاوان کی ادائیگی صرف مال ہی سے کی جا سکتی تھی اور جرمنی کو مال تیار کرکے تاوان جنگ میں دینا تھا۔ اسی طرح جن سلطنتوں کے ذمہ زمانہ جنگ میں قرضہ جات کثیرہ ہوگئے تھے وہ بھی اُن کی ادائیگی مال ہی سے کر سکتے تھے۔ برطانیہ کے ذمہ امریکہ کا بہت زیادہ قرضہ ہوگیا تھا اور اُس کو اس کی ادائیگی کا فکر دامنگیر ہوا البتہ اتحادیوں میں روس ایسا ملک تھا جہاں کی بادشاہت دوران جنگ میں ختم ہوگئی تھی اور خونریز خانہ جنگی ہو رہی تھی جس کی وجہ سے روس کو صلح سے کچھ فائدہ نہ پہونچا۔ روس کی اس خانہ جنگی نے شاہ و رعایا کی جنگ سے سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ کی صورت اختیار کرلی اور بالآخر مزدور جماعت کامیاب ہوئی تو اس نے سرمایہ داری کے خاتمہ کا ارادہ کر لیا عنان حکومت عوام کے نمائندوں کو سونپ کر تمام ملکی کاروبار کو اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔ عوام کو محض اُن کی ضروریات کے مطابق خزانہ سلطنت سے روزینہ دیا جانے لگا۔ اور سلطنت ہر شخص سے اس کی لیاقت اور قوت کے مطابق کام لینے لگی اور انفرادی سرمایہ داری کے استیصال کی پوری کوشش کی گئی۔ یہ انتظام دیگر نظامہائے سلطنت سے بالکل مختلف تھا۔ نیز روسیوں نے ارادہ کر لیا کہ اپنے نظام حکومت کو دُنیا بھر میں پھیلا کر سرمایہ داری کا

خاتمہ کر دیا جائے جس کی وجہ سے دوسرے ممالک کو بھی روس سے اندیشہ پیدا ہو گیا۔

مال کی تیاری میں اضافہ تاہم جنگ کے بعد یورپ کی سلطنتوں نے تو پھر مصنوعات ہی کی طرف پوری توجہ کی لیکن روس میں مفلسی اور غریبی کی وجہ سے مصنوعات پر توجہ نہ کی جا سکتی تھی اس لیئے روسی گورنمنٹ نے ایک پروگرام بنایا کہ اول پانچ سال میں تو وہ زراعت کو ترقی دیں گے اور اس کے بعد صنعت کی طرف توجہ کریں گے۔ چنانچہ اسی تجویز کے موافق مملکت روس میں زراعت کا کام زور شور سے ہونے لگا اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ انھوں نے اس کام کو مشینوں سے شروع کیا۔ پھر کیا تھا گورنمنٹ کا خرچ کم تمام کام کرنے والے روٹی کپڑے کے ملازم دنیا میں کوئی ملک ایسا نہ رہا جو روس سے زیادہ سستا غلہ پیدا کر سکتا۔ نیز امریکہ۔ کینیڈا اور آسٹریلیا میں بھی دوران جنگ میں بہ کثرت اجناس کی مشینوں کے ذریعے سے کاشت ہونے لگی تھی۔ مگر ان ممالک کے کاشتکار خوشحال تھے اس لیئے ان کے غلہ بیچنے کے طریقے بھی بخلاف ہندوستان کے مختلف تھے۔ کیونکہ ہندوستان میں تو فصل کٹتے ہی کاشتکار کو اس کے بیچ دینے کی ضرورت ہے تاکہ ساہوکار کا قرضہ زمیندار کا لگان اور نہر کی آبپاشی ادا کرے اس کے پلہ تو سوائے فصل کے ان مطالبوں کی ادائگی کیلیئے گھر میں ایک کوڑی بھی نہیں ہوتی لیکن ان ممالک میں تو غلہ کو روک رکھنے اور مناسب نرخ پر بیچنے کے انتظامات تھے مثلاً کینیڈا میں کاشتکاروں کے پول (Pool) بنائے گئے جو کاشتکاروں کی بڑی بڑی کمپنیاں ہوتی تھیں جن میں غلہ جمع رہتا تھا اور جب دنیا کی منڈیوں میں غلہ کا نرخ مناسب ہوتا تھا اس وقت فروخت کیا جاتا تھا۔

تجارت کی کساد بازاری اس جد و جہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلہ اور دیگر مال کی پیداوار ضرورت سے زیادہ ہونے لگی اس پر مستزاد یہ ہوا کہ پہلے تو اس مال کی تجارت سے مختلف ممالک کو اپنی گزر اوقات ہی کرنی تھی۔ مگر اب اسی سے بڑے بڑے قرضے بھی ادا کرنے تھے۔ نیز پہلے زرعی اور صنعتی ملکوں کی جو تقسیم تھی وہ بھی جاتی رہی تھی ہر ملک جب اپنا مال فروخت کر کے وصول شدہ قیمت کو اپنے قرضخواہ کے یہاں جمع کر دیتا تو آئندہ کام کیسے چلتا۔ امریکہ اور فرانس دو ایسی سلطنتیں تھیں جن کے یہاں اس زمانہ میں سب سے زیادہ سونا گیا اور ان کے خزانہ مالا مال ہو گئے اور قرضدار ممالک کے پاس کچھ بھی نہ بچا۔ پہلے تو صنعتی ملک اپنا بنایا ہوا اسباب زرعی ملک میں بھیجتے اور اس کے تبادلہ میں ان کا غلہ خریدتے تھے اور دونوں ملک گزر کرتے تھے مگر اب بہت سے صنعتی ممالک کے زرعی بھی ہو جانے سے دونوں چیزیں یکساں ہو گئیں اور بین الاقوامی تجارت کو نقصان پہونچا۔ مثلاً امریکہ میں زراعت اور صنعت دونوں چیزیں کافی ہیں اور یہی وہ قرض خواہ سلطنت اس لیئے دوسری سلطنتیں اپنے قرضوں کی ادائگی میں اس کو جو سونا دیتی ہیں اس کی واپسی کا کسی نوع امکان

نہیں ہے ہاں اتنا تھا کہ عام خانگی مصارف امریکہ میں زیادہ ہونے کی وجہ سے بعض اشیاء کا یورپ کی صنعتیں مقابلہ کر سکتی تھیں سو امریکہ نے اپنے یہاں کی مصنوعات کے تحفظ کے لیے درآمد کے مال پر محصولات بڑھا دیئے ان کے دیکھا دیکھی سب ہی ممالک نے اپنے یہاں محصولات درآمد میں اضافہ شروع کر دیا۔

اب تک تو یہ ہوتا تھا کہ کاشتکار غلے سے روپیہ خوب کماتے تھے اور اپنی کمائی مصنوعات والوں کو دیدیتے تھے تو کاریگروں اور مزدوروں کی کمائی بھی خوب ہوتی تھی۔ کارخانہ زور شور سے چلتے تھے لیکن جب کاشتکاروں کی کمائی کو دھکا لگا تو وہ کارخانہ داروں کاریگروں اور مزدوروں کو کہاں سے دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دولت کی گردش رک گئی۔ وہ ایک دو جگہ جمع ہو گئی اور باقی دنیا کے تمام کاروبار ٹھپ ہو گئے اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس وقت دنیا بھر کے سونے کی کل مقدار کا تین چوتھائی امریکہ اور فرانس کے خزانوں میں ہے چنانچہ سنہ ۱۹۳۰ء کے آخر میں فرانس کے سرکاری خزانہ میں ۴۲ کروڑ ۱۰ لاکھ پونڈ کا سونا تھا۔ اور امریکہ کے خزانہ میں ۴۸ کروڑ ۱۰ لاکھ پونڈ کا سونا جمع تھا۔ اور سال رواں میں ان دونوں مقامات پر بقدر ۴ کروڑ ۴۰ لاکھ اور ۸ کروڑ ۰۰ لاکھ پاونڈ کا مزید اضافہ ہو چکا ہے۔ رہا وہ سونا جو ان مقامات کی پبلک کے پاس ہے سو اس کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔

انگلستان جو قرضہ کے بار سے دبا ہوا تھا وہ بھی تجارت کی اس کساد بازاری سے مامون نہ رہ سکا ان پر اس کا جو اثر ہوا اس کے سمجھ لینے کے لیے وہاں کے طریقہ سکہ کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے جسے مختصراً بیان کیا جاتا ہے —

انگلستان کا سکہ انگلستان میں سونے کے سکہ ساورن کا چلن ہے تاہم عملاً زیادہ تر وہاں نوٹ چلتا ہے قانوناً نوٹ کے تبادلہ میں سونے کا سکہ دینا گورنمنٹ پر لازم نہیں ہے۔ البتہ ہندوستان کی طرح معینہ نرخ پر نوٹ کا سونا دینے کی ذمہ داری گورنمنٹ کی ہے اور گورنمنٹ کی جانب سے سونے کی فروخت بنک آف انگلینڈ کرتا ہے۔ جنگ عظیم کے دوران میں بنک آف انگلینڈ نے نوٹوں کا سونا دینا بند کر دیا تھا جس کی وجہ سے اسٹرلنگ (نوٹ) پر بٹہ لگنے لگا تھا لڑائی کے بعد گورنمنٹ نے رفتہ رفتہ اپنی حالت کو سنبھالنا شروع کیا اسی کے ساتھ ساتھ نوٹوں کا بٹہ بھی کم ہوتا گیا حتیٰ کہ سنہ ۱۹۲۵ء میں نوٹ پر بٹہ صرف ۱۰ فی صدی رہ گیا تو گورنمنٹ نے اپنے اعتبار کو قائم رکھنے کے لیے مناسب سمجھا کہ نوٹوں کا سونا دینے لگے اور جون سنہ ۱۹۲۵ء میں گورنمنٹ نے Gold Standard Act (قانون معیار طلا) پاس کر کے نوٹوں کا سونا دینا شروع کر دیا اور اسی وقت سے پھر اسٹرلنگ اور ساورن کا فرق جاتا رہا گویا اسٹرلنگ (نوٹ) کے دام بقدر دس فیصدی بڑھ گئے اس لیے کہ اس کا بٹہ جاتا رہا) اس وقت بعض لوگوں نے گورنمنٹ کی اس کارروائی کی مخالفت کی تھی چنانچہ

مسٹر جے ایم کینز مشہور ماہر اقتصادیات نے اس کے خلاف لکھا تھا کہ "آج کل اس کا رواج کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انگلستان بیرونی ممالک کے ہاتھ جو مال بھی فروخت کرتا ہے اس کی قیمت خریداروں کو بقدر دس فیصدی زیادہ دینی پڑے گی۔ اور اگر خریدار زیادہ قیمت دینے پر آمادہ نہ ہو تو برطانوی سوداگر کو اپنے مال کی قیمت دس فیصدی کم لینی پڑے گی"۔ بہرحال اُس وقت یہ تبدیلی ہو گئی لیکن ماہران اقتصادیات کا اندیشہ بے بنیاد نکلا۔ کیونکہ رفتہ رفتہ انگلستان کی تجارت برآمد گھٹتی گئی۔ اور چونکہ انگلستان زرعی ملک نہیں ہے اس لیئے اپنی معاشی ضروریات کے لیئے اجناس خام اور غلہ بیرونی ممالک ہی سے اس کو منگانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے درآمد میں کمی نہ ہو سکتی تھی۔ آخرالامر میزان تجارت رفتہ رفتہ انگلستان کے خلاف ہوتی گئی جس کے بھگتان کے لیئے انگلستان کو سونا باہر بھیجنا پڑتا تھا اور اس وجہ سے سونے میں کمی ہونے لگی۔ اس تجارتی کساد بازاری کے ساتھ ہندوستان میں سیاسی بے چینی شروع ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ انگلستان کے مال کا بائیکاٹ شروع ہو گیا جس سے انگلستان کو اور بھی مزید نقصانات پہونچا اور جو سرمایہ بیرونی ممالک کے لوگوں کا انگلستان میں لگا ہوا تھا اُس کو لوگوں نے عام بے چینی پھیلنے کی وجہ سے واپس لینا شروع کر دیا۔

اقتصادی حالت سنبھالنے کا غلط علاج | انگلستان نے اقتصادی حالت درست کرنے کے لیے جو علاج تجویز کیا وہ ابتدا ہی سے غلط تھا اس مرض کا ایک علاج صرف یہ تھا کہ برطانیہ اپنے اخراجات میں کمی کرتا نیز لوگوں کے خانگی اخراجات کم کرکے اپنے یہاں مال کی تیاری کی لاگت کو گھٹا کر مال کو سستا فروخت کرتا۔ نہ وہ جو تجویز کیا گیا کہ ملک میں قرضوں کی کمی کی گئی یعنی زر کی قلت کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کاروبار گھٹنے کے ساتھ بیکاری بڑھی اور بے چینی پیدا ہوئی۔

انگلستان میں بیکاروں کو کام پر لگانا گورنمنٹ کے فرائض میں داخل ہے اگر کوئی کام نہ ملے تو بیکاروں کو گورنمنٹ وظائف دینے پر مجبور ہے ہندوستان کی طرح اُن کو حالت کس مپرسی میں نہیں چھوڑ سکتی۔ اس لیئے گورنمنٹ کے اخراجات میں اور بھی اضافہ شروع ہو گیا اور زیادتی مصارف کی وجہ سے گورنمنٹ انگلستان کو قرضے پر قرضے لینے پڑے اور جب قرضہ ملنے میں دقت پیش آنے لگی تو ساکھ خراب ہونے لگی۔ چنانچہ مسٹر اسنوڈن وزیر مالیات نے ۱۹۳۱ء کا بجٹ پیش کرتے ہوئے اپنی پارٹی نیز پارلیمنٹ کو بہت زور سے متنبہ کیا کہ مالی حالت نہایت نازک ہے اور بہ صورت موجودہ مالیات کو بحالہٖ قائم رکھنا مشکل ہے لیکن اُن کے اس تنبیہ پر اُس وقت کسی نے دھیان نہ دیا کیونکہ ملک کی یہ عادت ہو گئی تھی کہ جب ایک وزارت دوسری وزارت کے بعد آتی تھی تو لوگ توقع کرتے تھے کہ عوام کے فائدہ کے لیئے یہ اُس سے اور زیادہ خرچ کرے گی اور دستور بھی ایسا ہی پڑ گیا تھا کہ اس معاملہ میں گورنمنٹیں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتی تھیں اور

رفتہ رفتہ اخراجات اس قدر بڑھ گئے تھے کہ ملک کی آمدنی ان کی متکفل نہ ہوسکتی تھی اور اس زمانہ میں تو تجارت کی کساد بازاری نے اور بھی مصیبت میں اضافہ کر دیا تھا۔ چنانچہ بجٹ پیش ہونے کے بعد حالت اور بھی زبوں ہوگئی اور مارچ ۱۹۳۱ء میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی کہ گورنمنٹ کے مالیات کی تحقیقات کرے اور درست کرنے کی تجاویز بتلائے۔ یہ ہو ہی رہا تھا کہ آسٹریا کے بنک دیوالیا ہوگیا اور خبر آئی کہ جرمنی کی مالی حالت میں تزلزل پیدا ہوگیا پھر تو عام بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہوگئی اور بیرونی ممالک کے لوگوں نے انگلستان سے اپنا سرمایہ اور سرعت سے واپس منگانا شروع کر دیا جس سے انگلستان کی ساکھ پر خراب اثر پڑا اگرچہ اس شہرت کے بعد کہ انگلستان کو فرانس کے بنک سے اور امریکہ کے فیڈرل ریزرو بنک سے پانچ کروڑ پونڈ کا قرضہ مل گیا ہے حالت کچھ سنبھلی تاہم انگلستان کی اس حالت سے تمام یورپ میں سراسیمگی تھی۔ اس پر جب مئی کمیٹی (May Committee) کی رپورٹ شایع ہوئی کہ سال رواں کے خسارہ کے علاوہ آئندہ سال کے بجٹ میں بھی اگر اخراجات میں فوراً زبردست تخفیف نہ کی جائے گی تو ۱۲ کروڑ پونڈ کے خسارہ کا اندیشہ ہے لوگوں کے اوسان جاتے رہے اور ملک کو اندازہ ہوگیا کہ بلا مزید ٹیکس لگائے اس گرداب سے نکلنا مشکل ہے۔ اس طرح پر جرمنی کی خراب حالت ہونے اور مے کمیٹی کی سفارشات سے انگلستان کو خطرہ کا پورا احساس ہوگیا۔

مے کمیٹی کی سفارشات | مے کمیٹی ۱۱ مارچ ۱۹۳۱ء کو مقرر کی گئی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ فوراً ایسی سفارشات کرے کہ وزیر مالیات کو ملازموں کے اخراجات میں کیا کیا امکانی تخفیف کرنی چاہیئے۔ اس کمیٹی کے پریزیڈنٹ سر جارج مے تھے اور انھیں کے نام سے یہ کمیٹی مشہور ہے کمیٹی کی جاعت اکثریہ کی سفارشات میں سے چند مختصراً بطور نمونہ ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

اس کمیٹی نے فوجی اخراجات کے سلسلہ میں تجویز کی کہ تمام تنخواہیں گھٹا کر ۱۹۲۵ء کے مطابق کر دینی چاہیئیں اور ۱۹۲۵ء کے بعد تنخواہوں میں جو اضافے ہوئے ہیں وہ گھٹا دینے چاہیئیں جس سے ۲۱,۹۹,۰۰۰ پونڈ کی بچت کا تخمینہ ہے علاوہ ازیں افسروں کی تنخواہوں میں ۴,۰۰,۰۰۰ پونڈ اس واسطے کم کیئے جائیں کہ خانگی اخراجات کم ہوگئے ہیں۔

پولیس کی تنخواہوں میں ۱۲½ فیصدی کمی کی جائے (البتہ پنشن کے سلسلہ میں جو کمی ہوتی ہے وہ اس سے مستثنیٰ رہے) ملازمان سرکاری کو شادیوں کے لیئے جو امداد دی جاتی ہے وہ بند کر دی جائے۔ بے روزگاری کے بیمہ کے منافعہ میں بیس فی صدی کی کمی کی جائے وغیرہ وغیرہ

تخفیف کی جن اصول پر سفارش کی گئی اُن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) موجودہ زمانہ میں سکہ کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے اُن تنخواہوں پر نظرثانی کی ضرورت ہے جو پہلے زمانہ میں مقرر کی گئی تھیں (جبکہ سکہ کی قیمت کم تھی) ملازمان سرکار کی تنخواہوں کے تقرر میں یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ اُن کو مناسب مزدوری ملتی رہے۔

(۲) موجودہ مالی دقتوں کی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ پوری قوم ایک فرد واحد کی طرح یہی نہ سوچے کہ مناسب کیا ہے بلکہ یہ بھی غور کرے کہ کس قدر کفایت کی گنجائش ہے۔ اس نقطہ خیال سے بہت سے ایسے اخراجات جو کسی زمانہ میں مناسب ہی نہیں بلکہ مفاد قومی کے لحاظ سے ضروری سمجھے جا سکتے ہیں فی الحال نامناسب ہیں۔

(۳) عرصہ دراز تک بے انتہا کفایت شعاری اور محنت کرنے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملک کی تجارت کو قبل جنگ جیسی خوش حالی نصیب ہو سکے گی اور بے روزگار دبچہ کارخانوں میں کام پر لگائے جا سکیں گے۔

کمیٹی کی سفارشات پر عملدرآمد کا نتیجہ کمیٹی کی سفارشات کے متعلق انگلستان کے اخبارات اور پبلک میں عام خیال یہ تھا کہ ان پر عملدرآمد سے مزدور طبقہ پر زیادہ خراب اثر پڑے گا۔ چنانچہ ہر شخص کہتا تھا کہ مزدوروں کو سخت نقصان پہونچائے بغیر پورے طور پر ان کا نفاذ نہ ہو سکے گا۔ اور اسی وجہ سے مزدور پارٹی اور ٹریڈ یونین کانگریس نے سفارشات کمیٹی کی پرزور مخالفت کی۔ اگرچہ اُن کو مالیات کا خراب ہونا تسلیم تھا لیکن سفارشات کی نوعیت تسلیم نہ تھی۔ ہر طرف سے واویلا مچا کہ بجٹ کے نقصان کی تلافی کے لیے تخفیف اس طرح کرنی چاہیے کہ تمام پبلک پر اُس کا یکساں بوجھ پڑے ایسا نہ ہونا چاہیے کہ صرف ایک ہی طبقہ اس سے دبایا جائے۔

مجبور ہو کر وزیر اعظم نے اپنے رفقا وزیروں اور دوسری پارٹیوں کے لیڈروں سے مشورہ کرنا شروع کیا کیونکہ اُن کے خیال میں حالت ایسی نازک تھی کہ اس کے متعلق تمام قوم کو متفقہ کارروائی کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سب کے مشورہ سے انھوں نے ایک اسکیم بنائی جس میں بے روزگاروں کے وظائف میں تخفیف کی تجویز بھی شامل تھی۔ اس تجویز کو ٹریڈ یونین کانگریس کے لیڈروں نے نامنظور کر دیا اور وزرا میں باہم اختلاف ہو گیا ادھر بنک آف انگلینڈ کی مالی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی تھی اور بجٹ کے توازن کی کچھ صورت نہ نکلتی تھی۔ تو مجبوراً ملک معظم کے مشورہ سے وزیر اعظم نے یہ طے کیا کہ اپنے موجودہ رفیق وزرا کا ساتھ چھوڑ کر دوسری پارٹیوں کے لیڈروں سے اتفاق کر کے ایک نئی گورنمنٹ بنا دیں جو اُن کی پوری اسکیم کو پارلیمنٹ سے منظور کرا کر ملک کی حالت کو سنبھال لے۔ چنانچہ مزدور پارٹی کے اکثر وزرا نے استعفے دے دیے اور وزیر اعظم نے ۲۴ راگست ۱۹۳۱ء کو نئی قومی گورنمنٹ قائم کر کے اپنی تجویز میں کامیابی حاصل کر لی۔ اس گورنمنٹ کے بنتے ہی ۸ کرور پونڈ کا مزید قرضہ فرانس اور امریکہ سے مل گیا اور پھر انگلستان کی حالت سنبھل گئی۔

اس کا اندازہ کہ اُس وقت انگلستان کی کیا حالت ہوگئی تھی اور کن کن مصائب کا وزرا کو سامنا تھا خود وزیروں کے بیانات ہی سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ جن سے ملک کی اندرونی حالت پر پوری روشنی پڑتی ہے اور آپ بیتی کی مصداق ہے۔

ذیل میں ہم اُن کے بیانات کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

مسٹر جے۔ ایچ۔ طامس | مسٹر جے۔ ایچ۔ طامس نے ریلوے کے مزدوروں کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ اقتصادی کمیٹی کی رپورٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ کی بین الاقوامی ساکھ متزلزل ہوگئی اور حالت اس قدر نازک ہوگئی کہ وزرا کو تعطیلات منسوخ کرکے روپیہ جمع کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔ کیونکہ ملک کو اقتصادی اور مالی دیوالہ سے بچانے کے لیئے برطانیہ کی بین الاقوامی ساکھ کا فوراً قایم کرنا ضروری تھا اور یہ معاملہ "بہت سے اعتبارات سے تو یورپ کی جنگ عظیم کے زمانہ کی حالت سے بھی بہت زیادہ سنگین تھا" اسی خط میں وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "اس میں شک نہیں کہ مالی اور اقتصادی دیوالہ کا اثر یہ ہوگا کہ تہذیب کی کل عمارت خطرہ میں پڑ جائے گی نیز برطانیہ جیسے صنعتی ملک کو جس کا دارومدار ہی درآمد اور برآمد کی تجارت پر ہے بمقابلہ زرعی ممالک کے نقصان عظیم پہونچے گا۔ کیونکہ زرعی ممالک تو اپنی ضروریات کو اندرونی طور پر بہت آسانی سے پورا کر سکتے ہیں" اس نازک صورت حال کے وجوہ مسٹر طامس یہ لکھتے ہیں کہ "وظیفہ بیکاری کی مد میں گورنمنٹ کو کثیر رقوم قرض لینی پڑتی تھیں ان قرضوں کے لینے کی ضرورت اس وجہ سے پڑی کہ تجارت میں بہت کمی ہوگئی ہے۔ اس مصیبت نے برطانیہ کی قومی زندگی کی ایک بڑی کمزوری کو واضح کر دیا ہے جو یہ ہے کہ برطانیہ کا بیرونی تجارت پر اس درجہ انحصار ہو گیا ہے کہ بڑا خطرہ ہے۔ یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ برطانیہ کی تجارتی برتری کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ دوسرے ممالک اس کی کوشش کر رہے ہیں کہ اپنی ضروریات خود پوری کریں اور اپنا مال آپ بنائیں۔ پس بچاؤ کا طریقہ اب صرف یہی ہے کہ زراعت کو ترقی دی جائے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ رہن سہن کا معیار گھٹایا جائے اس کے سوائے دوسرا کوئی علاج نہیں ہے۔ برطانیہ میں زراعت کو ترقی دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے بیکاروں کو روزگار مل جائے گا اور برطانیہ کی لنگڑی اقتصادی زندگی درست ہو جائے گی نیز برطانیہ کے ضروریات زندگی کا انحصار بیرونی تجارت پر اس قدر نہ رہے گا جتنا کہ اس وقت ہے۔ اگر موجودہ مصیبت سے ہم نے یہ سبق نہ لیا تو باوجود ہر قسم کی وقتی اور عارضی تدبیروں کے اس مصیبت کے بار بار اعادہ کا قوی امکان ہے۔ اگر زراعت اور صنعت کا توازن قایم نہ کیا گیا تو سرمایہ داری کا موجودہ نظام پاش پاش ہو جائے گا۔ اگر وہ کثیر رقوم جو بیروزگاروں کو وظائف میں دی گئی ہیں زراعت کی ترقی میں صرف کی جاتیں تو کافی منافعہ حاصل ہو سکتا تھا اور بیکاری کا سوال آج اس قدر سنگین نہ ہوتا۔

مسٹر بالڈوین کا بیان | اسی طرح مسٹر بالڈوین نے کنسرویٹو جماعت کے سامنے انگلستان کی مالی مصیبت کا حال بیان کرتے ہوئے جس کی وجہ سے اُن کو چھٹی منسوخ کرکے فوراً انگلستان آنے کی ضرورت ہوئی تھی کہا کہ "دوشنبہ کی صبح کو مصیبت انتہائی نقطہ پر پہونچ چکی تھی اور معاملہ چند گھنٹوں کا رہ گیا تھا۔ آپ صاحبان کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اتنی زبردست مالی مصیبت کا نتیجہ کیا ہوتا۔ اگر ایک مرتبہ اس ملک میں معیار طلا منسوخ ہوجاتا (یعنی نوٹوں کے تبادلہ میں سونا دینے کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہونے کا گورنمنٹ اعلان کردیتی) اور پونڈ (نوٹ) پر بٹہ لگنے لگتا تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سیونگ سرٹیفکیٹ اور سیونگ بنک پر جو حملہ ہوتا اُس کو کونسی چیز روک سکتی تھی۔ اگر ایک مرتبہ یہ شروع ہوجاتا اور لندن میں گھبراہٹ (Panic) پیدا ہوجاتی تو اُس کا انجام ایک ہی ہوتا اور ایسا ہوتا کہ ہم میں سے کوئی بھی اُس کا قیاس کرنا گوارا نہ کرسکتا۔"

وزیر اعظم کی تقریر دارالعوام میں | اسی سلسلہ میں مسٹر ریمسے میکڈانلڈ وزیر اعظم نے دارالعوام میں نئی قومی گورنمنٹ بنائے جانے کی مجبوریوں کے متعلق ایک بیان دیا جس میں انھوں نے کہا کہ "۸ راگست روز شنبہ میرے پاس اطلاع پہونچی کہ بنک سے بہ کثرت روپیہ نکلنے اور جمع شدہ سونے میں کمی ہوجانے کی وجہ سے بنک آف انگلینڈ کو اندیشہ ہے کہ دوشنبہ کے دن حالت نہایت نازک ہوجائے گی۔ دوشنبہ کے روز ہی میں لندن واپس آیا اور اُسی روز اُن وزراء سے جو اُس وقت میرے رفیق کار تھے اور دوسری سیاسی جماعتوں کے لیڈروں سے بھی ملا (شور آہ کیوں ؟) نیز بنک آف انگلینڈ کے نمائندوں سے ملا۔ حالت لمحہ بہ لمحہ بدتر ہورہی تھی۔ اُس وقت میری رائے تھی اور اب بھی یہی رائے ہے کہ اُس وقت کی گورنمنٹ کو دوسری سیاسی جماعتوں سے اتحاد عمل کرکے اس نازک حالت کا مقابلہ کرنا چاہیئے تھا۔ ہم نے تفصیلات پر بہت غور و خوض کیا۔ اور مے کمیٹی کی سفارشات پر بھی دنوں سوچا اور خوب غور کیا۔ حسابات لگائے کبھی اُن کو کاٹا اور کبھی جوڑا اور مختلف تجویزیں نکالیں۔ اس وقت پارلیمنٹ کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے بعد کے دنوں میں ہم کو کیا کیا نشیب و فراز دیکھنے پڑے۔ لیکن میں ان تدبیروں میں ناکامیاب رہا اور جو انتظام چاہتا تھا نہ کرسکا۔ مجبوراً ۲۳ راگست کو پرانے وزراء نے استعفے دے دیئے اور ملک معظم کے حکم سے میں نے دوسری وزارت بنائی اور آج میرے نئے رفقا وزیر میرے ساتھ ہیں (چیرز)

سونے کی روانگی | اس دور ابتلا کی وجوہات کیا ہیں۔ ۱۳۔ اور ۳۰ رجولائی کے درمیان میں بنک آف انگلینڈ سے ۳ کروڑ ۴۰ لاکھ پونڈ کا سونا نکل گیا۔ سونے کو بچانے اور نقصان کی تلافی کے لیئے عارضی قرضے لیئے گئے لیکن اگست کے تیسرے ہفتہ میں وہ بھی قریب قریب ختم ہوگئے اور مزید قرضہ کی اس لیئے ضرورت تھی

کہ معیار طلا قائم نہ بھی رہے تو نہ سہی لیکن اُس میں انتہا درجہ کا تزلزل تو نہ ہو جائے (چیرز) روزمرہ ایک اطلاع پہلی اطلاع سے زیادہ وحشت ناک آتی رہی پریشانی ہوتی تھی کہ الٰہی ابتلاء کا کتنا تماشہ اور باقی ہے اور اس مصیبت سے نجات کا بہترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔

زبردست طوفان | پارلیمنٹ کو کسی طرح کی غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ عموماً اس کے متعلق محض بڑی بڑی باتیں ہی بیان کر دوں۔ ہم میں سے وہ لوگ جو ذمہ دار عہدوں پر تھے اُن کو جس نازک حالت کا مقابلہ تھا یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ ایک زبردست طوفان آرہا ہے اور ہم اگر اس کا رُخ نہ پھیر سکے تو وہ ملک پر سے ایسا گزرے گا کہ اس کے بعد سوائے کھنڈروں کے اور کچھ باقی نہ بچے گا۔ ہمارے سامنے یہ مصیبتیں تھیں جن کا مقابلہ کرنا تھا اور زور سے جلد کرنا تھا نیز یہ کام پارٹی اور جماعت کے لیئے کرنا نہیں تھا بلکہ کل قوم کے لیئے کرنا تھا۔ کسی ایسے اعلےٰ اصول کے لیئے نہیں کرنا تھا جیسا کہ میکملن رپورٹ میں درج ہیں بلکہ اس فوری سخت مصیبت کے لیئے کرنا تھا جو ہمارے سر آپڑی تھی (جیسی کہ مثل مشہور ہے) جس وقت روما میں آگ لگ رہی تھی ہم اُس وقت باجے بجانے میں مشغول نہ ہوسکتے تھے۔ خاص اور اصلی مسئلہ یہی تھا کہ گھٹتی ہوئی ساکھ کو کس طرح بچائیں اور سونے کے اُلٹے بہاؤ کو کس طرح روکیں جس سے ہم اور ایسا قرضہ لے سکیں کہ اپنی حفاظت کے مقامات بنا سکیں۔

نازک حالت کے وجوہ | اب اس مصیبت کی جہاں تک ہمارے ملک سے تعلق ہے تفصیلی کیفیت سُنیئے ہم آج کل تجارتی دنیا کی اُس کساد بازاری کے ستائے ہوئے ہیں جس کا نتیجہ ہمارے یہاں کی بے روزگاری ہے جس کی وجہ سے ہمارے اقتصادی معاملات میں تزلزل ہوگیا ہے اور ہمارے بجٹ میں کمی ہوتی رہی ہے اور ہوگئی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بے روزگاروں کو خزانہ سے وظیفے دیئے جاتے تھے جس کے مصارف روز بروز بڑھتے جاتے تھے اور اُن کی کوئی انتہا نہ معلوم ہوتی تھی ان اخراجات کا انتظام قرضہ لیکر اور قرضہ بڑھا کر کیا جا رہا تھا تیسرا معاملہ جس کا انتظام ہونا اگر ہم مصیبت سے بچنا چاہتے ہیں ضروری ہے یہ ہے کہ آج میزانِ تجارت ہمارے موافق نہیں ہے اور ہم کو احتیاط رکھنی چاہیئے کہ اپنے یہاں کے درآمدشدہ مال کی قیمت ہم کو اپنے سرمایہ یا محض چھپے ہوئے کاغذ یعنی نوٹ سے ادا نہ کرنی پڑے (وزراء کی چیرز) اس کام میں دیر نہ ہونی چاہیئے مگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی موجودہ حالت کو درست کرلیں۔

پروپیگنڈا | ایک بات اور بھی ہے جس کی وجہ سے ہماری بین الاقوامی ساکھ پر بہت بُرا اثر پڑا ہے یعنی قسمتی سے ہمارے خلاف پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔ جو اگرچہ فی الواقع ہمارے ملک کے اندرونی معاملات سے تعلق

رکھتا ہے تاہم بیرونجات کے اُن لوگوں پر بھی اُس کا بہت اثر پڑا ہے جن کا سرمایہ انگلستان میں لگا ہوا ہے اور وہ پروپگینڈا ہے کہ ہر ہفتہ بے روزگاروں کی تعداد مستقلاً شایع کی جاتی ہے جس میں ایسے لوگ بھی شامل کر دیئے جاتے ہیں جو اصلی معنوں میں بے روزگار نہیں ہیں۔ آخر میں مَی کمیٹی
کی رپورٹ ہے جو دارالعوام نے اپنے ملکی معاملات کے لیئے مقرر کی تھی کہ صحیح رہنمائی ہو سکے لیکن وہ بھی بین الاقوامی ایک دستاویز ہو گئی۔ اگرچہ میں یہ کہنا نہیں چاہتا کہ اُس کو ہمارے دشمنوں نے استعمال کیا ہے۔ مگر ایسے لوگوں نے ضرور استعمال کیا ہے جو اس ملک کے دوست نہیں ہیں اور یہ وہ آخری تنکے کا بوجھ تھا جس نے اونٹ کی کمر توڑ دی ان چیزوں اور اس قسم کی چیزوں کی وجہ سے اس ملک پر یہ مصیبت نازل ہوئی۔ اور ممبران پارلیمنٹ اس ذمہ داری سے نکل نہیں سکتے۔ یہ حالات ایسے نہ تھے جو چند مہینوں میں آنے والے تھے جن کی بابت گفتگو کی جا چکی اور ایک مسلسل پالیسی بنائی جا چکی۔ یہ وہ مصیبت تھی جو ہمارا دروازہ کھٹ کھٹا چکی تھی۔

اس کے بعد اسٹریا کا بنک فیل ہو گیا اور جرمنی کی ساکھ ختم ہو گئی ان ناکامیوں کی وجہ سے عام بے اطمینانی پھیل گئی اور بیرونی ممالک کے بنکوں نے اپنا روپیہ بنک سے نکالنا شروع کر دیا۔ ہم کو جو کہ بین الاقوامی ساہوکار کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کے یہاں بیسیوں سلطنتوں کا روپیہ جمع رہتا ہے ایسی عام بے اطمینانی سے زیادہ خطرہ تھا۔

علاوہ ازیں ایک اور اہم وجہ بھی تھی اور اُس کا بھی اثر ہوا یعنی وہ بنک اور ممالک جن کے بجٹ میں ہمارے یہاں سے زیادہ نقصانات تھے گھبرا گئے اور اُن کا جو روپیہ حفاظت کی غرض سے ہمارے یہاں جمع تھا یہ سمجھ کر کہ اب اُن سے بھی مطالبات ہونے لگیں گے واپس لیکر اپنے یہاں جمع کرنے لگے۔ اور ان حالات میں ہمارا مرکزی بنک چاروں طرف کی واپسی کے مطالبات میں گھر گیا۔

ہمارے لیئے سوائے اس کے کچھ چارہ کار نہ تھا کہ یا تو اس بادل کے برسنے کو روکنے کی کوئی تدبیر کرتے یا برسنے دیتے۔ بیٹھے رہتے کچھ کام نہ کرتے اور خوب باتیں بناتے۔ یہ طوفان ہم سے خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ تھا لیکن آسمان کے چاروں طرف سے گھر کر ہمارے اوپر آ گیا تھا جس کا گورنمنٹ کو مقابلہ کرنا تھا۔ اس لیئے جو حالت پیدا ہو چکی تھی گورنمنٹ کے لیئے اُس کا تسلیم کرنا تو ضروری تھا اور چارہ کار یہی تھا کہ یا تو عارضی طور پر اس کا فوری علاج کرتی یا خود پیچھے ہٹ کر بربادی کو بڑھ لینے دیتی"

حصول قرضہ اس کے بعد وزیر اعظم نے اس امر پر مفصل بحث کی کہ قرض ملنے کا اس وقت تک امکان نہ تھا جب تک کہ بجٹ ٹھیک نہ ہو جاتا کیونکہ قرض دینے والے کا جب تک اطمینان نہ ہو کہ میرا قرض واپس مل جائے گا کوئی شخص قرض دینے کے لیئے تیار نہیں ہو سکتا۔ بڑے قرضوں کی بابت جیب میں دیکھی ہے

وہ فوراً ٹھیک نہیں ہو جاتے اُن میں اعتماد کی ضرورت ہوتی ہے۔ آگے چل کر اُنھوں نے کہا کہ "اگر اس معاملہ میں فوری کارروائی نہ کی جاتی تو نتیجہ یہ ہوتا کہ اسٹرلنگ (نوٹ) صرف سونے سے جدا ہی نہ ہو جاتا (یعنی نوٹ پر بٹہ ہی نہ لگ جاتا) اور نہ یہ ہوتا کہ اُس کی قیمت کچھ کم ہو جاتی بلکہ وہ نہایت سرعت سے گرتا اگر ایک دن ۲۰ شلنگ کا ہوتا تو دوسرے دن ۱۰ شلنگ کا رہ جاتا۔ اور اس طرح گرتا کہ اُس کا روکنا مشکل ہو جاتا (سنو سنو) میں نکتہ چینی نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو آپ کے سامنے تاریخ بیان کر رہا ہوں۔ اگر ہم کچھ نہ کرتے تو اسٹرلنگ معیار طلا سے اتنا جدا ہو جاتا کہ اُس کی روک تھام ناممکن ہو جاتی"

آج کل تجارت ویسے بھی بہت کم ہے اور ہر طرح بہت محدود ہے پھر اس پر اس گڑبڑ ہو جانے سے تو صرف یہ ہی نہیں کہ تجارت کے چشمہ کی روانی تنگ اور ہلکی ہو جاتی بلکہ اعتبار قائم نہ رہنے کی وجہ سے بالکل گڑبڑ ہو جاتی۔ برطانیہ سے مال برآمد کرنے والے سوداگر کو یہ معلوم نہ ہو سکتا کہ اُس کو اپنے مال کی کل کے واسطے کتنی قیمت مقرر کرنی چاہیئے اور دیگر ممالک کے جو لوگ ہماری ضروریات کی چیزیں ہمارے یہاں بھیجتے ہیں اُن کی حالت اور بھی غیر یقینی ہو جاتی۔

ہم کو غلہ اور خام اجناس بہت بڑی مقدار میں باہر سے منگانی پڑتی ہیں اس لیئے ہماری حالت اُن ممالک سے جن میں کسی نہ کسی زمانہ میں سکہ کی گڑبڑ ہو چکی ہے بہت زیادہ نازک ہے۔ میرے لیئے اس بات کا خیال بھی کرنا بہت ہی سخت تکلیف دہ تھا کہ ہم لوگوں کو کیسے کیسے مصائب کا سامنا ہوگا (خواہ وہ تھوڑے ہی دنوں کے لیئے کیوں نہ ہوتا) اگر ہمارے قرضہ اور تبادلہ کے نازک نظام میں جس پر کہ تمام مال کی درآمد کا مدار ہے گڑبڑ ہو جاتی تو طرح طرح کی جن مصیبتوں کا سامنا ہمارے یہاں کے لوگوں کو ہوتا (خواہ تھوڑے ہی دنوں کے لیئے کیوں نہ ہوتا) اُس کا قیاس کرنا بھی سخت تکلیف دہ ہے"

پھر وزیر اعظم نے ممبروں کو توجہ دلائی کہ ہر ملک میں اس طرح تباہی ہوتی رہی ہے کہ خرچ آمدنی سے زیادہ ہونے لگے۔ خرچ کے پورا کرنے کو قرضہ اور پھر قرضہ پر قرضہ لیا جاتا ہے۔ قرضہ کا بوجھ بڑھتا جاتا ہے اور بالآخر جن لوگوں کا حقیقی نقصان ہوتا ہے وہ عوام مزدور ہی ہوتے ہیں" اور آگے چل کر اُنھوں نے کہا "کہ ممکن ہے لوگ یہ کہیں کہ یہ مبالغہ ہے۔ لیکن میں چیلنج دیتا ہوں کہ جب ایک دفعہ خرابی شروع ہو جاتی ہے تو وہ کہاں رُکتی ہے۔ دوسری قوموں کا تجربہ تو یہ ہی ہے کہ وہ تلی میں پہونچکر ہی رُکتی ہے اور میں اس مصیبت کے بیٹنے نہ پہلے تیار تھا نہ اب تیار ہوں"

"ملک کو اس مسئلہ کی نوعیت سمجھنے میں غلطی نہ کرنی چاہیئے۔ یہ نہیں ہے کہ ہماری قومی دولت میں کمی ہے۔ نہیں بلکہ مالیہ میں کمی ہے۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے بجٹ کو اس سال یا آئندہ سال سرمایہ میں سے خرچ کر کے

یا اور زیادہ قرضہ لیکر یا اور ٹیکس لگا کر (جو اگرچہ محض کاغذی ہی ہوں گے کیونکہ اُن سے کچھ نقدی وصول نہیں ہوتی) متوازن کرنے کے قابل ہیں یا نہیں۔ بلکہ سوال یہ ہو کہ ہم اپنی مالیات کو ایسی مستحکم بنا کر کس طرح رکھ سکتے ہیں جیسی بنا پر کہ وہ آج ہو کیونکہ مالیہ کے نظم ہی پر سلطنت کے قیام کا انحصار ہو۔

اس کے بعد وزیر اعظم نے اپنی نئی گورنمنٹ کی بابت کہا کہ "جہاں تک ہمارا تعلق ہو خواہ ہماری گورنمنٹ کی عمر کم ہو یا زیادہ لیکن اس کا وجود مفید ثابت ہو چکا ہو اور اس کی ضرورت ثابت ہو چکی ہو۔ اگر آج پارلیمنٹ کا اجلاس ایسے وقت میں ہو رہا ہو کہ ایک پونڈ ۲ شلنگ ہی کا ہو۔ بے روزگاری کا وظیفہ کھوٹے سکہ میں دیا جاتا ہو۔ اور مزدوریاں نہیں گری ہیں تو یہ سب اسی وجہ سے تو ہو کہ اس گورنمنٹ کے بن جانے کی وجہ سے ملک کو سانس لینے کی مہلت مل گئی ہو۔"

مسٹر فلپ اسنوڈن کی تقریر اسی طرح انگلستان کے وزیر مالیات مسٹر فلپ اسنوڈن نے عوام کو سمجھانے کی غرض سے ایک تقریر کی جو بذریعہ ریڈیو تمام ملک میں پہونچائی گئی اس تقریر سے یہ بتانا مقصود تھا کہ ملک پر کیا مصیبت آئی اور کس طرح رفع کی گئی۔ اس تقریر میں اُنھوں نے کہا تھا کہ

"ایسے نوٹ کی قیمت جاتی رہتی ہو جس کے تبادلہ کے لئے سونا نہ ہو۔ کیونکہ ایسے نوٹ جس کسی کو دیئے جاتے ہیں اُس کو اس کا یقین نہیں رہتا کہ اُن کی کچھ قیمت ہو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ نوٹ کی قیمت گرنے لگتی ہو اور کاغذ کے پونڈ کی قیمت بہت کم ہو جاتی ہو اور جیسا کہ پچھلے چند برسوں میں بہت سے یورپ کے ممالک میں ہو چکا ہو اُس کی قیمت اتنی بھی نہیں رہتی جتنی کہ اُس کاغذ کی ہوتی ہو جس پر وہ چھپا ہوا ہوتا ہو اور یہی معنی تو معیار طلا چھوٹ جانے کے ہیں۔ اور یہی خطرہ تھا جو حال میں انگلستان کے سکہ کو پیش آگیا تھا اور گورنمنٹ نے بنک آف انگلینڈ کے تعاون سے ایسا انتظام کیا کہ یہ سخت مصیبت ٹل گئی۔ کیونکہ اگر ایسا ہو جاتا تو ایک زبردست بلا نازل ہو جاتی نیز ہمارے لوگوں کو یہ اندازہ نہیں ہو کہ ہمارا ملک دریا کی دھانگ کے کس قدر نزدیک پہونچ چکا تھا۔"

غرضکہ ۲۳ اگست ۱۹۳۱ء کو نئی قومی گورنمنٹ بنی تھی اور انگلستان کے سکہ کی حالت بھی سنبھل گئی تھی لوگ خوش اور مطمئن تھے کہ خدا خدا کرکے تکلیف کا زمانہ نکل گیا۔ فرانس اور امریکہ سے بقدر ۸۰ کروڑ پونڈ قرضہ بھی مل گیا تھا۔ مگر تقدیر کا لکھا ضرور ہو کر رہتا ہو۔ گورنمنٹ کو بنے ہوئے اور اعلانات کو ہوئے مشکل تین ہفتہ گزرے تھے کہ پھر مصیبت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ بقول شخصے

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

انگلستان کی متزلزل مالی حالت پر مزدور پارٹی کے خیالات

انگلستان کا اصلی مرض مالیات انگلستان کے تزلزل کے جو وجوہ و اسباب بیان کیے گئے ہیں اُن سے مزدور پارٹی بہمہ وجوہ متفق نہیں ہے اور گورنمنٹ کی مجوزہ تجاویز میں سے بے روزگاروں کے تخفیف وظایف کی سخت مخالف ہے وہ اس تجویز کی محض اقتصادی بنیاد پر نہیں بلکہ سیاسی بنیاد پر زیادہ مخالفت کرتے ہیں۔ انھیں تسلیم ہے کہ انگلستان سخت مالی مصائب میں مبتلا ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ کل قوم مبتلا نہیں ہے بلکہ بنک مالی مشکلات میں گرفتار ہیں جو بعض ممالک سے کم شرح سود پر روپیہ قرض لیکر زیادہ نفع کمانے کے لیے دوسرے ممالک میں زیادہ شرح سود پر روپیہ چلاتے تھے جنھیں انگلستان کے کاروبار اور صنعت کی ترقی کی اتنی کوشش و فکر نہ تھی جتنی اپنی آمدنی بڑھانے اور نفع کی تھی ان بنکوں میں سب سے بڑا بنک آف انگلینڈ ہے جب جرمنی اور آسٹریا کی مالی ناکامی کی وجہ سے ان کا روپیہ وہاں پھنس گیا اور ان کو اپنے قرضخواہوں کے روپے کی ادائگی مشکل ہو رہی ہے تو ان بنکوں کو مزید قرضے دلوانے کے لیے انگلستان کے عوام اور مزدوروں پر کیوں جبر کیا جاتا ہے۔ یہ بنک نہ کبھی غریبوں کے ہمدرد تھے نہ آئندہ اُن کی ہمدردی کر سکتے ہیں۔

انگلستان کا اصلی مرض اُس کے کاروبار اور تجارت کی کمی ہے بقول لارڈ منٹ انگلستان روزانہ ۲۰ لاکھ پونڈ کا مال خریدتا ہے اور دس لاکھ پونڈ کا فروخت کرتا ہے (ہندوستان ٹائمز ۱۸ اکتوبر) یعنی دس لاکھ پونڈ کا روزانہ انگلستان کو خسارہ ہے جس کی تلافی صرف یوں ہو سکتی ہے کہ ایسا مال تیار کیا جائے جو دیگر ممالک کے مال کے مقابلہ میں سستا پڑے اور اس قدر کثرت سے تیار کیا جائے کہ تمام قوم اس میں لگ جائے اور بے روزگاری خود بخود جاتی رہے میزان تجارت کا مسئلہ بے روزگاروں کے وظیفے کی تخفیف سے حل نہیں ہو سکتا مزدور پارٹی کہتی ہے کہ گورنمنٹ حقیقی تدبیر پر تو توجہ نہیں کرتی اور تمام زور بے روزگاروں کے وظیفے پر ختم کر رہی ہے۔

بے روزگاروں کا وظیفہ بے روزگاروں کے وظیفے کی تخفیف سے جو رقم گورنمنٹ کو بچتی تھی محض ایک کروڑ بیس لاکھ پونڈ ہے حالانکہ بجٹ کی کمی کا کل تخمینہ بارہ کروڑ پونڈ سے زیادہ تھا جو اخراجات میں کمی کر کے اور نئے ٹیکس لگا کر پورا کیا جانے والا تھا۔ بلاشبہ اگر گورنمنٹ تخفیف کی اس مد کو چھوڑ دیتی تو دیگر مدات کے متعلق زیادہ تنازعہ باقی نہ رہتا۔ پارٹی اور قوم میں افتراق نہ ہوتا نہ نئے انتخاب کی ضرورت ہوتی مگر لیبر پارٹی کہتی ہے کہ امریکہ اور فرانس کے سرمایہ داروں نے سازش کر لی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ مالیت کی خرابی سے فائدہ اٹھا کر مزدور طبقہ کو دبا دیں اور انگلستان میں سرمایہ داروں کا اقتدار قایم کرا دیں

اور یہ سب کچھ خود لیبر پارٹی کے اُن لیڈروں کے ہاتھوں سے کرا رہے ہیں جو وزرا رہیں چنانچہ اس بارہ میں وزرا کا باہمی اختلاف ہوا جو وزرا وظیفہ کی تخفیف کے خلاف تھے اور جمعیتہ وزارت میں تھوڑے تھے اُن کو استعفے دینے پڑے اور نئی متحدہ کیبنٹ بنا کر اس تخفیف کو پارلیمنٹ میں پاس کرا یا گیا۔ مزدور پارٹی کے خیال میں مسٹر میکڈانلڈ اور مسٹر اسنوڈن اُن کے سابق لیڈر سرمایہ داروں کی چالوں کا شکار ہو چکے ہیں لیبر پارٹی کے خیالات کا صحیح اندازہ اُن کے نمائندوں کے بیانات سے ہوتا ہی۔

نئی متحدہ گورنمنٹ کا نصب العین | چنانچہ متحدہ قومی گورنمنٹ بننے کے فوراً بعد ٹریڈ یونین کانگریس جنرل کی طرف سے ایک مینفسٹو شایع ہوا تھا جس میں لکھا تھا کہ "مالیات میں سخت تزلزل پیدا ہونے کی وجہ سے لیبر گورنمنٹ کو وقتاً استعفا دینا پڑا ہی لیکن مالیات کے اس تزلزل کے اصلی وجوہات بالعموم بیان نہیں کیئے جاتے ہیں (استعفے کی وجہ یہ ہی کہ) لیبر گورنمنٹ سے اقتصادی اور سیاسی معاملات میں اس قسم کے مطالبات کیئے جانے لگے تھے کہ جن کو کوئی لیبر گورنمنٹ بھی ماننے کو تیار نہ ہو سکتی تھی (مزدور گورنمنٹ کے خاتمہ کے بعد) اب ایک نئی متحدہ گورنمنٹ بنائی گئی ہی جس کا مزدوروں کی جماعت سے کچھ تعلق نہیں ہی یہ گورنمنٹ ایسے لوگوں کی ہی جن کو انگلستان کی پبلک نے اختیارات سپرد نہیں کیئے ہیں۔ اس (نئی گورنمنٹ) کا اصل مقصد یہ ہی کہ مزدوروں کا معیار زندگی اُن پرائیویٹ بنکوں کی حالت سنبھالنے کے لیئے پست کر دیا جائے جن کی پالیسی کی بدولت انگلستان کی مالی حالت خراب ہو گئی ہی (اور جن کے معاملات میں عوام کو کچھ دخل نہیں ہی) یہ لوگ ہماری قومی پالیسی کو بالکل پلٹ دینا چاہتے ہیں (اور یہ سب کچھ) وہ اس لیئے نہیں کر رہے کہ ہماری قوم کے ذرایع آمدنی دفعتاً بہت گھٹ گئے ہیں یا اب ہماری قوم میں اتنی سکت نہیں رہی کہ بے روزگاروں کی امداد کر سکے یا ہم اس قابل نہیں رہے کہ اپنے بجٹ کو متوازن کر سکیں بلکہ اس لیئے کر رہے ہیں کہ سرمایہ داروں نے یہ طے کر لیا ہی کہ ہمارے ملک نے جو خراب مثال یہ قایم کر دی ہی کہ غربا کی ضروریات پوری کرنے کے لیئے امرا پر ٹیکس لگائے جائیں (اس کو مٹا دیا جائے)

وظیفوں کی تخفیف کا اصلی مقصد | فی الواقع کوشش تو یہ ہی کہ اس تمدنی پالیسی کو کہ بے روزگاروں، بوڑھوں، بیماروں، معذوروں، یتیموں اور بیواؤں کی کچھ امداد کی جاتی ہی الٹ دیا جائے۔ بے روزگاری کے وظائف پر اس لیئے حملہ کیا جاتا ہی کہ اس کی وجہ مزدور مزدوریوں کی تخفیف میں مزاحم ہوتے ہیں۔ انہیں خیالات کی وجہ سے نئی متحدہ گورنمنٹ تمدنی اخراجات میں سختی کے ساتھ بہت زبردست تخفیف کرنا چاہتی ہی نئی گورنمنٹ کی پالیسی ابھی پورے طور پر ظاہر نہیں ہوئی ہی لیکن جب سے یہ معلوم ہوا ہی کہ اس کا مقصد

بے روزگاروں کے وظیفوں، سرکاری اور مقامی مزدوریوں۔ ملازموں کی تنخواہوں اور ایسے کاموں اور کارخانوں کے اخراجات ہیں جن کی بدولت ہزارہا مزدوروں کی گزر اوقات ہوتی ہے۔ نیز محکمہ جات حفظان صحت و تعلیم میں سخت تخفیف کرنے کا ہے۔ اُسی وقت سے مزدوروں کی جماعت نے اُس کی مخالفت کا ارادہ کر لیا ہے۔

اس کارروائی کی وجہ یہ قرار دی جاتی ہے کہ مالی حالت نہایت نازک ہو گئی ہے لیکن اس مصیبت کو ارادتاً اخباروں میں نہایت خطرناک بیانات شایع کر کے بڑھایا گیا ہے اور یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کشمکش کی بدولت بیرونی ممالک میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ برطانیہ کا دیوالہ نکلنے والا ہے۔

انگلستان قرضخواہ ہے حالانکہ کوئی بات بھی اس سے زیادہ غلط نہیں ہو سکتی کیونکہ اس وقت ۴۰۰ کرور پونڈ کا برطانوی سرمایہ بیرونی ممالک میں لگا ہے۔ اس وقت بھی برطانیہ دنیا کی بڑی سے بڑی قرضخواہ قوموں میں سے ایک ہے اور اب بھی ہم اپنے سرمایہ میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ملک میں ابھی ٹیکس دینے کی گنجائش ختم نہیں ہو گئی ہے۔ اور اس وقت کی ضروریات غریبوں کی تھوڑی سی آمدنی اور چند ایسے قومی اور مقامی کاموں میں (جن سے ملک کی ذرائع آمدنی میں ترقی ہوتی ہے) تخفیف کیے بغیر پوری ہو سکتی ہیں۔

اگر گورنمنٹ ارادہ کرتی تو فوری مصائب کا مقابلہ ملک کے بیرونی سرمایہ کو جمع کر کے قرضوں کی ادائیگی کو بند کر کے مقررہ سود کی گورنمنٹ سیکورٹیز پر اور دوسری ایسی آمدنیوں پر (جو بلا ہاتھ ہلائے لوگوں کو ملتی ہیں) ٹیکس لگا کر پورا کر سکتی تھی۔

قربانی کی نوعیت سب کو یکساں قربانی کہہ کہہ کر اصلاح تمدن کے کاموں میں تخفیف کا عذر گھڑا تو جاتا ہے لیکن اس وقت کسی قابل قدر قربانی کا مطالبہ متمول طبقہ سے نہیں کیا گیا۔

مزدوروں کی قربانی تو یقینی لیکن دوسری جماعتوں کی غیر یقینی ہے۔ وہ جملہ تجاویز جن سے تخفیف اخراجات غریبوں کی جیب سے کی جاتی ہے غیر منصفانہ ہی نہیں بلکہ اصول اقتصادیات کے بھی خلاف ہیں۔ ایسی تجاویز کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بے روزگاری اور بڑھے گی۔ اور اس مسئلہ کو جو اس مصیبت کا سبب اصلی ہے عوام کی قوت خرید کو عزید کم کر کے زیادہ پیچیدہ بنا دے گی قومی اور مقامی مزدوروں اور ملازموں کی مزدوریوں اور تنخواہوں میں تخفیف کا نتیجہ یہ ہو گا کہ صنعتی کارخانوں میں بھی اسی قسم کی تخفیفات کی جائیں گی اور کارخانوں میں جھگڑے اور فساد ہوں گے۔

وہ برطانیہ عظمیٰ جس کے تمدنی معیار زندگی نے دنیا بھر کے معیار زندگی کو بلند کر دیا ہے اب اُس پر بین الاقوامی اور ملکی سرمایہ داروں کا زور پڑ رہا ہے کہ اپنے معیار زندگی کو پست کرنے میں گروپ قدمی کرے اس کا تدارک

صرف یہ ہی کہ مزدور جماعت اس کا پورے طور پر مقابلہ کرے۔

مالیات کا علاج | موجودہ مصیبت حقیقت میں ایک بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ہی جس کا تدارک جماعت مزدوران کی پالیسی یعنی موجودہ نظام کو نئے طریقہ پر ترتیب دینے۔ بین الاقوامی موالات سے کام کرنے اور بین الاقوامی قرضوں اور تاوانہائے جنگ پر نظر ثانی کرنے سے ہو سکتا ہی اور صرف یہی وہ پالیسی ہی کہ جس سے پھر اعتبار قایم ہو سکتا ہی اور پھر تمام دنیا خوشحال ہو سکتی ہی۔

جماعت مزدوران کو قومی مفاد کا بہت زیادہ خیال ہی لیکن وہ اس نظریہ کی نہایت سختی سے تردید کرتی ہی کہ ملکی مفاد مزدوروں کو مفلس بنا کر حاصل کیا جا سکتا ہی۔

اس لیے ہم تمام سمجھدار عوام۔ مردوں اور عورتوں سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ نئی گورنمنٹ کا مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کریں۔ اور مزدوروں کی تحریک نئے تمدنی نظام قایم کرنے اور ملک کے حقیقی مفاد کی حفاظت کرنے میں اس کی امداد کریں۔"

مسٹر برلسفورڈ کا ایک مضمون بعنوان بنکروں کی حکومت | اسی طرح مسٹر برلسفورڈ اپنے ایک مضمون بہ عنوان "بنکروں کی گورنمنٹ" میں رقمطراز ہیں کہ دوسری لیبر گورنمنٹ آیا فانا گر گئی لیکن اس کے ساتھ ہی اصلی امور متنازعہ فیہ بھی روشنی میں آگئے۔ اور ہم سب کو اس کی خوشی ہی کہ لیبر گورنمنٹ کے گرنے کا سبب یہ ہی کہ کیبنٹ کے چند وزرا نے بہت سے سمجھوتے کرنے اور دوسروں کی باتوں کو ماننے کے بعد بھی اس سے انکار کر دیا کہ وہ امریکہ کے بنکوں کے حکم کے مطابق بے روزگاروں کے وظیفے کم کرنے کے لیے آمادہ ہیں

اب ایک قومی گورنمنٹ بقول شخصے برعکس نہند نام زنگی کافور بنائی گئی ہی جو ان کے (امریکن بنکوں) احکام کی تعمیل کرے گی۔ اس وقت جماعت مزدوران کی حالت یہ ہی کہ اس سے اس کے لیڈر چھن گئے ہیں اب اس کو تمام سرمایہ دار متحدہ جماعتوں کا مقابلہ کرنا ہی۔ باہم کیبنٹ اور پارٹیوں میں خیر باہم معاملات پر اختلافات ہو جایا کرتے ہیں لیکن موجودہ اختلاف اس نوعیت کا اختلاف نہیں ہی۔

لیبر حکومت بنکروں کے پنجہ میں | لیبر گورنمنٹ شروع سے آخر تک مسٹر سنوڈن کی رہنمائی میں شہر (لندن کے بنکروں) کے چنگل میں پھنسی رہی ہی اس گورنمنٹ نے ان کے اصول مالیات کو صحیح تسلیم کر لیا ہی۔ پھر اس پالیسی سے گریز کرتی رہی جس سے توسیع اور ترقی ہو سکتی۔ یہ اعتبار قایم کرکے (کام بڑھانے) اور بے روزگاروں کو کام سے لگانے میں مدد دے رہی ہی اور آخر میں اس نے اس کی تیاری شروع کر دی کہ ملک کی تمام اقتصادی زندگی کو سود خواروں کے مفاد کے اعتبار سے ڈھال دے

اگرچہ مزدور پارٹی برائے نام برسرِ اقتدار تھی لیکن حکومت بنک آف انگلینڈ ہی کی تھی۔

امریکہ کے بنکوں کا ہاتھ لیبر پارٹی کے اس زوال میں مجھے اگر کسی بات کا افسوس ہے تو صرف اس بات کا ہے کہ جو بنک بالآخر اس زوال کا باعث ہوئے۔ وہ ہمارے یہاں کے بنک نہ تھے۔ بلکہ امریکہ کے تھے واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ کے بنک ہی تھے جن کا اصرار تھا کہ بے روزگاروں کے وظیفے میں بھی دس فیصدی تخفیف ہونی ضروری ہے۔ اس ملک کو اس سے زیادہ ذلت کبھی پہلے نصیب نہیں ہوئی اگرچہ کوئی کتنا ہی انگلستان اور امریکہ کی دوستی کا حامی کیوں نہ ہو لیکن اس معاملہ میں خاموشی اختیار کرنا بیوقوفی ہے۔

ہم کو انصاف کرنا چاہیئے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس معاملہ سے امریکہ کے بنکوں کو بھی کچھ لگاؤ ضرور تھا کیونکہ انھوں نے فرانس کے ساتھ مل کر ہم کو قرضہ دیا تھا مگر یہ قرضہ گورنمنٹ برطانیہ کو نہیں دیا تھا بلکہ بنک آف انگلینڈ کو دیا تھا۔ اس قرضہ کی تعداد ۸ کروڑ پونڈ تھی جو معلوم ہوتا ہے کہ سب ختم ہو چکا۔ وہ سب تین ہفتہ میں غائب ہو گیا اور بنک نے پھر مانگنا شروع کر دیا وہ دینے کے لیئے بھی تیار تھے۔ لیکن کچھ شرائط کے ساتھ اور وہ شرط یہ تھی کہ نہایت سختی سے کفایت شعاری کی جائے مگر کہاں؟ بنک میں نہیں بلکہ برطانیہ کے خزانہ عامہ میں۔ اور بے روزگاروں کے وظیفہ میں۔

قرضہ بنک کو تخفیف گورنمنٹ کے مصارف میں اگر کوئی کسی کو قرض دیتا ہو تو اس کو یہ پوچھنے کا حق ہے کہ قرض لینے والے کی مالی حالت کیسی ہے۔ پس اگر گورنمنٹ برطانیہ یہ کروروں پونڈ قرضہ لیتی تو یہ مطالبہ صحیح ہوتا کہ اس کا بجٹ متوازن ہونا چاہیئے اور ایسا بھی ہوتا تو امریکہ کو اس سے کیا کہ بجٹ کس طرح متوازن کیا گیا اگر ہم دولتمندوں پر زیادہ ٹیکس لگا کر بجٹ برابر کر لیتے تو وہ بھی ایسا ہی اچھا تھا جیسا بے روزگاروں کا وظیفہ کاٹ کر اس کو برابر کیا گیا۔

لیکن واقعہ یہ ہے (اگر اس معاملہ کو میں بالکل ہی غلط نہیں سمجھ رہا ہوں) کہ گورنمنٹ برطانیہ کوئی قرضہ نہیں لے رہی تھی بلکہ بنک تھا جو خطرہ میں تھا اور وہی قرض لے رہا تھا۔ اور اس بنک کے مفاد ہی کے لیئے تو بے روزگاروں کا وظیفہ کاٹا گیا ہے۔

ایمانداری اور جلدی سے اصلی واقعات کا دریافت کرنا بھی بہت اہم بات ہے۔ بنک بہت نفع کمانے کی (ہوس میں) اندھا دھند کام کرنے کے نقصان کی تلافی بے روزگاروں پر حملہ کر کے کر رہا ہے۔ بنک کئی سال سے بڑی بڑی رقوم تھوڑی تھوڑی مدت کے لیئے جرمنی اور آسٹریا کے بنکوں کو قرض دیتا رہا ہے اس قسم کے قرضوں کی تعداد ۱۰ کروڑ پونڈ سے زیادہ ہے۔

لنڈن کے بنک قرضہ کہاں سے اور کیوں دیتے ہیں | آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ رقم بنکوں نے کمائی تھی یا ساہوکاروں نے اپنی زندگی بھر کفایت شعاری اور جانوں پر تکالیف برداشت کر کے اس کو پس انداز کیا تھا۔ نہیں ایسا نہ تھا۔ ہاں اگر کسی نے ایسا کیا تھا تو وہ فرانس کے کاشتکار تھے (جن کے روپیہ انگلستان کے بنک نے کم شرح سود پر قرض لیے تھے) یہ ہی نہ تھا کہ لنڈن بنک نے کسی ہمدردی کی بنا پر ان ممالک کو یہ رقوم قرض دی تھیں۔ بلکہ جو کچھ کیا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ فرانس کے بنک سے تین فی صدی سود پر اس لیئے قرض لیا جاتا تھا کہ جرمنی اور آسٹریا سے ۶ فی صدی اور ۸ فی صدی وصول کیا جائے جب دانستہ ہی پیچیدگی ہوئی تو لنڈن بنک نے مزید قرض دیا۔ اس کے بعد برلن میں انتشار ہوا تو انہیں بھی مزید قرضہ دیا گیا۔

فرانسیسی بھی سمجھ رکھتے تھے اُنھوں نے دیکھا کہ آسٹریا۔ جرمنی اور انگلستان کے بنک تو ایک ہی رسی میں بندھے ہوئے ہیں (جیسے کہ آلپس پہاڑ کے کھڈوں کے کنارے بعض بیلیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں کہ ذرا سے اشارہ میں سب کی سب کھڈ میں جا پڑتی ہیں) دو تو گر چکے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تیسرے کو بھی اپنے ساتھ لے بیٹھیں اپنا روپیہ بنک آف انگلینڈ سے واپس لینے لگے اور اب اس بنک کو اپنے خزانہ طلاء کو محفوظ اور اسٹرلنگ کے دام قایم رکھنے کے لیئے پیرس اور نیویارک سے قرضے لینے پڑے۔

یہ ہیں وہ واقعات جن کی بدولت ہم کو یہ ذلت دیکھنی پڑی۔ بے روزگاروں کے وظیفہ کا اس سے کچھ بھی تعلق نہیں اس وقت جس چیز کو خطرہ ہے وہ بنک آف انگلینڈ کی شہرت ہے یا اس آمدنی میں کمی کا خطرہ ہے جو اس کو بین الاقوامی سود خوری سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر بے روزگاروں کے وظیفہ کا اس سے کچھ تعلق ہے تو محض اس قدر کہ اگر گورنمنٹ اس مد میں (یعنی بے روزگاروں کے وظیفہ کے لیئے) قرض لینا ترک کر دے تو بنک کو انگلستان کے نام پر مزید قرض مل سکے گا۔

بنکروں کی حقیقت | بنک کا نفع تو آتی میں زیادہ ہے کہ اس کا روپیہ برلن میں رہے اور نہیں سو دل جائے۔ ساہوکاروں کے متعلق اس قدر ہتک آمیز طریقہ پر لکھنے سے شاید معافی مانگنے کی ضرورت ہے لیکن اس طرح لکھنے کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ ہمارے پولیس واخبار اور ہمارے وزیروں نے جو بنک کا بت بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی ہے اس کو یہ یاد دلا کر توڑا جائے کہ ساہوکار ہی دین کرنے والے ہی تو ہیں جو اپنے اس کاروبار کی بدولت ان اعلےٰ رتبوں پر پہونچ گئے ہیں۔ کہ

کساد بازاری کے چار علاج | ان کا حکم ہوا اور ایک قومی گورنمنٹ بن گئی کہ ملک کی حالت خراب ہے پیداوار کے رو سے اس میں شک نہیں کہ جب اشیاء کی قیمتیں گر کر قبل از جنگ کی قیمتوں سے بھی بقدر ۱۵ فیصدی

رہ گئیں تو کرنا تو کچھ ضرور تھا۔ ہمارے اخراجات اور مزدوریاں تمام دیگر ممالک کے مقابلہ میں زیادہ تھیں لیکن ایسے چارہ کار رہ جاتے تھے۔

اول یہ کہ ہم میکملن کمیٹی کی رپورٹ پر عمل کرنے کی کوشش کرتے اور بین الاقوامی معاہدہ کی رو سے اشیا کی قیمتوں کو ۱۹۲۸ء کے سطح پر لے آتے جس پر کسی نے توجہ ہی نہیں کی۔

دوسرے یہ کہ اگر بین الاقوامی معاہدہ کرنے میں کامیابی نہ بھی ہوتی تو ہم درآمد کے مال پر محصول لگا کر اشیا کی قیمتیں بڑھا سکتے تھے جیسا کہ مسٹر کین اور مسٹر بلون نے تجویز کیا تھا۔ مگر اس کی مسٹر اسنوڈن اور بدلیوں نے مخالفت کی۔

تیسرے یہ کہ سکہ کی قیمت کم کی جاتی اور معیار طلا چھوڑ دیا جاتا۔ جس سے ملکی صنعت کو ترقی ہوتی اور لوگ کاروبار سے لگ جاتے لیکن اس تجویز کے پیش کرنے کی کوئی جرأت بھی کرتا تو بنک نامنظور کر دیتا۔

ان سب تجویزوں کی نامنظوری کے بعد صرف ایک ہی تجویز باقی رہ جاتی ہے اور یہ وہی تجویز ہے جس پر قومی گورنمنٹ نے عملدرآمد شروع کر دیا ہے یعنی اب سختی کے ساتھ روپیہ کی قلت کی جائیگی مزدوریاں ادنیٰ سطح پر لائی جائیں گی اور اس کے ساتھ بے روزگاروں کے وظیفوں اور تمدنی کاموں کے اخراجات کم کیئے جائیں گے۔

شروع شروع میں مسٹر مکڈانلڈ اس سے انکار کرتے رہے کہ مزدوریاں کم کی جائیں گی لیکن اگر وہ ایسا کہتے رہیں گے تو بنک کو اُن پر اعتماد نہ رہے گا۔ واقعی منشا یہ ہے کہ ایسا ہی ہو۔ ملازمان سرکاری اور اُستادوں کی تنخواہوں میں تخفیف اس کا پیش خیمہ ہے۔

برابر کی قربانی ہم سے کہا جائے گا کہ سب کو برابر قربانی کرنی چاہیئے لیکن یہ وہ اصول ہے کہ اس پر اگر دیانتداری سے عملدرآمد بھی کیا جائے تو بھی کسی تمدنی جماعت (Socialist Party) کو کسی مصیبت کے زمانہ میں بھی اس کو تسلیم نہ کرنا چاہیئے۔

ہمارا (سوشلسٹ) وجود اس لیئے نہیں ہے کہ ہم موجودہ طریقۂ تقسیم دولت کو قایم رکھیں۔ ہم اس لیئے ہیں کہ اس طریقہ کو درہم و برہم کر دیں اور جب کبھی اشیا کی قیمتوں میں تنزل ہو تو ہمارا کام یہ ہے کہ قربانیوں کو برابر نہ کریں بلکہ آمدنیوں کو برابر کریں۔ یہ پہلی بات ہے جس پر ہم کو زور دینا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ دکھاوے حساب جو برابر کی قربانی سب سے کرائی جاتی ہے یہ بے ایمانی اور حماقت ہے کوئی اندھا ہی تسلیم کرے گا کہ ایک وزیر کی پانچ ہزار پونڈ کی تنخواہ میں دس یا بیس فیصدی کی کمی کرنے میں اس کی قربانی ایسی ہی ہے جیسی کہ ایک بے روزگار مزدور کے ۲ شلنگ وظیفہ میں دس فیصدی

سکّہ اور شرح تبادلہ کی کمی۔

اگرچہ جب تک کہ پوری اسکیم نہ معلوم ہو جائے اعتراض کرنا قبل از وقت ہے تاہم سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا شاہی خاندان کے اخراجات بھی بے روزگاروں کے وظیفوں کے ساتھ ساتھ کم کیئے جائیں گے۔ اور اس کا کیا انتظام ہوگا کہ قیمتوں کے گرنے کے ساتھ ہی ساتھ مکانوں کے کرایہ بھی کم ہوں جبکہ عموماً کئی کئی سال پہلے کرایہ طے کر لیئے جاتے ہیں“

عوام کی آمدنی میں تخفیف کا نتیجہ | آگے چل کر مسٹر برلیسفورڈ سوال کرتے ہیں کہ ”جب سب کچھ ہو چکے گا تو حاصل کیا ہوگا کیا انگلستان کی اندرونی تجارت اس وقت ترقی کرے گی جب عوام کی قوت خریداری جاتی رہے گی؟

کیا بے روزگاروں کے وظیفہ میں (باوجود تخفیف کے) مجموعی خرچ کچھ کم ہوگا؟ حالانکہ عوام کی قوت خرید سلب ہو جانے کی وجہ سے مال کی نکاسی کم اور بے روزگاروں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔

کیا ہمارے مال کی دوسرے ملکوں میں کھپت زیادہ ہو جائے گی؟ ہم اپنا مال کہاں بھیجیں گے؟ جبکہ جرمنی دیوالیہ ہو چکا۔ آسٹریا اپنے یہاں تخفیف کر رہا ہے ہندوستان کے اخراجات کم کرنے کے لیئے کہا رہنی جا لی گئی ہے لیکن یہ سب سوالات شاید معمولی ہیں (جس چیز کی گورنمنٹ کو ضرورت ہے وہ تو یہ ہے) کہ ”ساکھ“ قائم ہو جائیگی اور جو بنک آج ہم پر حکومت کر رہا ہے وہ تین فیصدی سود پر روپیہ لیکر ۸ فیصدی سود پر چلاتا رہے گا۔

لیبر پارٹی کا انجام | اس تبدیلی کا سیاسی انجام کیا ہوگا۔ اس کے متعلق میں نے ابھی کچھ نہیں کہا۔ یہ انجام بالکل واضح ہے لیبر پارٹی کے تین لیڈر اس کو چھوڑ چکے ہیں اور یہ لوگ یعنی مسٹر مکڈانلڈ، مسٹر اسنوڈن اور مسٹر طامس اپنے خیالات کے اعتبار سے عرصہ ہوا پارٹی سے جدا ہو چکے تھے۔ یہ تینوں واقعی اس تعریف کے مستحق ہیں جو سرمایہ داروں کا پریس اُن کی کر رہا ہے۔

انھوں نے دوسروں کے خیالات کے اتباع میں اس پارٹی میں پھوٹ ڈال دی جس کی عرصہ تک خود رہنمائی کی تھی تاہم خوش قسمتی سے مزدوروں کی تحریک برقرار ہے اس کا ایک نظام ہے اس کے پاس اخبارات ہیں اور اس میں لیڈروں کی بھی کمی نہ ہوگی۔ وہ جلد پھر لڑنے کے قابل ہو جائے گی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ لوگوں کے احساسات کیا ہیں۔ ان تینوں لیڈروں نے اپنا راستہ اختیار کر لیا ہے اور اپنی خدمات سرمایہ داروں کی خدمت کے لیئے پیش کر دی ہیں اب آئندہ وہ کبھی مزدور پارٹی کے لیڈر نہ بن سکیں گے“

سرمایہ داروں کا خاتمہ سرمایہ کے ہاتھ سے | اسی طرح مسٹر الفرڈ ولکاک لکھتے ہیں کہ ”چالیس سال سے تمدنی عقلاء (Socialist Thinkers) یہ پیشین گوئی کرتے رہے ہیں کہ سرمایہ کا خاتمہ سرمایہ داروں ہی کے ہاتھ سے ہوگا۔ ان لوگوں کو جو بات اس وقت سوجھی تھی آج بہت سے لوگ بھی

زندگی میں پہلی مرتبہ اُس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

لیکن وہ جس بنیاد پر یہ پیشین گوئی کرتے تھے وہ بالکل سادہ اور نہایت ٹھوس ہے۔ اُن کا استدلال یہ تھا کہ سرمایہ داری کی فطرت ہی یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت ایک جگہ جمع ہو اور اس رجحان کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آج نہیں تو کل ہر ملک میں ضرورت سے زیادہ مال جمع ہو جائے گا جس کا آخری انجام یہ ہوگا کہ ہر ملک میں مال تو ضرورت سے زیادہ ہوگا لیکن لوگ جن کے لیے مال تیار کیا گیا ہے خریدنے کے قابل نہ ہوں گے اور روپیہ جس سے کہ لوگ خریداری کر سکتے یا تو بنکوں میں بند پڑا ہوگا یا ایسے کارخانوں میں لگا ہوا ہوگا جو کام کے مندا ہونے کی وجہ سے بند پڑے ہونگے یا ایسے دوسرے کاموں میں لگا ہوا ہوگا جو لوگوں کی غربت کی وجہ سے سرسبز و شاداب نہ ہو سکیں گے۔

میزان تجارت کی اصلاح اسی اصول پر آج قریب قریب ہر ایک ملک کا کاروبار بند ہے۔ اور یہ بھی خالی از دلچسپی نہیں ہے کہ جس وقت ہر ایک ملک اس حالت کو پہونچتا ہے تو وہ اپنی اصلاح حال کے لیے میزان تجارت اپنے حق میں کرنی چاہتا ہے۔ اور سب ممالک یہی کہتے ہیں کہ ہم کو اپنے برآمد کے مال میں اضافہ کرنا چاہیئے نیز سب کے سب درآمد کے مال پر محصولات بڑھاتے جا رہے ہیں تاکہ بیرونی مال کو ملک میں آنے سے روک دیں۔

سرمایہ داروں کے مجوزہ علاج یہ حالت حقیقتاً نہایت مضحکہ انگیز ہے۔ مگر نہیں مضحکہ انگیز ہوتی تو اس قدر پر از تکلیف نہ ہوتی ہر ملک کو ایک ہی تجربہ ہو رہا ہے اور دیکھتا ہے کہ اُس کے لیے آج ایک بازار بند ہوا تو کل دوسرا اور ایسے ایسے بازار بند ہوتے جا رہے ہیں جو اُن کے لیے پشتہا پشت سے کھلے ہوئے تھے۔ اس مایوسی میں وہ اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ اُن کی مالی پالیسی میں یا سکہ میں کچھ نقص ہے اور یہ سب پریشانی یوں دور ہو جائے گی کہ تمام اقوام برطانیہ کی پیروی میں معیار طلا چھوڑ دیں۔ اور مالی سیاسی اور تجارتی حلقوں میں اس پر بہت مباحثے ہو رہے ہیں کہ معیار طلا اچھا ہے یا برا اور روپے کی قلت کرنا مفید ہے یا کثرت

سرمایہ داروں کی بدحواسی ان بحثوں کا مذاق اُڑانا میرا مقصد نہیں ہے بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ عقلا یا ان میں سے وہ لوگ جو اپنے آپ کو سرمایہ داروں کا دیوتا سمجھتے ہیں اور سرمایہ داری کے حدود سے باہر کچھ خیال ہی نہیں کر سکتے یہ نہیں سوچتے کہ ان تمام ترکیبوں سے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا کہ عارضی طور پر تجارت کو ترقی ہو جائے مجھے خوف ہے کہ ان کا یہ انتشار خیال بڑھتا ہی رہے گا اور پریشانی میں کبھی ایک تدبیر کریں گے اور کبھی دوسری لیکن مالی مصیبتیں یکے بعد دیگرے مختلف ممالک میں روز بروز بڑھتی ہی رہیں گی اور انجام کار موجودہ کا نظام پاش پاش ہو جائے گا۔ ہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اس انجام تک پہونچنے میں کچھ بہت زیادہ عرصہ نہیں لگے گا۔ یہ مصیبت آسٹریلیا۔ جنوبی امریکہ کی جمہوریتوں۔ جرمنی۔ آسٹریا۔ ہنگری۔ اسپین۔ برطانیہ۔ ہالینڈ اور

سوئزرلینڈ میں آ ہی چکی ہے نیز فرانس اور ممالک متحدہ امریکہ میں تشویش بڑھ رہی ہے۔

صاف بات یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا وجوہات سے ہماری آنکھوں کے سامنے سرمایہ داری تباہ ہو رہی ہے اور تمام دنیا میں اقتصادی انقلاب تنے تھوڑے دنوں میں ہونے والا ہے کہ ہم میں سے بہتوں کو اس کا اندازہ نہیں ہے حتی کہ وہ عقلا بھی جو کل تک یہ سمجھتے تھے کہ ان کے سوائے مالیات کو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا اور رنگ رنگ کر مالی معاملات پر اس انداز سے گفتگو کیا کرتے تھے گویا کہ کسی دیوتا سے باتیں کر رہے ہیں آج سراسیمگی کے عالم میں یہ پوچھتے پھرتے ہیں کہ آخر اس تمام ابتری کا مطلب کیا ہے اور کونسی کل بگڑ گئی ہے۔ ان کو بھی ڈر معلوم ہونے لگا ہے کہ کہیں اس غیر معمولی بوجھ سے پوری مشین ہی نہ ٹوٹ جائے۔

بنک آف انگلینڈ کے گورنر کی پیشین گوئی | اس اہم اور زبردست معاملہ کے سلسلہ میں ایک نہایت عجیب و غریب پیشین گوئی موجودہ گورنر بنک آف انگلینڈ مسٹر مونٹیگو نورمن Montague Norman نے کی ہے اور حال ہی میں بنک آف فرانس کے گورنر ایم موریٹ (M. Morat) کو ایک خط میں لکھا ہے کہ "اگر سخت جد و جہد سے سرمایہ داری کے نظام کو بچانے کی کوشش نہ کی گئی تو تمام مہذب دنیا میں ایک سال کے اندر یہ سب کا سب تباہ ہو جائے گا میں چاہتا ہوں کہ میری یہ پیشین گوئی احتیاط سے رکھ لی جائے تاکہ آئندہ اس کو یاد دلایا جا سکے"۔

لیکن اس وقت تو مصیبت یہ ہے کہ جو لوگ صاحب اقتدار و قوت ہیں وہ اس خرابی کے ان اصلی وجوہ کے سمجھنے سے قاصر ہیں جن کی بدولت موجودہ نظام برباد ہو رہا ہے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں وہ تو محصولات بڑھانے معیار طلا قائم رکھنے نہ رکھنے روپے کی قلت یا کثرت کرنے وغیرہ جیسے مسائل پر غور کر رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان امور کا بھی ملک کی اقتصادی زندگی اور پالیسی پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے لیکن ایک اصلی اور اہم چیز جس سے وہ سب بچتے ہیں اور سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ موجودہ حالات پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے وہ طریقہ تقسیم دولت ہے۔ اس کو یہ سب نظر انداز کیے ہوئے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ ہم کو ابھی اور انتظار کرنا پڑے گا اور دیکھیں گے کہ یہ نظام دنیا بھر میں تباہ ہوگا تمام دنیا پریشان ہوگی اور لوگ مایوسی میں اس طوفان کو وظیفوں، منتروں، جھاڑ پھونک کی امداد سے روکنے کی کوشش کریں گے اور اس وقت (کہ تباہی درجہ انتہا پر پہنچ جائے گی) ان معاملات کے درست کرنے کا موقع ان لوگوں کو دیا جائے گا جو ان معاملات کو سیدھے سادے طریقہ پر سمجھتے اور دیکھتے ہیں۔

اصلی علاج طریقہ تقسیم دولت | یہ کہنا مشکل ہے کہ ہم دنیا کی اس تباہی کے بعد جو سامنے نظر آ رہی ہے نئے نظام کا کام کس طرح شروع کریں گے۔ نیز ان حالات کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے جن میں اس نئے نظام کی بنیاد

ڈالی جائے گی۔ اس وقت تو ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ حالات موجودہ حالات سے اس قدر مختلف ہوں گے کہ ویسے حالات ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھے البتہ یہ بات صاف ہے کہ ہر ملک اقتصادی اعتبار سے اپنے آپ کو جدا سمجھے گا۔ لیکن اپنے تحفظ کے لیئے یہ لازمی سمجھے گا کہ ایک اس قسم کا بین الاقوامی نظام قائم کیا جائے جس سے کہ تمام ممالک کی اقتصادی حالت درست ہو سکے۔

اصل مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ تمام صنعتی کاریگروں کو قابو میں لاکر اُن کی تنظیم اس طرح کی جائے کہ مزدوروں کو زیادہ سے زیادہ مزدوری مل سکے اور چیزوں کی قیمتیں کم سے کم ہوں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے نفع اور سود کو انتہائی طور پر کم کرنا پڑے گا۔ اس طریقہ سے (کم از کم) خوشحالی ہو سکے گی۔ اور یہ بھی ممکن ہوگا کہ تمام کام میں ملک کے سب لوگ حصہ دار ہوں اور منافع بھی مناسب طور پر ملک کے سب لوگوں میں تقسیم ہو۔ اور اس تقسیم میں اتنا انصاف ہو سکے گا جس کی مثال (روس کو مستثنےٰ کر کے) دنیا کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔

بیرونی تجارت کا انتظام غالباً نئے طریقے سے کرنا پڑے گا۔ موجودہ طریقہ میں تو قیمتیں کم سے کم ہونے کی ضرورت ہے جس کی بدولت ڈاکوؤں کی طرح تجارت کو کبھی ایک ملک چھین لیتا ہے اور کبھی دوسرا۔ آئندہ انتظام غالباً تبادلہ اجناس کا ہوگا اس وقت بھی ہم کو اس طریقہ کے آثار معلوم ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ممالک متحدہ امریکہ اور جنوبی امریکہ کے بعض ممالک میں گیہوں اور قہوے کا تبادلہ ہونے لگا ہے۔

خلاصہ | غرضیکہ مزدور پارٹی کے بعض ممبروں کی تو یہ رائے تھی کہ حقیقتاً انگلستان میں کوئی مصیبت نہ تھی اور یہ سب ڈھونگ محض اس غرض سے رچایا گیا تھا کہ لیبر پارٹی کو شکست دے کر ہمیشہ کے لیئے کمزور کر دیا جائے۔

لیکن واقعہ یہی ہے کہ در اصل زمانہ نہایت نازک ہے۔ صورت حالات ایسی نازک تھی کہ وزرا کو فوری تدارک کرنا لابد تھا۔ اسی مجبوری سے گورنمنٹ کو بدلنا پڑا اور نئی گورنمنٹ قائم کرنا پڑی۔ موجودہ سرمایہ داری کے نظام سے مساوی تقسیم دولت کا نظام اس قدر مختلف ہے کہ یہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ ایک نظام دوسرے نظام میں منتقل ہو سکے۔

یہ تبدیلی جب بھی ہوگی ایک نظام کے ناکام اور ختم ہو چکنے کے بعد ہی ہوگی۔ موجودہ وزارت اگرچہ لیبر پارٹی کے نمائندوں کی تھی لیکن جس نظام کو چلا رہی تھی وہ پرانی قسم کا ہی تھا۔ اور جب اس کے خراب ہونے کا خدشہ ہوا تو اس کو درست کرنے کی کوشش کرنا ہی وزرا کا فرض تھا نہ کہ اس کو درہم برہم کرنا چنانچہ وزارت نے اپنے اس فرض کو محسوس کیا اور اپنے اصول بالائے طاق رکھ کر اس وقت تو انگلستان کی

اس نازک مرحلے سے نکالنے کی پوری کوشش کی۔

انگلستان میں منسوخی معیار طلا کا اثر ہندوستان پر

مالیات انگلستان کی نازک گھڑی بظاہر ۲۳ راگست ۱۹۳۱ء کو نئی گورنمنٹ بنجانے سے ٹل گئی تھی حالانکہ یہ بینچا لامحض عارضی تھا کیونکہ اس وقت گورنمنٹ کو جو ۸ کرور پونڈ فرانس اور امریکہ سے ملے تھے وہ بھی چند ہفتوں سے زیادہ نہ چل سکے اور ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کو بنک آف انگلینڈ کے پاس صرف ۱۳ کرور پونڈ کا سونا رہ گیا تھا اور اگر برابر بھگتان ہوتا رہتا تو مطالبات اس قدر زیادہ تھے کہ چند ہفتوں ہی میں وہ بھی نکل جاتا اور آڑے وقت کے لئے کچھ بھی نہ بچتا۔ اس لئے مجبوراً بنک آف انگلینڈ کو بقیہ سونا بچانے کے لئے وہ ہی کارروائی کرنی پڑی جس کے خیال سے بھی وزراء انگلستان لرزہ براندام تھے۔ اور جس کی بدولت مسٹر ریمزے میکڈانلڈ جیسے پرانے مزدور پارٹی کے لیڈر نے اپنی پارٹی کو چھوڑ کر ملک کی امداد کی تھی۔ جس وقت کا کھٹکا تھا آخر وہ آ ہی گیا اور ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کو قانون کی وہ دفعہ گورنمنٹ نے منسوخ کر دی جس کی رو سے ایک مقررہ نرخ پر پونڈ کے نوٹوں کا سونا دینے پر بنک آف انگلینڈ مجبور تھا۔ اور انگلستان سے معیار طلا مفقود ہو گیا اور نوٹوں کے تبادلہ میں سونے کا سکہ یا سونا دینے کی گورنمنٹ کی ذمہ داری جاتی رہی اور نوٹوں پر بٹہ لگنے لگا۔

انگلستان کی اس کارروائی سے جو اثر ہندوستان پر پڑا اُس کے بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہندوستان میں جو قانون سکہ اور شرح تبادلہ کے متعلق ۱۹۲۷ء میں پاس ہوا تھا اُس کی بعض دفعات کیا تھیں اور اُن پر عملدرآمد کے طریقے کیا تھے۔

۱۹۲۷ء کے بعد کرنسی بل کا نفاذ | مارچ ۱۹۲۷ء میں کرنسی بل پاس ہو کر نافذ ہو گیا تھا جس کی رو سے روپیہ کی قیمت بقدر ۸٫۴۷۵۱۲ گرین یعنی ۴ ۳/۴ رتی سونے کے قریب مقرر کر دی گئی تھی اور ایک روپیہ ۱۸ پنس کے برابر قایم ہو گیا تھا۔ اس شرح تبادلہ کو گورنمنٹ قانوناً حسب ذیل طریقہ سے قایم رکھتی تھی کہ جو شخص بھی ۱۰۶۵ تولہ سونا خریدنے کی درخواست دیتا تھا اُس کو ۲۱ـ۳ـ۱۰ فی تولہ کے نرخ سے سونا دینے پر مجبور تھی اور اگر درخواست دہندہ بجائے سونے کے اسٹرلنگ پونڈ خریدنا چاہتا تو گورنمنٹ اسی حساب سے (یعنی ۱۸ پنس فی روپیہ بعد منہائی اخراجات روانگی طلا اور سود دوران سفر جہاز) اسٹرلنگ کی ہنڈی دیتی تھی لیکن اسٹرلنگ کا فروخت کرنا افسر سکہ کی مرضی پر منحصر تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص گورنمنٹ کو سونا دیتا تو اس کے بجائے مقررہ نرخ پر روپیہ دینے کی ذمہ داری تھی۔ قانون کرنسی ۱۹۲۷ء کی دفعہ ۴ و ۵ اس

سلسلہ میں قابل ملاحظہ ہیں جن کا ضروری ملخص حسب ذیل ہے۔

دفعہ ۴۔ اگر کوئی شخص گورنر جنرل ان کونسل کے پاس ان کے افسر ٹکسال کے دفتر میں .... سونے کے پانسے جو وزن میں ۴۰ تولہ سے کم نہ ہوں بیچنے کے لیے پیش کرے (ایسی دیگر شرائط کے تحت جو گورنر جنرل اس معاملہ میں عاید کریں) تو اُس کو استحقاق ہوگا کہ ۲۱؍۳؍۱۰ فی تولہ کے حساب سے اُس کی قیمت مل جائے

دفعہ ۵ (۱) اگر کوئی شخص افسر سکہ Controller of currency کے دفتر کلکتہ یا بمبئی میں یا ڈپٹی کنٹرولر بمبئی کے دفتر میں گورنر جنرل ان کونسل سے سونا خریدنا چاہے اور قیمت ۲۱؍۳؍۱۰ کے حساب سے سکہ رائج الوقت میں پیش کرے تو ٹکسال بمبئی کی ڈلیوری کا سونا بیچ دیا جائے گا۔ اور اگر کنٹرولر و ڈپٹی کنٹرولر چاہیں تو اسٹرلنگ بھی اسی حساب سے مل جائے گا جس کی ڈلیوری انگلستان میں فوراً دی جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ کسی شخص کو سونا یا اسٹرلنگ ۱۰۶۵ تولہ سے کم خریدنے کا استحقاق نہ ہوگا۔

(۲) اسٹرلنگ کی شرح معلوم کرنے کے لیے ۲۱؍۳؍۱۰ ایسی رقم اسٹرلنگ کی برابر سمجھی جائے گی جس سے لندن میں (جس نرخ سے بنک آف انگلینڈ قانوناً سونا بیچنے پر مجبور رہی) ایک تولہ سونا خرید کیا جا سکے (البتہ) اس میں سے وہ خرچ منہا کیا جائے گا جو ایک تولہ سونا بمبئی سے لندن بھیجنے میں لگے گا اور اُس کے زمانۂ سفر کا جو سود اُس پر عائد ہوگا۔

(۳) گورنر جنرل اِن کونسل حسب دفعہ ۲ وقتاً فوقتاً اسٹرلنگ کی شرح طے کر کے گزٹ آف انڈیا میں شایع کرتے رہیں گے۔

ان شرائط کے ماتحت گورنمنٹ سونا خرید کر روپیہ اور روپیہ کے تبادلہ میں سونا یا اسٹرلنگ دیتی رہی۔ اور چونکہ انگلستان میں اسٹرلنگ (نوٹ) سے اُسی قیمت کا سونا ملتا تھا ایک روپیہ ۱۸ پنس (سونے کی برابر) رہا۔

منسوخی معیار طلا اور گورنمنٹ ہند کے آرڈیننس جس وقت گورنمنٹ ہند کو یہ اطلاع ملی کہ انگلستان میں سونے کی کمی کی وجہ سے معیار طلا منسوخ کر دیا گیا تو اُس کو بے حد پریشانی ہوئی کیونکہ وہ تو سونا اور اُس کے ہم قیمت اسٹرلنگ مقررہ نرخ پر فروخت کرنے کے لیے قانوناً مجبور تھی اُس کو اندیشہ ہوا کہ ہندوستان میں اس کی خبر ہوتے ہی لاکھوں روپے کے سونے اور اسٹرلنگ کی خریداری کی درخواستیں آجائیں گی اور فوراً آرڈیننس ۲ سنہ ۱۹۳۱ء ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کو جاری کر کے قانون کرنسی سنہ ۱۹۲۷ء کی دفعہ ۵

منسوخ کردی یعنی گورنمنٹ قیمت مقررہ پر سونا یا اسٹرلنگ بیچنے کی ذمہ دار نہ رہی۔

گزشتہ روز دوپہر کے وقت وزیر ہند نے انگلستان میں گول میز کی فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی میں ایک بیان دیا کہ چونکہ اب انگلستان کی گورنمنٹ پونڈ کے نوٹ کا سونا دینے کی ذمہ دار نہیں رہی ہے اس لئے روپیہ کی شرح تبادلہ ۱۸ پنس سونے کے بجائے آئندہ سے ۱۸ پنس اسٹرلنگ (نوٹ) کی کردی جائے گی اس وجہ سے سونے کے ساتھ تبادلہ قائم رکھنے کا تو سوال ہی باقی نہیں رہا اگر تبادلہ قائم رکھنے کا امکان ہے تو صرف نوٹ ہی سے ہوسکتا ہے۔ اس بیان کے بعد وزیر ہند اور گورنمنٹ ہند کی پالیسی میں کچھ اختلاف ہوگیا جس کے دور کرنے کے لئے ان دونوں کے درمیان مسلسل گفتگو ہوتی رہی اور تین دن تک ہندوستان کے تمام بینک حکماً بند رہے۔ بالآخر ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء کو ایک اور آرڈیننس نمبر ۶ ۱۹۳۱ء جاری کرکے آرڈیننس نمبر ۵ منسوخ کردیا گیا اور قانون کرنسی ۱۹۲۷ء کی دفعہ ۵ پھر بحال کردی گئی البتہ اس دفعہ کے مطابق سونے اور اسٹرلنگ کی فروخت پر چند شرائط لگادیں جیسا کہ آرڈیننس ۶ کے اقتباس ذیل سے معلوم ہوتا ہے:

دفعہ ۵ قانون کرنسی میں جو مذکور ہے اس کے باوجود . . . . دفعہ مذکور کے مطابق جو سونا یا اسٹرلنگ فروخت کیا جائے گا اس کو

(الف) صرف امپیریل بینک آف انڈیا ہی فروخت کرے گا . . . . اور یہ سودا (صرف) بینک مذکور کے ہیڈ آفس واقع کلکتہ اور بمبئی میں ہی ہوگا۔

(ب) یہ سونا صرف اُن بینکوں کی شاخہائے کلکتہ اور بمبئی کے ہاتھ فروخت کیا جائے گا جن کو گورنر جنرل ان کونسل نے منظور کرلیا ہے۔

(ج) صرف اغراض ذیل کے لئے فروخت کیا جائے گا۔

(۱) معمولی تجارتی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے . . . .

(۲) ایسے معاہدات کے ایفا کرنے کے لئے جو ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء سے پہلے کئے جاچکے ہیں۔

(۳) مناسب ذاتی اور خانگی ضروریات کے لئے اور

(د) اغراض ذیل کے لئے نہیں دیا جائے گا۔

(۱) سونے یا چاندی کا سکہ یا دھات منگانے کے لئے۔

(۲) یا اس مہینے میں سونا یا اسٹرلنگ خریدنے کی درخواست دی جائے اس سے کسی اگلے مہینے کی پیشگی کی ہوئی ہنڈیوں کے پورا کرنے کے لئے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آرڈیننس سے قانون کرنسی کی دفعہ ۵ کی رو سے جو سونا یا اسٹرلنگ کے

ہم قیمت [illegible] روپیہ فی تولہ کے نرخ سے فروخت کیئے جاتے تھے اُس پر دو قسم کی شرائط عائد کی گئیں ایک یہ کہ سونا کن لوگوں کے ہاتھ فروخت کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ کن اغراض کے لیئے فروخت کیا جائے گا لیکن نرخ میں کوئی ترمیم نہیں کی گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ گورنمنٹ سونا اور اسٹرلنگ قدیم نرخ پر ہی فروخت کرے گی البتہ ہر شخص کو یہ حق نہ ہوگا کہ ۵۰۰ تولہ سونے کی قیمت دیکر بطور استحقاق سونا خرید لے۔ بلکہ گورنمنٹ تو صرف اپنے نامزد کردہ چند بنکوں کو اغراض مخصوصہ کے لیئے اس نرخ پر سونا دے گی البتہ وہ بنک اور لوگوں کو سونا دے سکیں گے اور گورنمنٹ یہ نگرانی کرتی رہے گی کہ وہ بنک مصرحہ بالا مقاصد کے سوا سونے کو کسی دوسرے مقصد کے لیئے تو صرف نہیں کرتے۔

وزیر ہند اور گورنمنٹ ہند کے اس دوگانا طرز کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ وزیر ہند تو ۱۸ اپنس نوٹ میں ایک روپیہ دیتے ہیں اور گورنمنٹ ہند اس کے برخلاف ایک روپیہ ہیں ۱۸ اپنس (سونے) کے یا ۲۵ پنس (نوٹ) کے (باعتبار نرخ یکم دسمبر) فروخت کرتی ہے۔ نیز سونے کی قیمت کے اعتبار سے اس خرید و فروخت کا اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وزیر ہند جس حساب سے اسٹرلنگ کا روپیہ دیتے ہیں اُس حساب سے سونے کا نرخ [illegible] روپے فی تولہ کے قریب ہوتا ہے۔ لیکن گورنمنٹ ہند اب بھی سونا [illegible] فی تولہ کے نرخ سے فروخت کرتی ہے البتہ اس نرخ پہنچنے کے لیئے گورنمنٹ مجبور نہیں بلکہ حسب ترمیم مذکورہ بالا جس شخص کو چاہے اس نرخ پر دے سکتی ہے۔ اس طرح پر ایک روپیہ کی قیمت ۱۸ اپنس سے کم تو نہیں ہو سکتی کیونکہ وزیر ہند ۱۸ اپنس (نوٹ) میں ایک روپیہ دیتے رہیں گے۔ لیکن اس سے زیادہ ہونے میں کچھ رکاوٹ نہیں بلکہ گورنمنٹ جب چاہے زیادہ کر سکتی ہے چنانچہ اس وقت بھی قانوناً ایک روپیہ ۲۵ پنس (نوٹ) میں دے سکتی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ گورنمنٹ ہند کا موجودہ قانون وزیر ہند کے اعلان سے مختلف ہے۔ تاہم اس وقت تک گورنمنٹ اپنے آرڈیننس کے ماتحت اسٹرلنگ اور سونا بیچنے کے علاوہ عام طور پر اسٹرلنگ ۱۸ اپنس (نوٹ) فی روپیہ کی شرح سے فروخت کر رہی ہے۔

گورنمنٹ کی اس پالیسی پر اکثر ہندوستانیوں نے سخت اعتراض کیئے جن کا خیال ہے کہ یہ ہندوستان کے لیئے مضر ہے اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ روپیہ کو بلا کسی شرح تبادلہ مقرر کیئے ہوئے آزاد چھوڑ دیا جائے البتہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہی طریقہ ہے۔ ان کے فوائد و نقصانات کا جانچنا ضروری ہے۔

سکہ کی قیمت انگلستان کے نوٹ کے اعتبار سے | تاریخ میں صرف ایک مرتبہ اس سے پہلے ایسا موقعہ ہوا ہے جب روپیہ کی قیمت بہ اعتبار انگلستان کے نوٹ کے مقرر کی گئی تھی یہ موقعہ سنہ ۱۹۲۰ء میں پیش آیا تھا جب کہ فروری سنہ ۱۹۲۰ء سے جون سنہ ۱۹۲۰ء تک گورنمنٹ ہند نے روپیہ کی شرح تبادلہ

۲۴ پنس (سونے) کی قایم کرنے کے لیئے اُلٹی وزیری ہنڈیاں بہ کثرت فروخت کی تھیں جو ۳۴ پنس (نوٹ) کے برابر ہوتی تھیں لیکن گورنمنٹ کو اس میں صریحی ناکامی ہوئی اور مجبوراً جون سنہ ۱۹۲۰ع میں اس کوشش کو چھوڑ کر ۴۲ پنس (نوٹ) کے حساب سے فروخت کیں یعنی روپیہ کو بجائے ۲۴ پنس (سونے) کے ۲۴ پنس (نوٹ) کا کر دیا (جیسا کہ آج کل ۱۸ پنس نوٹ کا کر دیا ہی) لیکن اُس زمانہ کے اعتبار سے یہ شرح بھی بہت زیادہ تھی جس کو گورنمنٹ قایم نہ رکھ سکی۔ اس تجربہ کی بنا پر کہا جا سکتا ہی کہ روپیہ کی قیمت بہ اعتبار نوٹ کے مقرر کرنے میں بھی دو اندیشے ہیں اور یہ ربط ٹھیک نہیں ہی۔

اسٹرلنگ کی قیمت گرنے سے اندیشے (۱) یہ کہ نوٹ کی قیمت کچھ قیمت نہیں ہی جوں جوں انگلستان میں نوٹ بڑھتا جائے گا اُس کی قیمت گرتی جائے گی اور اسی اعتبار سے روپیہ کی قیمت بھی گرتی جائے گی۔ چنانچہ دوران جنگ میں جرمنی مارک کی قیمت اس طرح گرنے لگی تھی کہ بالآخر اُس کی قیمت اُس کاغذ اور اُس کی چھپائی کی قیمت سے بھی کم ہو گئی تھی جس پر کہ مارک چھپتا تھا اسی طرح اگرچہ ہم کو آج کل انگلستان کے نوٹ کی قیمت اور اُسی کے ساتھ روپیہ کی قیمت گرنے سے فائدہ ہو رہا ہی لیکن یہ اندیشہ بھی ساتھ ہی لگا ہوا ہی کہ اگر نوٹ کی قیمت بہت گر جائے گی تو روپیہ کی قیمت بھی اُسی نسبت سے گر جائے گی جو ہندوستان کے لئے نقصان کا باعث ہو گی۔

(۲) اسٹرلنگ کی قیمت بڑھنے سے نقصان دوسرا قومی اندیشہ جس کے پیش آنے کا احتمال بھی زیادہ اہم ہی کہ اگر انگلستان کی حالت سنبھلنے لگی اور رفتہ رفتہ نوٹ کا بٹہ کم ہوتا گیا اور قیمت بڑھنے لگی تو روپیہ کی قیمت بھی بڑھ جائے گی .... اور جیسا اس وقت ہندوستان کو فائدہ ہو رہا ہی پھر ویسا ہی نقصان ہونا شروع ہو جائے گا اور جب نوٹ کے تبادلہ میں سونا ملنے لگے گا تو روپیہ پھر ۲۴ پنس کی شرح تبادلہ کے مطابق قایم ہو جائے گا اور پھر روپیہ اس ۱۸ پنس کے گرداب سے نکل سکے گا۔

(۳) برطانیہ کے کارخانہ داروں کا فائدہ روپیہ کی شرح تبادلہ اسٹرلنگ سے مربوط رکھنے میں ہندوستان کو سردست جو نقصان پہونچ رہا ہی یہ ہی کہ اسٹرلنگ کی قیمت گر جانے کی وجہ سے روپیہ کی قیمت دیگر ممالک کے سکوں کے مقابلہ میں تو گر گئی ہی جس کی وجہ سے ہندوستان کی مصنوعات دیگر ممالک کی مصنوعات سے مقابلہ کر کے فائدہ اٹھا سکتی ہیں لیکن روپیہ کی قیمت کا تعلق جہاں تک کہ انگلستان سے ہی وہ بحالہ قایم ہی اس لیئے کہ انگلستان کی مصنوعات کے مقابلہ میں ہندوستان کی مصنوعات کی حالت وہی ہی جو پہلے تھی کیونکہ دیگر ممالک کا مال تو اب مہنگا پڑنے لگا اور انگلستان کا ابھی پہلی ہی قیمت پر آتا

ملتا ہی چنانچہ بطور مثال فرض کیجیے کہ کسی مال کی قیمت معیار طلا منسوخ ہونے سے پہلے انگلستان و امریکہ میں ایک ہی تھی یعنی امریکہ میں ۸۶ء۴ ڈالر اور انگلستان میں ایک پونڈ تھی (تو یہ مال دونوں جگہ سے ہندوستان آتا تو گاہک کو ان کی قیمت یکساں یعنی ۱۳ روپیہ دینی پڑتی (اس حساب میں خرچہ آمد وغیرہ نظر انداز کر دیا ہی) لیکن آج کل وہی مال انگلستان سے آئے گا تو دام ۱۳ روپیہ ہی دینے پڑیں گے کیونکہ وہاں تو اس کی قیمت ایک پونڈ ہی ہی لیکن امریکہ سے آئے گا تو قیمت زیادہ دینی پڑے گی کیونکہ آج کل ۸۶ء۴ ڈالر ایک پونڈ کی برابر نہیں تو ۸۶ء۴ ڈالر ایک پونڈ ۸ شلنگ کے قریب ہوتے ہیں اور ہندوستان میں ۱۸ روپیہ کے برابر ہوں گے پس ہندوستان میں انگلستان کے مال کا مقابلہ دوسرے ممالک نہ کر سکیں گے اور انگلستان کے مال کو ترجیح ہوگی اور اسی وجہ سے گورنمنٹ کے اس فعل کو باعتبار شرح تبادلہ کے روپیہ کو اسٹرلنگ کے ساتھ مربوط کر دیا ہی انگلستان کے حق میں ترجیح (Imperial Preferences) کے نام سے بیان کیا جاتا ہی۔ یہ ہی وجہ ہی کہ اس پالیسی کے اعلان ہونے کے وقت ہی سے مال درآمد کرنے والوں کی طرف سے احتجاج شروع ہو گیا چنانچہ شروع اکتوبر میں سوداگران شملہ نے اس بارہ میں جو رزولیوشن پاس کیے تھے اُن میں لکھا تھا کہ "روپیہ کو اسٹرلنگ کے ساتھ مربوط کر دینے کی وجہ سے اُن تاجران شملہ کو جو دیگر ممالک سے مال منگاتے ہیں اپنے آرڈر اس وجہ سے فسخ کرنے پڑے ہیں کہ اس نئی شرح تبادلہ سے انگلستان کے مال کو ترجیح حاصل ہو گئی ہی" ایسی ہی دقتوں کا تاجران دہلی کو بھی سامنا ہوا اور خود بعض انگریزی اخبارات نے اس کو تسلیم کیا۔ چنانچہ ولایت کے اخبار مارننگ پوسٹ نے ایک مضمون میں لکھا ہی کہ "بہ مقابلہ دیگر ممالک کے مال کے انگلستان کے مال کو جو ہندوستان جاتا ہی پونڈ کی قیمت کا گرنا مثل ایک بونٹی (Bounty) (روپیہ کی امداد) کے کام دے گا" یعنی انگلستان کا مال بہ مقابلہ دیگر ولایتوں کے ایسا سستا پڑے گا گویا اس کی قیمت کم کرنے کی غرض سے گورنمنٹ نے روپیہ کی امداد دیدی ہی۔

اس میں شک نہیں کہ انگلستان میں پونڈ کی قیمت گھٹ جانے کی وجہ سے مال کی تیاری کے اخراجات بڑھ جائیں گے اور پہلے جو مال ایک پونڈ (سونے) میں تیار ہوتا تھا کچھ عرصہ کے بعد ایک پونڈ سے زیادہ میں پڑنے لگے گا اور اس وقت اتنا صحیح فائدہ انگلستان کو بہ مقابلہ دیگر ممالک کے نہ رہے گا لیکن مزدوریوں اور چیزوں کی قیمتوں کو سکہ کی گھٹی یا بڑھی ہوئی سطح کے اعتبار سے گھٹنے اور بڑھنے میں دیر لگتی ہی اس لیے اُس وقت تک تو انگلستان کو بلاشک وشبہ ہندوستان کے بازار میں مال بھیجنے میں دوسرے ممالک کے مقابلہ میں جیت رہے گی اور دوسرے ممالک کے مال کو ہندوستان سے بیدخل کر دے گا۔

اس شرح تبادلہ کی تبدیلی سے انگلستان کو جو فائدہ ہوگا اس کی ایک اور صریح دلیل ریوٹر کی اس خبر سے ملتی ہے جو اس نے ۲۴ راکتوبر کو پیرس سے دی تھی وہ لکھتا ہے کہ "پونڈ کی قیمت کے گرنے سے فرانس کے سوتی کارخانوں کو سخت نقصان پہونچا ہے کیونکہ اب انگریزی کارخانے فرانس کے کارخانوں کے مقابلہ میں ۲۰ سے ۵۰ فیصدی تک کم قیمت میں مال فروخت کرسکتے ہیں۔ توقع کی جاتی ہے کہ شہر للی میں عنقریب بہت سے بڑے کارخانے بند ہونے والے ہیں (ہندوستان ٹائمز ۲۶ راکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ)

پس اس کا مآل کار یہ ہے کہ روپیہ کی قیمت گرنے سے جو فائدہ مصنوعات کی ترقی کرنے کا ہندوستان کو ہوتا وہ اس سے محروم ہوگیا البتہ اتنا فرق ہوگیا کہ پہلے تو تمام ممالک کی مصنوعات ہندوستان میں آتی تھیں اب صرف انگلستان ہی کی آئیں گی یعنی ہندوستان کے بازار انگلستان کے کارخانہ داروں کے مونوپولی (Monopoly) ہوجائیں گے اور یہی اصلی سبب ہے جس کی وجہ سے ہندوستانی روپیہ کے اسٹرلنگ کے ساتھ مربوط کرنے کے خلاف سخت اعتراض اور احتجاج کر رہے ہیں۔

<u>اسٹرلنگ سے روپیہ کے ربط قایم رکھنے کے فوائد</u> | جو لوگ روپیہ کی شرح تبادلہ کے اسٹرلنگ سے مربوط رکھنے کے حق میں ہیں وہ کہتے ہیں کہ عرصہ سے ہندوستان کا مطالبہ تھا کہ روپیہ کی قیمت ۱۸ پنس (سونے) کی جو مقرر کی گئی ہے بہت زیادہ ہے اور اس سے ہندوستانی کاشتکاروں اور صناعوں کو نقصان ہے شرح تبادلہ کم ہونی چاہیئے اور ۱۶ پنس مقرر کی جانی چاہیئے پس اب کہ اسٹرلنگ کا ربط سونے سے باقی نہیں رہا تو اس کی قیمت باعتبار سونے کے بہت کم ہوگئی ہے چنانچہ ۱۴ ردسمبر ۱۹۳۱ء کو انگلستان میں سونے کی قیمت ۱۲۶ شلنگ کے قریب تھی جس کے معنے یہ ہوئے کہ اسٹرلنگ پر قریب ۲۳ فیصدی کے بٹہ تھا یعنی ۱۰۰ پونڈ کے نوٹ سے بازار میں ۷۷ پونڈ ساورن خریدے جاسکتے تھے اس حساب سے روپیہ کی قیمت ۱۸ پنس نوٹ یا ۱۲½ پنس (سونے) کی ہوگئی ہے اور ہندوستانیوں کو منہ مانگی مراد مل گئی ہے اب تو ان کا روپیہ بجائے ۱۶ پنس کے جس کی وہ تمنا کرتے تھے صرف ۱۲½ پنس کا ہی رہ گیا ہے اور ہندوستان کو اس میں بہت منافع ہے۔ جہاں تک اس استدلال کا تعلق ہے یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس میں کمی صرف اسی قدر ہے کہ اب شرح تبادلہ کے مربوط رکھنے کی وجہ سے روپیہ کی قیمت انگلستان کے سکہ کے مقابلہ میں کم نہیں ہوئی اور اگرچہ دیگر ممالک کا مال ہمارے ہاں مہنگا پڑنے کی وجہ سے ہماری مصنوعات کو امداد ملے لیکن یہ امداد انگلستان کے مال کے مقابلہ میں نہیں ملی۔ اس سے بمبئی کے کارخانوں کو جاپان اور امریکہ کے کارخانوں کے مقابلہ میں تو امداد ملی لیکن لنکاشائر کے کارخانوں کے مقابلہ میں اس کی حالت بدستور سابق ہی ہے اور باوجود روپیہ کی قیمت کم ہوجانے کے ہماری حالت جیوں کی تیوں ہی رہے گی۔

یہی کیفیت برآمد کے مال کی ہے کیونکہ ہمارے یہاں کے بیشتر غلہ اور اجناس کی اور دیگر مال کی منڈی انگلستان ہے اور وہاں کی قیمت کے اعتبار ہی سے ہم کو پرانی شرح تبادلہ کے مطابق قیمت ملے گی اور برآمد کے مال میں بھی ہم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ انگلستان والوں کو ہمارے یہاں کا مال بمقابلہ دیگر ممالک کے سستا پڑے گا۔ اس لئے ممکن ہے کہ ہمارے یہاں کے مال کو زیادہ مقدار میں منگانے لگیں پس اس میں شک نہیں کہ روپیہ کی قیمت گر گئی اور ہندوستانیوں کی پرانی مراد بر آئی لیکن جس غرض سے وہ مراد مانگتے تھے وہ غرض روپیہ کو پرانی شرح پر اسٹرلنگ سے مربوط رہنے کی وجہ سے پوری نہ ہوئی۔

البتہ گورنمنٹ کے نکتہ خیال سے ایک اعتراض اور بھی کیا جاتا ہے اور وہ وہی پرانا اعتراض ہے کہ اگر کوئی شرح تبادلہ قائم نہ کی جاتی تو اس حالت میں روپیہ کی قیمت اور زیادہ گھٹ جانے کا اندیشہ تھا جس کے بعد گورنمنٹ ہند کو انگلستان کے مطالبات کی ادائیگی کے لئے مزید ٹیکس لگانے پڑتے اور قیمتیں ہوتیں اس اعتراض کا جواب بھی پرانا ہی ہے کہ ایسی حالت میں آپ ٹیکس لیتے تو کھانے پینے لوگوں سے لیتے اور اب تو آپ اس ٹیکس کو غریب کاشتکاروں کی جیب سے خود بھی لے رہے ہیں اور دوسروں کو بھی دلوا رہے ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ رفتہ رفتہ جب انگلستان میں اسٹرلنگ کی گھٹی ہوئی قیمت کے اعتبار سے ایک مدت دراز کے بعد چیزوں کی قیمتیں اور مزدوریاں قائم ہو جائیں گی تو اس وقت ہندوستان کو بھی اپنے مال کے دام زیادہ ملنے لگیں گے لیکن جب تک ایسا نہیں ہوتا اس وقت تک اتنا فائدہ نہیں ہے جتنے کی توقع دلائی جاتی ہے۔

ہندوستان سے سونے کی روانگی | اسٹرلنگ کی قیمت گھٹنے کا ہندوستان پر ایک اور مضرت رساں اثر یہ ہو رہا ہے کہ ہندوستان سے سونا روز بروز باہر نکلا چلا جا رہا ہے۔ انگلستان میں نوٹ کے اعتبار سے سونے کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ جس زمانہ میں نوٹ کے دام پورے ملتے تھے اور بٹہ نہ لگتا تھا تو تخمیناً ۴ پونڈ کا ایک اونس سونا آتا تھا۔ لیکن جب سے نوٹ کے تبادلہ میں سونے کا سکہ گورنمنٹ نے دینا بند کر دیا ہے اور نوٹ پر بٹہ لگنے لگا ہے لندن میں سونے کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے چنانچہ ۲ دسمبر کو سونے کا نرخ لندن میں ۱۲۶ شلنگ فی اونس کے قریب تھا اور ۱۸ پنس کے روپے کے اعتبار سے ہندوستان میں بھی سونے کا نرخ لسبہ فی تولہ ہونا چاہیئے تھا مگر واقعی قیمت ہندوستان کے بازاروں میں ۲۹ کے قریب تھی لہذا اس بااثر انگلستان ... بیچنے میں ... فی تولہ کے قریب منافع ہے اس وجہ سے سونا بکثرت انگلستان جا رہا ہے چنانچہ

اخبار اسٹیٹسمین کا نامہ نگار مقیم لندن اپنی ۳۰ر نومبر کی رپورٹ مطبوعہ اخبار ۲۲ر دسمبر میں لکھتا ہے کہ "اسٹرلنگ کی قیمت گرجانے کی وجہ سے چونکہ سونا بھیجنے میں منافع ہے آج کل ہندوستان سے ۱۰ لاکھ پونڈ کا سونا ہفتہ وار جہاز کے ذریعہ انگلستان جا رہا ہے۔"

اخبار (لندن) ٹائمز کا نامہ نگار رقمطراز ہے کہ "گزشتہ ۳۰ سال کے عرصہ میں ۳۶ کروڑ ۵۰ لاکھ پونڈ کا سونا ہندوستان میں کھپ چکا ہے تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہندوستان سے جب اس قدر سونا دستیاب ہو سکتا ہے کہ سونے کی فروخت میں عنقریب کوئی کمی ہونے والی ہے۔ اس کا تو اثر یہ ہو رہا ہے کہ ہندوستان کے حق میں وزیر ہند کے پاس بہ کثرت رقوم جمع ہو رہی ہیں۔" تمام ہندوستانی سونا باہر جانے کے سخت مخالف ہیں اور گورنمنٹ ہند سے مطالبہ کر چکے ہیں کہ ہندوستان سے باہر سونا بھیجنے پر قیود لگا دی جائیں تاکہ ہندوستان میں کچھ سونا بچ جائے لیکن گورنمنٹ نے ایسی کچھ بھی قیود نہیں لگائیں کیونکہ ہندوستان سے سونے کے جانے پر قیود لگ جائیں تو انگلستان میں سونا ملنا مشکل ہو جاتا۔ اور دیگر ممالک سے انگلستان زیادہ سونا خریدتا تو اسٹرلنگ کی قیمت اور بھی گر جاتی لیکن جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے گورنمنٹ ہند ہندوستان میں ۱۸ پنس (نوٹ) کا ایک روپیہ دینے کی ذمہ دار ہے اور گورنمنٹ کو روپیہ دینے میں اس وجہ سے زیادہ دقت نہیں ہوتی کہ روپیہ تخمیناً نو آنے کی چاندی میں تیار ہوتا ہے لیکن دیگر ممالک سے لین دین کرنے میں گورنمنٹ انگلستان کو سونے کے بدلے سونا یا اتنی قیمت کا دوسرا مال دینا پڑتا ہے جس میں انگلستان کو نقصان ہی نقصان ہے غرضکہ اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان سے سونا جاتے رہنے سے شاید انگلستان کی مالی حالت سنبھل جائے کاش انگلستان ہندوستان میں سونے کی درآمد روکتا نہ رہتا اور یہاں کی میزان تجارت کے بھگتان میں معمولاً سونا آتا رہتا اور سونے کا سکہ چلتا رہتا تو آج انگلستان کو یہ مصیبت کے دن دیکھنے نہ پڑتے اور ہندوستان ہر طرح کی امداد کر سکتا۔ لیکن آج تو خود ہندوستان مفلس ہے۔ دوسروں کا دست نگر ہے۔ غریبی مفلسی اور فاقہ کشی کی بدولت انتہا درجہ کی بے چینی پھیلی ہوئی ہے آہ کہ اس حال میں بھی انگلستان کے معاملات کی عقدہ کشائی کی کوئی صورت ہے تو اس ننگے اور بھوکے ملک کے سونا پہونچ جانے پر ہے۔

المختصر اگرچہ روپیہ کی شرح تبادلہ ۱۸ پنس نوٹ کی قائم ہو جانے سے بمقابلہ سونے کے فائدہ مند ہے لیکن اس کے چڑھاؤ اور اُتار دونوں ہی میں خطرہ ہے اگر نوٹ کی قیمت بہت زیادہ گر جاتی ہے تب بھی نقصان ہے اور اگر نوٹ کی قیمت بڑھ جاتی ہے تو پھر وہی پرانی بلا سر پڑے گی۔ اور یہی وجہ ہے کہ عام طور پر ماہرین سیاست اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔

ہندوستان کے مالیات اور خزانہ پر اثر جہاں تک ہندوستان کے سونے کا تعلق ہے یہ واضح ہو کہ جب تک گورنمنٹ ہی اس کی برآمد پر قیود عائد نہ کرے گی برابر ہندوستان سے باہر جاتا رہے گا باقی ہندوستان کے معیار طلا اور نوٹ کے خزانوں کا روپیہ پہلے ہی سے انگلستان میں قرضوں پر لگا ہوا ہے جس کی مالیت اسٹرلنگ کی قیمت کے ساتھ ساتھ اوسی نسبت سے گھٹ چکی اور گھٹتی جا رہی ہے اور یہ بھی اُسی حالت میں ہے کہ جب وہ لوگ جن کو یہ قرضے دیئے گئے ہیں اس قابل رہیں کہ ان قرضوں کو ادا کرسکیں ورنہ یہ ۳۰ فی صدی بھی بٹہ کھانہ گیۓ۔

رہا گورنمنٹ کا مطالبات انگلستان کی ادائیگی کا مسئلہ سو گورنمنٹ کو اختیار ہے کہ وہ یہ ادائیگی بذریعہ مال کی ہنڈی کے کرے خواہ بذریعہ سونے کے کرے۔ وہاں گورنمنٹ نے ان مطالبات کو اگر سونے میں ادا کیا تو ہندوستان کو مزید نقصان ہوگا۔

خلاصہ (۱) حاصل کلام یہ ہے کہ روپیہ کو اسٹرلنگ کے ساتھ مربوط کرنے سے انگلستان کو اپنے دوسرے حریفوں کے مقابلہ میں ہندوستان کی تجارت میں سہولت ہوگئی ہے۔

(۲) مصنوعات ہند کی برطانوی مصنوعات کے مقابلہ میں وہی حالت رہے گی جو پہلے تھی البتہ اُن مصنوعات میں ہندوستان ترقی کرسکے گا جو انگلستان میں نہیں بنتیں۔

(۳) اگر گورنمنٹ نے توجہ نہ کی اور سونے کی برآمد پر قیود نہ لگائیں تو ہندوستان سونے سے خالی ہو جائے گا۔

(۴) ممکن ہے کہ برآمد کے مال میں کچھ اضافہ ہو اور قیمت بھی کچھ بڑھ جائے۔

(۵) ہندوستان کے خزانوں کا جو روپیہ انگلستان میں قرضوں پر لگا ہوا ہے اُس کی مالیت ۳۲ فیصدی تو اب گھٹ چکی ہے اور آئندہ کا کچھ علم نہیں۔

بحالات موجودہ ہندوستان کے لئے کونسا طریقہ کار مفید ہے؟

انگلستان میں معیار طلا منسوخ ہونے اور اسٹرلنگ اور ساورن کی قیمت میں فرق پڑ جانے نیز ہندوستان کے روپیہ کی شرح تبادلہ کو اسٹرلنگ سے مربوط کر دینے کے بعد سے ہندوستان میں عام طور پر یہ سوال پیش ہے کہ روپیہ کی شرح تبادلہ کس طریقہ پر مقرر کرنی مفید ہوگی۔

بحالت موجودہ اس کے صرف تین طریقے ہوسکتے ہیں۔

(۱) یہ کہ روپیہ کی شرح بہ اعتبار سونے کے مقرر کی جائے جیسی کہ اب تک رہی تھی۔
(۲) یہ کہ روپیہ کی شرح باعتبار اسٹرلنگ مقرر کی جائے جیسی کہ اب وزیر ہند نے کر دی ہو۔
(۳) یہ کہ روپیہ اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے نہ سونے سے مربوط ہو نہ اسٹرلنگ سے۔

ان تینوں حالتوں کی نظیریں پچھلی تاریخ میں ملتی ہیں اس لیئے ان پر علیحدہ علیحدہ بحث کرنے کی ضرورت ہو نیز اس پر غور کرنے کے لئے تین اصول پیش نظر رکھنے چاہیئں۔

اوّلاً یہ کہ ہر ملک کے لئے ایک مستقل معیار قیمت یعنی کم از کم پوری قیمت کا ایک سکہ ہونا چاہیئے۔

دوم یہ کہ بڑھی ہوئی شرح تبادلہ ملک کے کاشتکاروں صناع کاریگروں اور مقروضوں کیلیئے تباہ کن ہو۔ اور اس سے فائدہ صرف بیرونی ممالک کے تاجروں اور بیرونی ممالک میں روپیہ بھیجنے والوں کو ہی ہو سکتا ہو۔

سوم یہ گرتی ہوئی شرح تبادلہ ملک کے کاشتکاروں۔ صناعوں اور مقروضوں کو مفید ہو اور بیرونی ممالک کے تاجروں اور بیرونی ممالک میں روپیہ بھیجنے والوں کے لیئے نقصان کا باعث ہوتی ہو۔

پوری قیمت کا سکہ چلانے کا امکان یہ ثابت ہو چکا ہو کہ موجودہ نظام حکومت میں اس کی کوئی توقع نہیں ہو کہ ہندوستان میں کسی مستقل قیمت کا سکہ چلے مستقل قیمت کا چاندی کا سکہ تو اس وجہ سے نہیں چلایا جاتا کہ چاندی کی قیمت کم ہو اور اس لیئے سکہ کی قیمت کم ہو گی اور چونکہ گورنمنٹ ہند تو اپنے ٹیکس مالگذاری وغیرہ آمدنی کی مدات روپیہ میں مقرر اور وصول کرتی ہو اور انگلستان کے مطالبات سونے میں ادا کرتی ہو اور اس وجہ سے چاندی کی قیمت کم ہونے کی وجہ سے روپیہ کی قیمت کم ہو گی اور گورنمنٹ کی آمدنی کم ہو جائے گی اور ادائیگی بدستور رہے گی انگلستان کو زیادہ رقم دینی پڑے گی جس کی وجہ سے اُس کو دقت کا سامنا ہوگا اور سونے کا سکہ اس وجہ سے نہیں چلایا جاتا کہ اس کی وجہ سے ہندوستان میں سونا بہت کھپنے لگے گا۔ یہی نہیں بلکہ سونے کے سکہ کے خلاف حسب موقعہ مختلف دلائل پیش کی جاتی ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۹ء میں جب سونے کے سکہ کو چلانے کا تجربہ کیا گیا تو قحط سالی کی وجہ سے سونے کے سکہ کی کھپت نہ ہونے سے نتیجہ یہ نکالا گیا تھا کہ ہندوستان میں سونے کے سکہ کی کھپت نہیں ہو۔ اور اس وجہ سے اس کا رائج کرنا بیکار رہا لیکن سنہ ۱۹۱۲ء میں سونے کی ٹکسال کھولنے سے اس وجہ سے انکار کر دیا گیا کہ سونے کا سکہ تو پہلے ہی سے ہندوستان میں چلتا ہو اور حسب ضرورت انگلستان سے ساورن آ جاتے ہیں پس محض سونے کا سکہ ضرب کرنے کی مشین لگا دینے سے کچھ فرق نہ پڑے گا اور سنہ ۱۹۲۶ء میں جب کمیشن کے سامنے پھر یہ سوال پیش ہوا تو اس بنا پر تردید کی گئی کہ سونے کا سکہ چلانے میں

سونے کی بہت ضرورت ہوگی جو بقدر ایک کروڑ پونڈ کے ہوگا جس کی وجہ سے سونا مہنگا ہو جائیگا اور
بڑی دقتوں کا سامنا ہوگا۔ غرضکہ جو وجوہات سنہ ۱۹۱۳ء میں سونے کا سکہ نہ چلانے کی دی گئی تھیں ٹھیک
بالکل برعکس وجوہ سنہ ۱۹۲۶ء میں دی گئیں ان دلائل ومقاصد کے پیش نظر یہ توقع کہ عنقریب سونے کا
سکہ چل سکے گا بہت مشکل ہے آج کل تو خود انگلستان میں سونے کی اس قدر کمی ہے کہ برطانوی گورنمنٹ بھی
سونا دینے سے انکار کرنے پر مجبور ہو گئی ہے اس لیئے جو کچھ غور کرنا ہوگا وہ اسی بنا پر ہوگا کہ فی الحال ہندوستان
میں سونے کے پوری قیمت کے کسی سکہ کے چلن کی توقع نہیں ہے۔

روپیہ کی قیمت سونے کے اعتبار سے روپیہ کی قیمت سنہ ۱۸۹۳ء میں بقدر ۴ رتی سونے کے اعتبار
سے قرار دی گئی تھی جو کم وبیش سنہ ۱۹۱۷ء تک قایم رہی لیکن زمانہ جنگ میں بالخصوص چاندی مہنگی ہو جانے
کی وجہ سے یہ قیمت قایم نہ رہ سکی اس کے بعد سنہ ۱۹۲۰ء میں بقدر ۸ رتی سونے کے قیمت مقرر کی گئی جو
بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے باوجود گورنمنٹ کی ہر قسم کی کوششوں اور نقصان برداشت کرنے کے
قایم نہ رہ سکی تو پھر سنہ ۱۹۲۷ء میں بقدر ۴ ½ رتی سونے کے مقرر کی گئی جس کا ہندوستان کو کافی تجربہ ہو چکا ہے
اگرچہ اصلی خواہش ہندوستانیوں کی تو یہ ہے کہ روپیہ کی قیمت بقدر ۴ رتی سونے کے جو ۱۶ پنس سونے کی برابر
ہو مقرر کی جائے اس لیئے کہ یہ شرح عرصہ تک ہندوستان میں قایم رہ چکی ہے تو خواہ اس میں اُن کا نقصان ہی
کیوں نہ ہو لیکن اگر یہ شرح بھی مستقل کر دی جاتی تو غالباً ہندوستانی مطمئن ہو جاتے لیکن وہ بھی ناممکن ہے کیونکہ انگلستان
میں سونے کے سکہ کا چلن نہیں رہا محض نوٹ کا ہے جس پر روز بروز بٹہ زیادہ لگتا جاتا ہے چنانچہ اس وقت ۱۸ پنس
نوٹ پر بقدر ۵ ½ پنس کے بٹہ ہے تو روپیہ کی قیمت باعتبار سونے کے خواہ کچھ ہی مقرر کر دی جائے مگر اندیشہ ہے
کہ اسٹرلنگ کی قیمت گرنے کی وجہ سے روپیہ کی قیمت باعتبار اسٹرلنگ کے بڑھے گی اور انگلستان چونکہ
مال کی منڈی ہے ہندوستان کے کاشتکاروں کاریگروں اور مزدوروں کو نقصان ہونے لگے گا۔ اگر روپیہ
۴ رتی یعنی ۱۶ پنس (سونے) کا ہو تو آج کل روپیہ کی قیمت ۲۲ پنس (نوٹ) کی ہوگی جو ہندوستان کے لیئے
بہت مضر ہے۔ اس لیئے جب تک انگلستان میں اسٹرلنگ کے عوض میں سکہ نہیں ملنے لگتا اُس وقت تک
روپیہ کی شرح تبادلہ سونے کے اعتبار سے قایم کرنے میں نقصان ہی نقصان ہے۔

روپیہ کی قیمت اسٹرلنگ کے اعتبار سے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اگرچہ آج کل روپیہ کا
اسٹرلنگ سے ربط بمقابلہ سونے سے ربط کے بہتر ہے لیکن اس کے غیر یقینی ہونے کی وجہ سے سکہ کے اصل اصول
یعنی مقررہ نسبت کے سکہ ہونے کے اصول سے یہ چیز ادنیٰ درجہ کی ہے آج کم ہے تو کل زیادہ۔ ایسی مذبذب
کی حالت میں سوائے انگلستان کے دوسرے ممالک سے معاملے کرنے مال بھیجنے اور مال منگانے میں اتنی

دقتیں پیش آئیں گی کہ عملاً یہ کاروبار ہی بند ہو جائے گا البتہ انگلستان سے تعلقات تجارت جاری رکھ سکینگے اور ہندوستان کے بازاروں میں انگلستان کے تاجروں کو دوسرے ممالک کے تاجروں سے مقابلہ کرنے میں آسانی رہے گی۔

روپیہ کا اسٹرلنگ سے ربط نہ کوئی مستقل چیز ہے نہ قابل توجہ۔ ہندوستان میں جتنی سکہ کی کمیٹیاں مقرر ہوئیں اُن میں سے کسی ایک نے بھی اس ربط کی سفارش نہیں کی۔ بلکہ بیبنگٹن کمیٹی اور ہلٹن کمیٹی دونوں نے روپیہ کی قیمت باعتبار اسٹرلنگ مقرر کیئے جانے کی مخالفت کی تھی۔

روپیہ بلا تعین شرح تبادلہ تیسری صورت یہ باقی رہتی ہے کہ روپیہ کو بلا تعین شرح تبادلہ آزاد چھوڑ دیا جائے ہندوستان کی تاریخ سکہ میں سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد کے زمانہ میں ہمیں اس کی مثال ملتی ہے یعنی جب گورنمنٹ نے ۲۴ پنس شرح قائم کرنے کی انتہائی جد و جہد کے باوجود ناکام ہونے کے بعد روپیہ کو اُس کی حالت پر چھوڑ دیا تھا ایسی حالت میں سوال یہ ہوتا ہے کہ روپیہ کی شرح تبادلہ بالآخر مستقل کس قدر قائم ہو جائے گی جس کی بابت مختلف لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ۱۶ پنس سونے پر قائم ہو جائے گی اور بعض کا خیال ہے کہ کبھی قائم ہی نہ ہوگی بلکہ بہت زیادہ گر جائے گی۔

سنہ ۱۹۲۱ء کے بعد کا ہمارا تجربہ یہ ہے کہ شرح تبادلہ قائم رکھنے سے گورنمنٹ کی دست کشی کے بعد تو فوری طور پر شرح تبادلہ اتنی گر گئی تھی کہ ایک وقت میں بارہ اور ۱۳ پنس سونے تک پہونچ گئی تھی لیکن اس کے نیچے نہیں گری اور پھر بڑھنی شروع ہوئی تو بڑھتے بڑھتے ستمبر سنہ ۱۹۲۴ء میں ۱۶ پنس اور سنہ ۱۹۲۵ء میں ۱۸ پنس ہو گئی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس دوران میں گورنمنٹ نے کلیتاً شرح تبادلہ کو اس کی اپنی حالت پر چھوڑے نہیں رکھا بلکہ ہندوستان میں سکہ کی کمی کرنے کے ذریعہ سے مداخلت کر کے شرح تبادلہ کے بڑھانے میں مدد دیتی رہی چاندی کی ٹکسال بند ہو جانے کی وجہ سے روپیہ ایک مستقل جنس ہو گئی ہے جو گورنمنٹ کی مداخلت کی ہر وقت محتاج رہتی ہے گورنمنٹ اگر بازار کی ضروریات کے مطابق روپیہ دیتی رہے تب تو بازار میں اُس کی شرح یکساں قائم رہتی ہے لیکن اُس کی فراہمی میں کمی بیشی کی جائے گی تو قیمت پر فوراً اثر پڑے گا۔

دوسری چیز جس کا اثر فطری طور پر شرح تبادلہ پر پڑتا ہے وہ بیرونی تجارت ہے جب تک میزان تجارت ہندوستان کے حق میں رہتی ہے شرح تبادلہ جو بھی رکھی جائے کم و بیش نباہی جا سکتی ہے کیونکہ اس صورت میں ہندوستان سے کوئی رقم باہر نہ جائے گی بلکہ میزان تجارت کے بھگتان میں کچھ نہ کچھ رقم ہندوستان میں آئے گی لیکن میزان تجارت ہندوستان کے خلاف ہو تو اُس کے بھگتان کے لیئے سونا باہر بھیجنا پڑے گا اور اُس وقت یہ سوال پیدا ہوگا کہ روپیہ کا کس قدر سونا خرید کیا جا سکتا ہے اور اُس وقت سکہ کی بڑھی ہوئی فرضی قیمت کے قایم

رکھنے میں دقت پیش آئے گی۔

چنانچہ ۱۸۹۳ء میں جب پہلی مرتبہ روپیہ کی قیمت ۱۶ پنس مقرر کی گئی تھی تو روپیہ کے ہموزن چاندی کی قیمت ۱۴ پنس کے قریب تھی۔ اس زمانہ میں شروع شروع میں تو گورنمنٹ کے اعلان کی وجہ سے قیمت ۱۶ پنس ہو گئی تھی لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد شرح تبادلہ ۱۴ ۔ اور ۱۲ پنس پر اتر آئی تھی۔ اور مسلسل چھ سال تک جب گورنمنٹ نے ٹکسال بند رکھی اور وزیری ہنڈیاں کم فروخت کیں تب ۱۶ پنس کی قیمت قایم ہوئی تھی۔

پس جب بھی روپیہ کو آزاد چھوڑا جائے گا اور گورنمنٹ برابر پبلک کو حسب ضرورت روپیہ دیتی رہے گی اور میزان تجارت اگر ہندوستان کے حق میں ہے تو روپیہ کی شرح تبادلہ اس کے ہموزن چاندی کی قیمت سے زیادہ ہو اور اگر میزان تجارت ہندوستان کے خلاف ہے تو روپیہ کی ہموزن چاندی کی قیمت پر ہی قایم ہو جائے گی۔

روپیہ کی چاندی کی اصلی قیمت اب دیکھنا یہ ہے کہ روپے کے ہموزن چاندی کی اصلی قیمت کیا ہے بمبئی میں ۳ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو چاندی کا نرخ ۴۲ روپے فی سو تولہ تھا جس کے اعتبار سے روپیہ کے ہموزن چاندی کی قیمت نو آنے اور موجودہ شرح تبادلہ کے اعتبار سے ۱۰ پنس کی ہوتی ہے اور اتنی قیمت بھی اس وجہ سے ہے کہ حال ہی میں چاندی کی درآمد پر محصول بڑھا دیا گیا ہے ورنہ لندن میں ۲ر دسمبر کو چاندی کا نرخ ۱۹ ½ پنس فی اونس تھا جس کی رو سے روپیہ کی واقعی قیمت تقریباً ۷½ پنس اور موجودہ شرح تبادلہ کی رو سے ۶ر ۸ کے قریب بیٹھتی ہے غرضکہ اس وقت چاندی کی قیمت کے اعتبار سے روپیہ ۸ پنس (نوٹ) یا قریب ۵ پنس (سونا) کی برابر ہے یعنی اگر روپیہ کو اس کی اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور گورنمنٹ کسی قسم کی مداخلت بھی نہ کرے اور میزان تجارت بھی ہندوستان کے خلاف ہو جائے تو بھی شرح تبادلہ اس سے نیچے نہ گرے گی۔ مگر گورنمنٹ نے روپیہ کو اسٹرلنگ کے ساتھ مربوط ہی اس خیال سے کیا ہے کہ اس ربط کو اگر قایم نہ کیا جائے گا تو اندیشہ ہے کہ روپے کی شرح تبادلہ اس کے ہموزن چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے گی۔

چنانچہ گورنمنٹ نے اپنا نقطۂ نظر سمجھانے کے لیے لندن میں گول میز کانفرنس کے بعض ڈیلیگیٹوں کو جمع کیا تھا اور دوران مباحثہ میں مسٹر اسٹرے کوش (Mr. Strakosh) نے کہا تھا کہ "اصل وجہ روپیہ کو اسٹرلنگ سے مربوط کرنے کی یہ ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو روپیہ کی قیمت اتنی گر جاتی کہ ۸ پنس رہ جاتی" جس کے جواب میں مسٹر برلا نے کہا تھا کہ "سکہ کے خزانوں میں جو رقم جمع ہے اس کے اعتبار سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ روپے کی قیمت ایک شلنگ سے نیچے نہیں گر سکتی اور یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ روپے کی قیمت اور گر جائے گی تو یہ تو اور بھی بڑی وجہ ہے کہ روپیہ کو اسٹرلنگ سے مربوط نہ کیا جائے" کیونکہ روپیہ کی قیمت کا

اسٹرلنگ کے اعتبار سے گرنے میں ہندوستان کا کچھ بھی نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہے کیونکہ قیمت گرنے کے بعد ہندوستان سے جو مال انگلستان جائے گا اُس کی قیمت ہندوستان کے کاشتکاروں کو زیادہ روپیہ میں ملے گی جس میں کاشتکاروں کا بھلا ہوگا اور انگلستان کی مصنوعات چونکہ زمانہ موجودہ کے مقابلہ میں مہنگی پڑنے لگیں گی ہندوستانی مصنوعات کی بھی ترقی ہوسکے گی۔

البتہ اتنا اندیشہ ضرور ہے کہ شروع شروع میں فوراً ہی روپیہ کی قیمت مستقل طور پر کچھ قایم نہ ہوسکے گی اور بیرونی ممالک سے تجارتی تعلقات قایم رکھنے دشوار ہوں گے لیکن یہ دشواری تو جب تک روپیہ اسٹرلنگ سے مربوط ہے اور اسٹرلنگ روزمرہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے ویسی ہی اور اتنی ہی ہے جتنی کہ نہ مربوط ہونے کی حالت میں کیونکہ اسٹرلنگ کے ساتھ ساتھ ہی روپیہ کی قیمت میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے پس بحالت موجودہ روپیہ کو بلا ربط کے چھوڑ دینے میں فائدہ ہی فائدہ ہے نقصان کچھ بھی نہیں۔

ہاں روپیہ کے آزاد چھوڑ دینے سے سب سے زیادہ نقصان یہ ہوسکتا ہے کہ روپیہ کی قیمت ہموزن چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے گی جیسا کہ مسٹر اسٹرے کوش نے بیان کیا ہے لیکن اگر ایسا ہو جاتا ہے تب بھی مستقلاً ہندوستان کا کچھ نقصان نہیں ہے۔ بلکہ جب تک روپیہ کی قیمت ۸ انس سے دھیرے دھیرے گرتی رہے گی ہندوستان کو روز بروز برابر فائدہ ہوتا رہے گا۔ اور بالآخر جب روپے کی قیمت اُس کی ہموزن چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے گی تو مزید فائدہ یہ ہوگا کہ سکہ کی ہمیشہ کی جھلپش سے ہندوستان بچ جائے گا۔ کیونکہ قرائن ہمیں بتا چکے ہیں کہ ہندوستان میں سونے کا سکہ چلنے کی کوئی توقع نہیں اور سوا روپیہ کے پوری قیمت کے کسی اور سکہ کے چلنے کا امکان نہیں ہے پس اب ضرورت ہے کہ معیار طلا کے خواب کو بلا تعبیر چھوڑ کر معیار چاندی کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

گورنمنٹ روپیہ کی قیمت بڑھانے کا خیال چھوڑ کر قیمت گھٹانے کا انتظام کرے اور اگر اس کا انتظام نہ کرے تو اُس کو آزاد ہی چھوڑ دے اور جب روپیہ کی قیمت رفتہ رفتہ گھٹ کر اُس کی ہموزن چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے اُس وقت چاندی کی ٹکسال پبلک کے لیے کھول دے۔ بیشک روپے کی قیمت گھٹ جانے سے انگلستان کے مطالبات کی ادائگی کے لیے گورنمنٹ کو زیادہ رقم کی ضرورت ہوگی لیکن اگر ہندوستان خوشحال ہو جاتا ہے تو مزید رقم کے حاصل کرنے میں دقت نہ ہوگی۔ البتہ فرق صرف اتنا ہوگا کہ اب یہ رقوم عام طور پر غریب کاشتکار کی جیب سے جاتی ہیں اور پھر دولتمندوں پر ٹیکس لگا کر وصول کی جایا کریں گی۔

<u>روپیہ کو بلا تعین شرح تبادلہ چھوڑنے کے فوائد کا خلاصہ</u>۔ روپیہ کو آزاد چھوڑ دینے میں حسب ذیل فوائد ہوں گے:۔

(۱) اس وقت روپیہ کی قیمت اسٹرلنگ کے مقابلہ میں قدرتی طور پر کم ہو جائے گی اور ممکن ہو کہ اس کے بعد اور بھی گھٹتی رہے لیکن جب تک روپیہ کی قیمت گھٹتی رہے گی کاشتکاروں۔ کاریگروں کو فائدہ ہوتا رہیگا۔

(۲) روپیہ کی فرضی قیمت ہونے کی وجہ سے ہندوستان کو جو نقصانات غیر محسوس طریقہ سے پہونچتے رہتے ہیں اُن سے محفوظ ہو جائے گا۔

(۳) امکان تو یہی ہو کہ روپیہ کی قیمت ۱۶ پنس یا ۱۲ پنس پر قایم ہو جائے گی لیکن بفرض محال ایسا نہ بھی ہوا تو بالآخر روپیہ کی وہ ہی قیمت ہو جائے گی جو اُس کی چاندی کی قیمت ہو اور پھر وہ ہی اصلی معنی میں معیار قیمت و دولت ہو جائے گی۔

(۴) اسٹرلنگ کی قیمت خواہ کتنی ہی گر جائے لیکن روپیہ کی قیمت اُس کی چاندی کی قیمت سے نہ گرے گی اور انگلستان کے سکہ جیسا ہندوستان کے سکہ کا حشر نہ ہوگا۔

(۵) اگر اسٹرلنگ کی حالت پھر درست ہو گئی اور سونے میں تبدیل ہونے لگا تو روپیہ کی جو قیمت اُس وقت مقرر کی جائے گی وہ قریب قریب روپیہ کی مالیت کے برابر ہو گی یا ہندوستان میں بھی سونے کا سکہ جاری کرنا ہوگا اور ہندوستان روزمرہ کے شرح تبادلہ کے نقصانات سے بچ جائے گا۔

لہذا آخرالذکر طریقہ ہی ہندوستان کے مفاد کے لحاظ سے بہترین طریقہ ہو اور ہندوستانیوں کا یہی مطالبہ ہو

موجودہ مصیبت کا علاج اور معیار طلا یا معیار چاندی یا تبادلہ اجناس

پچھلے باب میں روپیہ کو آزاد بلاتعین شرح تبادلہ چھوڑ دینے کی تائید کی گئی ہو جس کا انجام یہ ہو سکتا ہو کہ روپیہ اُس کے ہم وزن چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے نیز ہندوستان میں بجائے معیار طلا کے معیار چاندی قایم ہو جائے۔

ممکن ہو کہ بعض اشخاص یہ خیال کریں کہ جس معیار کو برسوں کے بحث مباحثہ کے بعد ۱۸۹۳ء میں چھوڑ دیا گیا تھا اُس کی طرف اب پھر رجوع کرنے سے ہندوستان ہمیشہ کے لئے معیار طلا سے محروم ہو جائے گا اور معیار طلا رکھنے والے ممالک سے تجارتی تعلقات قایم رکھنے میں نیز گورنمنٹ کو بجٹ بنانے اور انگلستان کے مطالبات کی ادائگی میں دقتوں کا سامنا رہا کرے گا۔ ان حضرات کے رفع شک کے لئے ہم کہتے ہیں کہ اب حالات بالکل بدل چکے ہیں۔

۱۹۰۳ء اور موجودہ زمانہ کا فرق | ۱۹۰۳ء کا زمانہ تو مشینوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ ممالک میں تقسیم کا
بھی ابھی بھی کوئی صنعتی ملک تھا تو کوئی زرعی۔ یورپین ممالک کو معیار طلا قرار دیئے ۲۰-۲۵ سال ہی ہوئے تھے اور
امریکہ نے تو اس کے بھی پانچ سال بعد معیار طلا رائج کیا تھا۔ لیکن اس چالیس سالہ تجربہ نے معیار طلا کی خامیوں
کو پورے طور پر ظاہر کر دیا ہے اور جنگ عظیم نے تو مشکلات میں اور بھی اضافہ کر دیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
شاید اب تو بہت سے مغربی ممالک کو معیار طلا کے مستقلاً خیرباد کہہ دینے کی ضرورت ہو گی۔ اور کوئی بین الاقوامی
معاہدہ قرار پا جائے جس کی رو سے چاندی اور سونے کی نسبتی قیمت قایم کر دی جائے اور ہر ایک ملک کو دوسرے
ملک کے مال بھگتان کرنے میں اختیار ہو کہ خواہ سونے میں ادائیگی کرے خواہ چاندی میں۔ کیونکہ ایسا نہ کیا گیا
تو مغربی ممالک کا موجودہ اقتصادیات کی پیچیدگیوں سے نکلنا محال ہو گا۔

معیار طلا کی ناکامی | یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مختلف یورپی اقوام کا اقتصادی توازن جنگ عظیم کی بدولت
بگڑ چکا ہے دولت کا توازن مفقود اور سونے کی تقسیم ناموزوں طریقہ سے ہو گئی ہے فرانس کے سرکاری خزانہ میں ۵۰
کروڑ پونڈ کے قریب اور امریکہ کے خزانہ ۱۰۰ کروڑ پونڈ کے قریب سونا جمع ہو گیا جو تمام دنیا کے سونے کے مقابلہ میں
تین چوتھائی کے قریب ہے اور باقیماندہ ممالک کے پاس اتنا بھی سونا نہیں بچا کہ وہ اپنا کاروبار بھی چلا سکیں اس
طرح کہ یہ سب ممالک امریکہ اور فرانس کے مقروض ہیں کسی کو قرضہ جنگ دینا ہے تو کسی کو تاوان جنگ جن کی
ادائیگی حسب معاہدات سونے ہی میں کی جا سکتی ہے جو فرانس اور امریکہ ہی میں مقفل ہے ان قرضوں کی ادائیگی کی
صورت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مقروض ممالک کثرت سے مال تیار کر کے فرانس اور امریکہ کے بازاروں میں
فروخت کرے اور وہاں کے لوگوں سے اس طرح سونا لیکر اپنے قرضخواہوں کا بھگتان کریں لیکن اس میں یہ
دقت پیش آ گئی ہے کہ ان ممالک نے بیرونی ممالک کے مال پر محصولات کثرت سے لگا دیئے ہیں اور اس وجہ
سے ان ممالک کا مال بھی وہاں پر نہیں بک سکتا۔ تو پھر ادائیگی قرضہ کی صورت کیوں کر ہو۔ کوئی کہتا ہے کہ
قرضہ جات کی ادائیگی کی مدت بڑھا دو چنانچہ اس سال امریکہ کے پریسیڈنٹ مسٹر ہوور کی تحریک پر اس قسم کے
قرضہ جات کی ادائیگی ملتوی کر دی گئی ہے لیکن میعاد ختم ہو جانے کے بعد پھر بھی تو ادائیگی کرنی ہی ہے۔ سال دو سال
اگر اس طرح گزر بھی گئے تو پھر کیا جب تک موجودہ حالات قایم ہیں تب تک ادائیگی کی کوئی صورت معلوم نہیں
ہوتی اس سے پریشان ہو کر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرضہ جات کو منسوخ کر دو جس کے لئے مقروض ممالک
تو رضامند ہیں لیکن قرضخواہ ممالک رضامند نہیں ہوتے اگر امریکہ کچھ [illegible] بھی ہو جائے لیکن فرانس تو مان ہی نہیں سکتا
اس وقت ان معاہدات کے متعلق گفت و شنید ہو رہی ہے [illegible] کی وجہ کثرت سے جرمنی میں لگا ہوا ہے
[illegible] فرانس کو جرمنی اور انگلستان دونوں سے [illegible]

مل جائے تو فرانس کی جزوی ادائیگی کر دے اور فرانس یہ چاہتا ہے کہ جرمنی جو کچھ بھی روپیہ ادا کر سکتا ہے اُس کو اپنے قرضے میں لے لے اور انگلستان کو کچھ وصول نہ ہونے دے جیسا کہ اخبار "روٹی اور مالیات" کے لندن نامہ نگار کے مضمون کے حسب ذیل اقتباس سے معلوم ہوتا ہے وہ لکھتا ہے کہ آئندہ تین ماہ میں برطانیہ کو بہت نازک حالات کا مقابلہ کرنا ہے کیونکہ اس مدت میں فرانس کے بہت سے قرضے واجب الادا ہو جائیں گے اور جرمنی سے قریب قریب کچھ بھی وصول ہونے کی اُمید نہیں ہے اور اس میں بھی کچھ شک نہیں ہے کہ فرانس اپنی مرضی پر ہی چلے گا اور جرمنی کو بمقابلہ اپنی تاوان جنگ کی رقم کے (دوسرے ممالک مثلاً انگلستان کے) نجی قرضوں کو ادا نہ کرنے دے گا۔ اس لیے اگر کچھ غیر معمولی حالات ہی پیدا نہ ہو جائیں تو یہ اُمید نہیں کی جا سکتی کہ اسٹرلنگ کی قیمت بڑھے گی۔ دراں حالیکہ جرمنی قرضوں کی ادائیگی کا کچھ انتظام بھی نہیں کر رہا ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اُس نے طے کر لیا ہے کہ ادائیگی ہی بند کر دے۔ اگر ایسا ہوا تو فرانس تو علاقہ رائن پر قبضہ کر لے گا اور برطانیہ کو کم از کم فروری کے آخر تک سخت مصیبتوں کا سامنا ہوگا (لیڈر ۱۰ دسمبر ۳۱ء)

اس کے بعد جو خبریں ملی ہیں وہ بھی قابل توجہ ہیں۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۳۱ء میں بین الاقوامی معاملات کے طے کرنے والے بنک کا ایک خاص کمیشن بیٹھا جس کے سامنے انگلستان اور فرانس دونوں نے اپنے دعاوی اور مطالبات پیش کیے۔ اس کمیشن کی کارروائی کے متعلق ۲۲ دسمبر کا اخبار "اسٹیٹسمین" کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ "برطانیہ تیار تھی کہ جرمنی کو ۴ سال کی مہلت دے دے مگر فرانس کو اپنے حصہ تاوان جنگ کے وصول کرنے پر اصرار تھا اس تصفیہ کی وجہ سے یہ طے کرنے کے لیے کہ جرمنی کے واجب شدہ اور غیر واجب شدہ قرضوں میں سے کن کو ترجیح دینی چاہیے ساہوکاروں کی کمیٹی رات بھر بیٹھی رہی" لیکن ۲۴ تاریخ کی خبر سے تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا جو یہ تھی کہ بین الاقوامی معاملات کے طے کرنے والے بنک کی خاص تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ یہ ہے کہ دنیا بھر کی کساد بازاری کی وجہ سے جرمنی کا بوجھ زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اس معاملہ میں تمام حکومتوں کو یکجائی کارروائی کرنی چاہیے۔ ورنہ ایک دوسری مصیبت کا سامنا ہوگا۔ اندیشہ یہ ہے کہ "ینگ پلین Young plan کے مطابق جرمنی کے ذمہ جو اقساط واجب الادا ہوتی ہیں (ریپیریشنٹ ہو ورکے عارضی التوا اقساط قرضہ کی میعاد ختم ہونے کے بعد) جرمنی وہ بھی ادا نہ کر سکے گا" غرضکہ جرمنی سے کسی کو بھی کچھ وصول ہونے کی اُمید باقی نہیں رہی ہے البتہ جنوری ۱۹۳۲ء میں ایک بین الاقوامی مالیاتی کانفرنس ہونے والی ہے دیکھیے اس معاملہ میں وہ کیا کرتی ہے۔

اگر انگلستان کو کچھ روپیہ وصول نہیں ہوگا تو فرانس کا قرضہ وہ کیسے ادا کرے گا۔ اب تو مقروض غریب ممالک کی یہ گت ہے کہ اگر اپنی جمع جتھا میں سے کچھ قرضخواہوں کو دیدیتے ہیں تو کاروبار کا سرچشمہ اور بھی خشک ہو کر

لوگوں میں بے روزگاری اور بھی بڑھ جائے گی۔ سونے کی کمیابی اور قلت کی وجہ سے تمام دنیا میں اشیا کی قیمتیں پہلے ہی بہت گر چکی ہیں اور اگر تھوڑا بہت بچا کچا سرمایہ بھی قرضخواہ ممالک کے پاس چلا گیا تو اور بھی مصیبت ہوگی انگلستان کو اپنی مجبوریوں سے معیار طلا کو چھوڑنا پڑا ہالینڈ اور سویڈن نے بھی اس کی تقلید کی اور یکے بعد دیگرے معیار طلا چھوڑ بیٹھے اور اب حال ہی میں تین ماہ کی ناکام جد و جہد کے بعد جاپان نے بھی ۱۱ر دسمبر کو معیار طلا کو خیرباد کہدی اور شاید اور بہت سے ممالک بھی اس کی تقلید کرنے والے ہیں۔

امریکہ اور معیار طلا بعض لوگوں کا خیال تو یہ ہے کہ اگر حالات ایسے ہی رہے تو تعجب نہیں کہ امریکہ اور فرانس کو بھی یہ دن دیکھنا پڑے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ امریکہ کو جس کے یہاں سب سے زیادہ دولت جمع ہے اس کا اندیشہ کیوں ہے اس کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ اُن کے یہاں جو سونا جمع ہے وہ جمع ہی تو ہے بقول شخصے برائے نہادن چہ سنگ وچہ زر۔ اس کا ہونا نہ ہونا بیکار ہے دوسرے سونا گورنمنٹ یا چند بڑے لوگوں کے پاس ہی تو ہے ہر شخص کے پاس تو نہیں۔

جو رقم گورنمنٹ امریکہ کے پاس جمع ہے اس میں اُن پندرہ سو بنکوں کا سرمایہ بھی تو شامل ہے جو حال ہی میں دیوالیہ ہو گئے ہیں علاوہ ازیں منجملہ نو کروڑ پونڈ جمع شدہ سونے کے صرف ۲۵ کروڑ پونڈ کا سونا ایسا بتلایا جاتا ہے جو فوراً بازار میں بھیجا جا سکتا ہے جب انگلستان پر مصیبت آئی تو اس کے پاس ۱۲ کروڑ پونڈ کا سونا اس قسم کا تھا جو کافی نہ ہوا۔ تو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اگر امریکہ پر بھی آفت آئی تو ۲۵ کروڑ پونڈ کا سونا کافی نہ ہوگا۔ امریکہ کے خزانہ میں بھی برطانیہ کے خزانہ کی طرح بہت سی رقوم دیگر اقوام کی جمع ہیں جن کی واپسی کا مطالبہ اگر شروع ہو جائے تو اُس کو بھی پریشانی ہوگی لیکن اس کے علاوہ دو سبب اور ایسے ہیں جن کی وجہ سے یہ اندیشہ صحیح ہے۔

اوّل یہ کہ ان ممالک میں عوام کی کثیر تعداد کی بسر اوقات مصنوعات اور کارخانوں پر ہے کارخانہ مال کی بکری سے آباد و خوشحال اور چالو ہوتے ہیں لیکن فی الحال مال کی بکری کہاں۔ جو ممالک مقروض ہیں وہ خود اپنا مال امریکہ بھیجکر اُس کے قرضہ کی ادائیگی کی فکر میں ہیں اور جس کی روک تھام کے لئے امریکہ نے درآمد کے محصولات بڑھا دیئے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں دیگر ممالک نے بھی درآمد پر محصول لگا دیئے جس کی وجہ سے امریکہ کا مال اُن ممالک میں فروخت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً امریکہ کی موٹریں قریب قریب تمام یورپ کے بازاروں سے اس وقت مفقود ہو چکی ہیں اور اب وہاں کے تمام کارخانوں کے لئے اگر کوئی نکاسی کا بازار ہے تو خود اپنا ہی ملک ہے۔ اور اپنے ملک کا یہ حال ہے کہ امریکہ میں عرصہ تک خوشحالی اور فارغ البالی رہنے کی وجہ سے لوگوں کے خانگی اخراجات بے حد بڑھ گئے ہیں چنانچہ وہاں کے اخراجات بہ مقابلہ یورپ کے تخمیناً ڈیوڑھے ہیں اور جب امریکہ کے لوگوں کی قوت خرید میں انحطاط آیا تو اقساط پر مال بیچنے کی ترکیب اختیار کی گئی جس کی وجہ سے شروع شروع تو مال کی نکاسی بہت ہوئی

لیکن ٹابہ کی آخرا قساط ادا کرنے کے لئے بھی تو نقدی چاہیئے۔ نکاسی میں کمی آئی اس پر طرہ یہ کہ باہر کے بازار بھی بند ہو گئے۔ بیکاری بڑھی اور لوگوں کی آمدنیاں گھٹنے لگیں تو گورنمنٹ کو ٹیکس بھی کم وصول ہوئے نوبت یہاں تک پہنچا رسید کہ آج کل اندازہ کیا جاتا ہے کہ وہاں بے روزگاروں اور بیکاروں کی تعداد دو کروڑ افراد کے لگ بھگ ہے اور بقول پریسیڈنٹ ہور امسال سرکاری بجٹ میں ۴۱ کروڑ ۶۰ لاکھ ڈالر یعنی ۱۲۴ کروڑ ۸۰ لاکھ روپے کی کمی ہے اور آئندہ تین سال کے بجٹ کی کمی کا اندازہ ۳۴۴ کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر یا ۱۰۳۲ کروڑ ۶۰ لاکھ روپے کا کیا جاتا ہے جس کے پورا کرنے کے لئے پریسیڈنٹ موصوف نے یکم جولائی ۱۹۳۲ء سے مزید انکم ٹیکس کے اضافہ کی تجویز کی ہے کہ ۴۰۰۰ ڈالر کی آمدنی پر ۲ فیصدی سے لیکر ۵ لاکھ ڈالر کی آمدنی پر ۴۰ فی صدی تک ٹیکس بڑھا دیا جائے۔ غرضکہ ایسے دولتمند ملک میں بھی ایسی سخت دقتوں کا سامنا ہو رہا ہے۔

تماشا یہ کہ اس وقت ہندوستان میں انگلستان کا مال ۲۰ فی صدی کے قریب سستا پڑ رہا ہے کیونکہ انگلستان معیار طلا منسوخ کر چکا ہے اور امریکہ وغیرہ دیگر ممالک کا مال جہاں معیار طلا برقرار ہے مہنگا پڑتا ہے جس کی وجہ سے معیار طلا رکھنے والے ممالک کی مصنوعات کے لئے قدرتی طور پر بازار بند سے ہو گئے ہیں اور اس حالت سے نکلنے کے لئے لامحالہ امریکہ کو بھی معیار طلا چھوڑنے ہی میں فائدہ ہوگا۔

<u>فرانس اور معیار طلا</u> فرانس کی بھی کم و بیش امریکہ ہی جیسی حالت ہے انگلستان نے معیار طلا منسوخ کرنے کے بعد سے بیرونی ممالک کی ترکاریوں اور پھلوں پر ۱۰۰ فیصدی اور سامان راحت و عیش پر پچاس فیصدی محصول درآمد لگا دیا ہے جس کی وجہ سے فرانس کی ترکاریاں پھل، شراب اور عطریات کا بکنا محال ہو جائے گا۔ سال گزشتہ انگلستان میں ۵ کروڑ ۵ لاکھ پونڈ کا فرانسیسی مال بکا تھا جس میں سے ۲ کروڑ اسی لاکھ کا مال تعیشی قسم کا تھا جس کے انسداد سے فرانس کو سخت نقصان ہوگا۔ یہی حال سویڈن ناروے۔ ہالینڈ۔ آسٹریا۔ جرمنی وغیرہ کے بازاروں کا ہے جہاں معیار طلا منسوخ ہو چکا ہے اور درآمد پر محصول لگائے اور بڑھائے جا رہے ہیں۔ غرضکہ فرانس میں بھی بہ کثرت بیکاری بڑھ رہی ہے کارخانے بند ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ انگلستان کے معیار طلا منسوخ کر دینے کے بعد فرانس کے صرف ایک شہر للی میں ۲۵ کے قریب بڑے بڑے سوتی کارخانوں کے بند ہونے کی خبر تھی کیونکہ وہ انگلستان کے کارخانوں کا مقابلہ کرنے کے ناقابل تھے۔ پس فرانس بھی اگر کسی دن معیار طلا کو خیرباد کہہ دے تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔

غرضکہ اس وقت تمام ممالک ایسی پریشانی اور چکر میں پھنسے ہوئے ہیں جس سے نکلنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ہاں اب لوگوں کی سمجھ میں آنے لگا ہے کہ تاوان ہائے جنگ، محصولات درآمد، مختلف ممالک کے مابین سونے کی غیر متوازن اور نامناسب تقسیم نیز تجارت کی موجودہ کساد بازاری کا باہمی تعلق کیا ہے

اور یہ سب چیزیں ایک دوسرے کا سبب اور مسبب کس طرح ہیں اور یہ غور و خوض کرنے لگے ہیں کہ اس بھنور سے کس طرح نکلیں۔

معیار تبادلہ اجناس ان مشکلات کے حل کے لیئے ماہرین اقتصادیات کی ایک جماعت کی رائے تو یہ ہو کہ کاروبار کے لیئے کسی دھات کی ضرورت نہیں ہی۔ وہ کہتے ہیں کہ تجربہ یہ ہو کہ اندرون ملک میں نوٹ سے بخوبی کام چل سکتا ہو سونے اور چاندی کے سکوں کی گردش میں رہنے کی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ مغربی ممالک میں تو بہ کثرت نوٹوں ہی سے کام چلتا ہو اور آجکل سونے کے خزانوں کی غرض و غایت صرف اس قدر رہ گئی ہو کہ بیرونی ممالک کی میزان تجارت کا جب بھگتان کرنا ہو تو ان خزانوں سے سونا دیا جائے لہذا بین الاقوامی لین دین میں بھی اس سونا دینے کی بیخ کو اُکھاڑ دیا جائے تو پھر سونے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ ان کی رائے میں اصل چیز جو کاروبار کے لیئے ضروری ہو وہ اشیاء کی قیمتوں کا استحکام ہو نہ کہ سکوں کی شرح تبادلہ کا استحکام پس بین الاقوامی تجارت کے لیئے اشیاء کی قیمتیں باعتبار اعداد و مفروضہ مقرر کر دینی چاہئیں اور انھیں قیمتوں کے اعتبار سے اشیاء کا تبادلہ ہو جایا کرے یعنی بالفاظ دیگر اندرون ملک میں تو نوٹوں سے کام چلایا جائے اور بیرونی ممالک میں اجناس کا اجناس سے یا اجناس کا اشیاء سے تبادلہ ہوا کرے۔ اور یہ ترقی یافتہ دنیا پرانے زمانہ کی اُس ابتدائی حالت پر واپس لوٹے کہ جب عرب کھجوریں جہازوں میں بھر کر ہندوستان لاتے تھے اور ہندوستان سے اُن کے تبادلہ میں چاول اور مصالحہ لے جاتے تھے چنانچہ بعض ممالک میں ایسا شروع بھی ہو گیا ہو مثلاً امریکہ کے فیڈرل فارم بورڈ نے گیہوں کے تبادلہ میں برازیل سے قہوہ لینا شروع کر دیا (جس پر دارالعوام میں مسٹر چرچل نے مزاحاً کہا تھا کہ امریکہ تو اب معیار قہوہ اختیار کرنے والا ہی) یا کچھ وسطی غربی یا سے متحدہ امریکہ میں بعض ڈاکٹروں نے اپنے مطب کے دروازوں پر نوٹس لگائے ہیں مرغی انڈوں کے معاوضہ میں علاج۔ یا انڈیا پولیس کی ریاست میں فارمرس ڈسے کے میلہ میں داخلہ کی فیس ایک بشل گیہوں مقرر کی گئی تھی نیز موٹر کار کھڑی کرنے کے لیئے ایک بشل گیہوں مزید دینا پڑتا تھا۔ اسی طرح انٹرنیشنل ہاروسٹر کمپنی گیہوں لیکر آلات زراعت دیتی ہو اس نے ایک بشل گیہوں ۳۰ شلنگ کی برابر کر رکھے ہیں۔ یہ طریقہ صرف زراعتی جماعتوں ہی میں رائج نہیں ہو بلکہ قومی جغرافیہ سوسائٹی نے اسٹریلیا کے ایک ممبر سے سالانہ فیس میں ۲۰ تیراط سونے کی بتر وصول کرلیں غربی ورجینا میں مارس ہارو سے کالج طلبا کی فیس میں گیہوں لے لیتا ہو کیونکہ وہاں غلہ تو بہت ہوتا ہو لیکن نقدی کی کمی ہو (اخبار لیڈر ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ)

اس میں شک نہیں کہ سکہ نہ ہونے کی حالت میں یہ طریقہ فطری اور قابل عمل سمجھا جا سکتا ہو تاہم توسیع و ترقی تجارت میں مانع و مزاحم اور تکلیف دہ ثابت ہوگا۔

معیار اسٹرلنگ | ماہرین اقتصادیات کی ایک دوسری جماعت کی رائے ہے فی الحال سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ جو ممالک پونڈ اسٹرلنگ کو سکہ ماننے کے لیے آمادہ ہوں اُن کی ایک جماعت بنائی جائے اور پونڈ اسٹرلنگ کو چاندی یا سونے کے سکہ سے مربوطہ کیا جائے۔ یہ تجویز بھی قریب قریب پہلی تجویز سے ملتی جلتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں اُن ممالک کے تعلقات لین دین کا لحاظ نہیں رکھا گیا جو اس معاہدہ میں شریک نہ ہوں پس وہ ممالک اگر لین دین میں سونا طلب کرنے لگیں تو وہ ہی مشکلات پیش آئیں گی جن کے دفعیہ کے لیے یہ تجویز سوچی گئی ہے۔

معیار چاندی | یہ دونوں طریقے مجبوری کے ہیں تبادلہ اجناس میں طوالت اور دقت بہت زیادہ ہے۔ اور پونڈ اسٹرلنگ (نوٹ) میں اندیشہ ہے کہ جب تک امن و امان اور تجارتی کاروبار اچھا ہے اس کے چلنے میں کچھ دقت نہ ہوگی مگر جوں ہی ذرا سا نازک وقت آیا تو سخت گڑبڑ ہو جائے گی۔ بڑے سے بڑے مہذب ممالک میں بھی لوگ ابھی تک نوٹ کے عادی نہیں ہوئے کیونکہ اگر عادی ہو گئے ہوتے تو آج انگلستان اور دوسرے مغربی ممالک میں معیار طلا چھوڑنے کی نوبت نہ آتی۔ دُنیا کی موجودہ ذہنیت کے ہوتے ساکھ برقرار رکھنے کے لیے ایسی دھات کے سکہ کی ضرورت ہے کہ جس کی ذاتی قیمت ہو اور ایسی قیمت ہو جس کو لوگ عموماً تسلیم کرتے ہوں اور ایسی دھات کا سکہ ہو جس کے لانے لیجانے میں لوگوں کو دقت نہ ہو جو فی الحال سونا اور چاندی ہی ہو سکتے ہیں لیکن سونے کی کمیابی کا بیان کیا جا چکا ہے اور اس خیال کی تائید میکمیلن کمیٹی کی رپورٹ سے بھی ہوتی ہے جس کے پیرے ۱۲۲ میں لکھا ہے کہ کاروبار کے لیے روز بروز سونے کی مقدار کم ملیگی لہذا اب صرف چاندی ہی رہ جاتی ہے۔

ہندوستان اور چین کا فائدہ | چاندی کے متعلق چاندی ایسوسی ایشن کی رائے ہے کہ چاندی کا سکہ چلانے سے چیزوں کی قیمتیں بہت جلد بڑھ جائیں گی اور قیمتوں میں استحکام پیدا ہو جائے گا نیز مشرقی ممالک کے لیے بالخصوص نہایت ہی مفید ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ چاندی کا سکہ نہ ہونے اور چاندی کی قیمت گر جانے سے خصوصاً ۱۹۲۰ء کے بعد سے کہ چاندی کی قیمت بہت ہی گر گئی ہے ہندوستان اور چین کا تو بہت ہی نقصان ہوا ہے کیونکہ بالعموم ان دونوں ممالک کی میزان تجارت ان کے حق ہی میں رہتی ہے جس کے بھگتان میں چاندی ہی ملتی ہے اور یہاں کے غریب کاشتکار وغیرہ اپنی بچی کھچی کمائی چاندی کے زیورات یا چاندی کے سکوں ہی میں رکھتے ہیں اور مصیبت کے وقت ان کا انحصار اس تھوڑی بہت چاندی ہی پر ہوتا ہے۔ اور جب سے چاندی کی قیمت بہت زیادہ گر گئی ہے اُن کا بہت ہی نقصان ہو گیا ہے۔

اگرچہ فی الحال محصول در آمد بڑھا دیے جانے کی وجہ سے ہندوستان میں چاندی کی کچھ قیمت

بڑھ گئی ہے تاہم وہ کچھ بھی نہیں اور اگر محصول موقوف کر دیا جاتا ہے تو پھر چاندی کی قیمت کی کمی اور کاشتکاروں کے نقصان کا کچھ اندازہ ہی نہیں رہتا۔

چاندی کی قیمت گرنے کے وجوہ | سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب چاندی کی قیمت اتنی گر گئی ہے اور اس سے بھی زیادہ گرنے کا اندیشہ ہے تو پھر چاندی معیار قیمت کیسے مقرر کی جا سکتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ چاندی کی قیمت گرنے کا سبب دراصل اُس کا سکہ سے خارج کر دینا ہی ہے اگر اُس کے سکہ کا چلن شروع ہو جائے تو یقیناً اُس کی قیمت پھر بڑھ جائے گی۔ چنانچہ سلور ایسوسی ایشن کی سفارشات کا تذکرہ کرتے ہوئے مسٹر رابرٹ ہارن لکھتے ہیں کہ "چاندی اس وجہ سے سستی نہیں ہوئی کہ اُس کی پیداوار میں افراط ہو گئی ہے یہی وجہ ہے دنیا کی تمام دیگر دھاتیں سستی ہو گئی ہیں۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ چاندی کی پیداوار کبھی بھی اتنی نہیں ہوئی کہ دُنیا کی سالانہ مانگ کو پوری کر سکے نیز ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۱ء تک ۳ کروڑ ۸۰ لاکھ اونس کی پیداوار میں کمی ہو چکی ہے تاہم بازاروں میں اُس کی فراوانی اس وجہ سے ہو گئی ہے کہ مختلف گورنمنٹوں نے اپنے خزانوں کی چاندی بیچنی شروع کر دی ہے اور ۴۰ کروڑ ۴۰ لاکھ اونس بازاروں میں لا ڈالی ہے۔ گزشتہ تین سال میں صرف گورنمنٹ ہند اور فرانسیسی انڈو چینا نے ۲۰ کروڑ اونس چاندی فروخت کی ہے اور گورنمنٹ کی اس پالیسی کی بدولت چیزوں کی قیمتوں کے ساتھ ہی چاندی کی قیمت بھی بسرعت گر گئی۔ ہندوستان چین ایران سب ملکوں میں چاندی کی قیمت کا اعتبار نہیں رہا ہے اور جب تک بے اعتمادی باقی ہے (اور غالباً اُس وقت تک یہ باقی رہے گی جب تک گورنمنٹ کے چاندی فروخت کرنے کا امکان ہے) یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ تجارت کی ترقی میں یہ ممالک بھی کچھ حصہ لے سکیں گے لیکن ان ممالک میں اور تمام دنیا میں اگر چاندی کی قیمت پر اعتماد پیدا کر دیا جاتا ہے تو دنیا کی موجودہ کساد بازاری میں فوراً اصلاح کے آثار نمایاں ہو جائیں گے"

چاندی کے سکہ پر اعتراضات | اس کے بعد صاحب موصوف نے اُن جوابات کو لکھتے ہوئے جو چاندی کی انجمن نے اپنی یادداشت میں اُن اعتراضات کے دیئے ہیں جو چاندی کے سکہ کے اجرا پر کیے جاتے ہیں لکھا ہے کہ "اس بات کا کچھ اندیشہ نہیں ہے کہ چاندی کے مہنگی ہو جانے کی وجہ سے اُس کی پیداوار میں بہت زیادتی ہو جائے گی کیونکہ چاندی کی موجودہ پیداوار میں سے تین چوتھائی کے قریب تو سیسہ، تانبہ اور جست کی دھاتو کے صاف کرنے سے نکلتی ہے جس کی وجہ سے چاندی کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے سے اس کی پیداوار پر زیادہ اثر نہیں پڑ سکتا۔ البتہ مذکورہ بالا دھاتوں کی پیداوار کی زیادتی چاندی کی پیداوار پر موثر ہو گی۔ اور ان کی مقدار حسب ضرورت گھٹتی بڑھتی رہے گی۔ یعنی جب تجارتی و صنعتی کارخانوں کے لیے ان دھاتوں کی ضرورت زیادہ ہو گی تو چاندی بازاروں میں کثرت سے آئے گی اور جب ان کی مانگ کم ہو گی تو چاندی بھی کم ہو گی۔

دوسرا اندیشہ یہ کیا جاتا ہے کہ چاندی مہنگی ہو گئی تو لوگوں کے دفینوں سے نکل نکلکر بازار میں بکنے آجائے گی مگر یہ بھی تجربہ کے خلاف ہے کیونکہ جو کاشتکار خرابی فصل کی وجہ سے اپنے زیورات فروخت کرتے ہیں وہ اسی قدر کم چاندی فروخت کریں گے جس قدر کہ چاندی کی قیمت زیادہ ہوگی۔

تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ چاندی کی قیمت بڑھ جانے سے کاشتکاران چین کے برآمد کے مال کی قیمت کم ہو جائے گی اور جو قرضہ اُس کے ذمہ ہے اُس کی مقدار بڑھ جائے گی جس کی وجہ سے اُن کو نقصان پہونچے گا سو اُس کا جواب یہ ہے کہ اگر چاندی کی قیمت بڑھنے کے ساتھ ساتھ اشیا کی قیمتیں سونے کے اعتبار سے بڑھ جاتی ہیں (جس کا چاندی کے سکہ جاری ہو جانے کے بعد یقینی ہے کیونکہ سونے کی مانگ کم ہونے کی وجہ سے اُس کی قیمت گھٹے گی اور اُسی کے اعتبار سے چیزوں کی قیمتیں بڑھیں گی) تو کاشتکاران چین کو کچھ نقصان نہ ہوگا بلکہ خیال یہ ہے کہ اُن کو فائدہ ہوگا کیونکہ آج کل قیمتیں کم ہونے کی وجہ سے) کاشتکاران چین کو ایک مصیبت یہ ہے کہ اُن کا خرچہ کاشت اتنا زیادہ اور مال کی قیمت اس قدر کم ہے کہ بیرونی ممالک میں بھیجنے کے لئے اُنھیں مال پیدا کرنا ہی مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنہ ۱۹۳۰ء سے اُن کے مال کی برآمد کم ہو گئی ہے۔

چوتھا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جن بنکوں کے پاس سونا ہے اور قرضے چاندی میں ہیں اُن بنکوں کو چاندی کی قیمت بڑھنے سے نقصان ہوگا پس چین اور ہانگ کانگ میں دفعتاً سکہ کی قیمت بڑھجانے سے کاروبار میں گڑبڑ ہو جائے گی جس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ اولاً تو مشرقی ممالک میں کاروبار کرنے والے بہت سے بنک ایسے ہیں کہ اگر اُن کو اپنے مطالبات چاندی میں ادا کرنے ہیں تو بیشتر مطالبات چاندی میں وصول بھی کرتے ہیں نیز سونے کے مطالبات کے مقابلہ میں اُن کے بھی سونے کے مطالبات ہوتے ہیں اور ثانیاً یہ کہ جب معلوم ہو جائے گا کہ اس تبدیلی کا مقصد استحکام ہے تو پھر ایسی گڑبڑ بہت کم ہوگی۔

دونوں دھات چاندی اور طلا کا معیار چاندی کی انجمن مصر ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کو بذات خود اور ممکن ہو تو نوآبادیات کی امداد سے فوراً ایک بین الاقوامی کانفرنس اس غرض سے منعقد کرنی چاہیے کہ چاندی کو دوبارہ سکہ کی صورت میں چلانا شروع کر دیا جائے شروع شروع میں مرکزی بنکوں کو اجازت دی جائے کہ وہ اپنے خزانہ کا ایک حصہ چاندی میں رکھیں اور بین الاقوامی معاملات کے بھگتان نیز اندرون ملک میں نوٹوں کے تبادلہ میں چاندی دینی شروع کر دیں اس طریقہ سے چاندی کے سکہ کا اعتبار قایم ہو جائے گا اور عام اجناس کی قیمتیں بڑھنے لگیں گی اور مستحکم بھی ہو جائیں گی لیکن یہ سب کام سونے سے نہیں چل سکتا ہے۔

یہ ہی نہیں ہے کہ اعتبار بڑھانے کے لئے چاندی کے سکہ کا معرض وجود میں آجانا مفید ہوگا۔ بلکہ چاندی اور سونے کو ایک مقررہ شرح پر قایم کر دینے سے تجارت کو بھی فائدہ ہوگا اور شرح تبادلہ میں جو گڑبڑ دنیا کے دو نصف

حصوں میں رہتی ہو (جن میں سے ایک چاندی استعمال کرتا ہو اور دوسرا سونا) جاتی رہے گی۔

آج کل کوئی سوداگر بھی خواہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا ایسا نہ ملے گا جو شرح تبادلہ کے مدوجزر کا شاکی نہ ہو جس زمانہ میں کہ دو دھاتی سکّوں کے چلن کو منسوخ کیا گیا اُس مقابلہ میں آج کل کی دنیا دونوں دھاتوں کے سکّوں کو قبول کرنے کے لیے بہت آمادہ ہو۔

چاندی کی انجمن کو یقین ہو کہ برطانیہ اور ممالک متحدہ امریکہ جیسی قوی سلطنتیں تمام دنیا کے سکہ کے مدوجزر کی مصیبتیں گھٹانے میں بہت کچھ کر سکتی ہیں اور اس مدوجزر کو قابو میں لاسکتی ہیں۔ اگرچہ بحالات موجودہ مکمل بین الاقوامی تصفیہ ناممکن معلوم ہوتا ہو تاہم اگر برطانیہ اور ممالک متحدہ امریکہ میں ہی معاہدہ ہو جائے اور فرانس بھی مدد کر دے تو بہت کام بن سکتا ہو چاندی کی انجمن کا خیال ہو کہ اگر ایسا معاہدہ کر کے چاندی کا سکہ دنیا میں چلا دیا جائے تو موجودہ کساد بازاری کم ہو جائے گی اور اشیاء کی قیمتیں بڑھ کر اچھی قیمتوں پر قائم ہو سکیں گی (اسٹیٹسمین مورخہ ۱۸ دسمبر)

غرض کہ بحالات موجودہ بہترین اور قابل عمل رائے تجویز یہی معلوم ہوتی ہو کہ چاندی کی پوری قیمت کا سکہ رائج کر دیا جائے اور بین الاقوامی معاہدہ کر کے چاندی اور سونے کی متناسب قیمت مقرر کر دی جائے اور جب تک یہ نہ ہو روپیہ کو اُس کی قیمت پر چھوڑ دیا جائے۔ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ یورپ و ممالک متحدہ کی کشمکش کی بدولت جنوبی امریکہ، میکسیکو، عربی، وسطی، اور مشرقی افریقہ، عراق، عرب، ایران، افغانستان ہندوستان اور چین یعنی دُنیا کی نصف آبادی جو چاندی کا سکہ استعمال کرتی ہو کیوں اس مصیبت میں پڑے اور یورپ کے بین الاقوامی سوداگر اپنی اور اپنے گاہکوں کی حالت کے اعتبار سے چاندی کے سکہ اور اُس کا سونے کے ساتھ تعین قیمت کیوں منظور نہ کریں۔

سکہ کی پالیسی کا خلاصہ اور شرح تبادلہ کی بدولت نقصانات

دُنیا میں معاملات کی سہولت کے لئے ہر چیز کی مقدار کا اندازہ کرنے کے لئے ایک معیار مقرر کر لیا جاتا ہو معیار کے لئے ضروری ہو کہ مستقل ہو اور اس میں کسی تبدیلی کا امکان نہ ہو۔ اگر معیار میں نامعلوم طریقہ پر کمی بیشی ہوتی رہے تو پھر وہ معیار معیار نہیں رہتا مثلاً وزن کا معیار ایک سیر ہو تو جب کبھی یہ کہا جاتا ہو کہ اس شئی کا وزن دس سیر ہو تو اندازہ ہو جاتا ہو کہ یہ چیز ۸۰۰ تولہ ہو یا ۱۰ چھٹانک ہو۔ اب فرض کیجئے کہ تمام معاملات وزن ہی میں ہونے لگیں ایسی حالت میں ایک کاشتکار کی مثال لیجئے جس کو اپنے لگان میں

۱۰ سیر غلہ تو زمیندار کو دیتا ہے اور ۵ سیر غلہ ساہوکار کو قرضہ کی ادائیگی میں اور ۵ سیر غلہ اپنے کام والوں اور مزدوروں وغیرہ کو دیتا ہے۔ ایسی حالت میں فرض کیجئے کہ دفعتاً گورنمنٹ کا حکم ہو جاتا ہے کہ آئندہ سے ایک سیر ۱۸ چھٹانک کا کر دیا گیا اور کاشتکار نے جو معاملات سیروں سے طے کر رکھے ہیں اُن کو سیروں ہی میں ادا کرنے ہوں گے۔ اگرچہ یہ سیر اب بجائے ۱۶ چھٹانک کے ۱۸ چھٹانک کا ہوگا۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ کاشتکار کو دو چھٹانک فی سیر زیادہ یعنی بجائے ۲۰ سیر کے ۲۲ سیر ۸ چھٹانک دینے پڑیں گے۔ اور ۲ سیر ۸ چھٹانک کا نقصان ہو جائے گا بعینہٖ یہی کیفیت روپیہ کی ہے کہ وہ معیارِ قیمت ہے! اگر ایک کاشتکار کو دس روپے لگان کے پانچ روپے ساہوکار کے اور پانچ روپے مزدوروں کے دینے ہیں اور گورنمنٹ یہ طے کر دیتی ہے کہ آئندہ سے روپیہ کی قیمت اٹھارہ آنے ہوگی لیکن جو معاہدات روپیہ میں ہوئے ہیں وہ روپے ہی میں ادا کرنے ہوں گے تو کاشتکار کو اپنے زرّی مطالبات کی ادائیگی میں بیس روپے کی بجائے بائیس روپے آٹھ آنے ادا کرنے پڑیں گے لیکن اس کے برعکس جو لوگ اپنا سامان ولایت سے ہندوستان بھیجیں گے تو فرض کیجئے کہ پہلے ان کا مال اگر بیس میں بکتا تو اُن کو اس کی پوری قیمت ملتی لیکن اب روپیہ کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے وہ مال اگر ۱۸ روپیہ میں بک جائے گا تو ان کے دام پورے مل جائیں گے اور اب وہ آسانی سے اپنا مال ۱۸ میں بیچنے لگیں گے! اور ہندوستان کی مصنوعات کا انگلستان کے مال سے مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ماحصل یہ ہے کہ روپیہ کی قیمت زیادہ کر دینے سے کاشتکاروں۔ صناعوں۔ کاریگروں اور مقروضوں کا تو نقصان ہوتا ہے لیکن گورنمنٹ اور قرضخواہوں کا فائدہ ہوتا ہے۔ اور اسی طرح روپیہ کی قیمت گھٹنے سے اول الذکر جماعتوں کا فائدہ اور موخرالذکر فریق کا نقصان ہوگا۔ تاہم یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت روپے کی قیمت اس طرح گھٹنے بڑھنے لگے تو معیارِ قیمت نہیں رہ سکتا ایسے سکہ کا وجود سکہ نہ ہونے سے زیادہ مضر ہے۔ کیونکہ جب وہ معیارِ قیمت ہی نہ رہا تو محض ایک دھوکہ ہو گیا پس اشد ضروری ہے کہ سکہ خواہ کوئی ہو ایسا ہونا چاہیئے جس کی قیمت معینہ ہو اور اُس میں تبدیلی نہ ہو سکے۔

سکہ کی قیمت میں تبدیلیاں | پہلے زمانہ میں سونے اور چاندی دونوں دھاتوں کے پوری قیمت کے سکے ہندوستان میں چلتے تھے اور ٹکسالیں پبلک کے لئے کھلی ہوئی تھیں معمولی مزدوری دیکر عام لوگ سرکاری ٹکسال میں اپنے سونے اور چاندی کے سکے ضرب کرا سکتے تھے مگر ایسٹ انڈیا کمپنی نے اٹھارھویں صدی کے آخر سے سونے کے سکہ کو بند اور محض چاندی کے سکہ کو چلانے کی کوشش کی اور گورنمنٹ انگلستان نے کمپنی کے اختیارات واپس کر لینے کے بعد بھی اسی پالیسی پر عملدرآمد رکھا۔

اس پالیسی کے مضر اثرات کا احساس ہونا اس طرح پر شروع ہوا کہ جو برطانوی سرمایہ ہندوستان میں

لگا ہوا تھا۔ یا جو مال برطانیہ سے خریدا جاتا تھا یا جو دیگر اخراجات انگلستان میں منجانب ہندوستان کیئے جاتے تھے وہ سب سونے کے سکہ میں ہوتے تھے۔ جب تک سونے اور چاندی کی قیمت متناسبہ قائم رہی تو کوئی دقت نہ ہوتی تھی بالعموم سونے کا نرخ پندرہ روپے فی تولہ کا رہتا تھا لیکن ۱۸۷۵ء کے بعد سے چاندی کی قیمت گھٹنی شروع ہوئی تو گورنمنٹ ہند کو یہ دقت ہونے لگی کہ اس کی آمدنی تو چاندی کے روپیہ میں ہوتی تھی اور انگلستان کا مطالبہ سونے کے سکہ میں دینا پڑتا تھا۔ اس دقت کے رفع کرنے کے لیئے ۱۸۷۵ء کے بعد سے گورنمنٹ نے ہندوستان میں سونے کے سکہ کے رائج کرنے کی بے حد کوشش کی لیکن گورنمنٹ انگلستان نے اس کی اجازت نہ دی۔ بالآخر اس نقصان سے بچنے کے لیئے یہ تدبیر نکالی گئی کہ ۱۸۹۳ء میں گورنمنٹ نے پبلک کے لیئے ٹکسال میں سکہ ضرب کرانے کے استحقاق کو مسترد کر دیا اور اس طرح ہر روپیہ کو ایک خاص جنس بنا دیا کہ جس کی قیمت وہ اپنے حکم سے مقرر کرنے لگی چنانچہ ۱۸۹۳ء میں جب اوّل مرتبہ ٹکسال بند کی گئی تو روپیہ کی قیمت چاندی کے اعتبار سے ۱۴ پنس تھی لیکن حکماً ۱۶ پنس کر دی گئی۔

ہندوستانی بالعموم اس تبدیلی کے مخالف تھے اس لیئے کہ اس سے کاشتکاروں کے مال کی قیمت گر گئی اور کاریگروں کو انگلستان کے مال کا مقابلہ کرنا اور مشکل ہو گیا۔ ان کا کام روز بروز گھٹنے لگا۔ اس دوران میں چاندی کی قیمت اور بھی گرتی گئی اور گورنمنٹ کو روپیہ ضرب کرنے میں روز افزوں منافع ہونے لگا۔

روپیہ کی مصنوعی قیمت اندرون ملک قائم رکھنا تو کچھ مشکل نہ تھی جو کچھ مشکل تھی وہ بیرونی ممالک سے کاروبار میں تھی۔ اس لیئے کہ ایسے ممالک کے ساتھ معاملات سونے میں ہوا کرتے ہیں لیکن چونکہ فی الجملہ ہندوستان سے دیگر ممالک کو جو مال جاتا تھا اس کی قیمت درآمد کے مال سے زیادہ ہوتی تھی اس لیئے اس میں بھی کوئی دقت نہ ہوئی بلکہ فائدہ ہی رہا کیونکہ میزان تجارت کے بھگتان میں جو سونا ہندوستان آنا چاہیئے تھا اس کو بالعموم وزیر ہند خود لے لیتے تھے اور اس کے عوض میں کاغذ کے نوٹ یا چاندی کا روپیہ ہندوستان میں چلا دیتے تھے۔ روپیہ کے ضرب کرنے سے جو منافع حاصل ہوتا تھا اس کو ایک جداگانہ خزانہ موسومہ بہ خزانہ معیار طلائی Gold Standard reserve میں رکھ دیتے تھے۔ یہ خزانہ انگلستان میں رکھا جاتا تھا اور اس کی غرض یہ تھی کہ اگر کبھی دوسرے ممالک کے مطالبات کی ادائگی میں روپیہ کے تبادلہ میں سونا دینا پڑ جائے تو وہ اس خزانہ سے دیا جا سکے اور اس طرح یہ خزانہ بھی مقدار میں بڑھتا گیا۔

۱۹۱۴ء عیسوی میں جنگ عظیم ہوگئی جس کے ختم ہونے کے بعد چاندی کی قیمت گراں دیکھ کر گورنمنٹ نے بھی روپیہ کی قیمت بجائے سولہ پنس کے بڑھا کر ۲۴ پنس کر دی۔ جو اتنی زیادہ تھی کہ لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ شرح تبادلہ زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتی نہایت کثرت سے روپیہ انگلستان بھیجنا شروع کر دیا جس کا بھگتان گورنمنٹ کو خزانہ معیار طلا سے کرنا پڑا اور جس خزانہ کو ۱۶ پنس فی روپیہ کے حساب سے جمع کیا تھا اُس میں سے ایک روپیہ کے ۲۵ پنس تک دیئے۔ خزانہ میں ٹوٹا ہوا حتیٰ کہ گورنمنٹ اپنی قایم کردہ شرح تبادلہ کو برقرار نہ رکھ سکی اور چھوڑ بیٹھی۔ مگر روپیہ کی قیمت بڑھانے سے چونکہ گورنمنٹ کو فائدہ ہوتا ہے اور ولایت کا مال بھی ہندوستان میں آسانی سے بکتا ہے گورنمنٹ کی خواہش ہمیشہ یہی رہی کہ روپیہ کی قیمت میں اضافہ کیا جائے اس لیے کھینچ تان کر کے ۱۹۲۶ء میں روپیہ کی شرح تبادلہ پھر بجائے ۱۶ پنس کے ۱۸ پنس کر دی اور یہ شرح اب تک باقی ہے۔

موجودہ کساد بازاری | جنگ عظیم کے دوران میں یورپین سلطنتوں کو جنگی اخراجات کی بدولت بہت سے قرضے لینے پڑے جنگ کے خاتمہ پر تاوان جنگ بھی بہت بڑی مقدار میں تجویز ہوا۔ قرضہائے جنگ تو امریکہ کے پانے تھے اور تاوان جنگ میں بڑے حصہ کا مستحق فرانس ٹھہرا اس طرح ان دونوں ممالک میں لڑائی کے بعد سونا بکثرت گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ دُنیا بھر کے سونے کا تین چوتھائی کے قریب سونا ان دونوں ملکوں میں سرکاری طور پر جمع ہو گیا اور تمام دُنیا میں سونے کی کمی ہوگئی۔ دوسری طرف مشینوں کی بہتات کی وجہ سے ہر ملک میں سامان زیادہ تیار ہوا حتیٰ کہ مشینوں کے ذریعہ غلہ اور اجناس کی پیداوار بھی اتنی افراط سے ہوئی کہ مال اور غلہ فروخت کرنے کے لیے بازار نہ رہے تو مختلف ممالک نے اپنی مصنوعات کی نکاسی کی خاطر درآمدی مال پر بڑے بڑے محصول لگا دیئے۔ اور مال کی نکاسی نہ ہونے کی وجہ سے ہر ملک میں کاروبار مدہم اور بے روزگاری کی ترقی ہوئی سلطنتوں کی آمدنیاں اُن کے اخراجات سے کم ہوئیں اور گورنمنٹوں کے پاس مطالبات ادا کرنے کے لیے کافی سونا نہ رہا سب سے پہلے آسٹریا دیوالیہ ہوا اُس کے بعد جرمنی ان کے بعد انگلستان کو اسٹرلنگ کے عوض سونا دینا بند کرنا پڑا اور حال ہی میں جاپان نے بھی یہی کیا غرض تمام دُنیا اسی مصیبت میں مبتلا نظر آتی ہے حتیٰ کہ امریکہ اور فرانس بھی اس خطرہ سے محفوظ نہیں ہیں۔ چنانچہ مزدور پارٹی کا خیال ہے کہ سرمایہ داری کا خاتمہ اب سرمایہ داری کے ہاتھوں سے ہونے لگا ہے۔

روپیہ کا اسٹرلنگ سے ربط | حسب مذکورہ بالا اقتصادی تنزل تجارت کی کساد بازاری مزدوروں کی بے روزگاری قرضخواہوں کے تقاضے اور قرضداروں کے دیوالیہ ہو جانے کی وجہ سے جب انگلستان پر سونے کی مانگ زیادہ ہوئی تو مجبوراً اُس کو اپنے نوٹوں (اسٹرلنگ) کے عوض سونا دینے کی ذمہ داری سے

۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کو دست بردار ہونا پڑا اور وہاں اسٹرلنگ پر بٹہ لگ گیا لیکن گورنمنٹ ہند نے روپیہ
کی قیمت کو شرح سابق یعنی ۱۸ پنس پر انگلستان کے نوٹ (اسٹرلنگ) کے ساتھ مربوط کر دیا جس کا نتیجہ
یہ ہو کہ جہاں تک انگلستان کے سکہ کا تعلق ہو روپیہ کی وہی کیفیت ہو جو پہلے تھی لیکن دوسرے ممالک کے
مقابلہ میں روپیہ کی قیمت گھٹ گئی ہو اس لئے انگلستان کا مال بمقابلہ دیگر ولایتوں کے مال کے اب ہندوستان میں
سستا پڑنے لگا ہو۔

اب اسٹرلنگ کی کچھ قیمت معین نہیں رہی ہو بلکہ وہ محض نوٹ ہو جس کا سونا معینہ نرخ پر نہیں ملتا
اور ایسی غیر معین شی معیار قیمت نہیں ہو سکتی پس روپیہ کے اس سے مربوط ہونے کی وجہ سے روپیہ کی قیمت
بھی کچھ یقینی نہیں ہو لہذا ہندوستان کے کاروبار کے لیے مفید یہ ہو کہ روپیہ کو اسٹرلنگ سے مربوط نہ رکھا
جائے بلکہ اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تاکہ یہاں کے حالات کے مطابق اس کی اپنی طبعی اور فطری
قیمت خود بخود قائم ہو جائے یا بدرجہ اقل اس کی قیمت ہم وزن چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے جس میں
ہندوستان کا کچھ بھی نقصان نہیں ہو۔

شرح تبادلہ کی پیچیدگیوں کا اصل سبب سطور بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ حقیقت میں سکہ اور شرح
تبادلہ کا مسئلہ کچھ بہت پیچیدہ نہیں بلکہ واضح اور آسان ہو آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ معیار وزن یا
معیار پیمایش کے متعلق دنیا میں کوئی جھگڑا ہو۔ اگر ہندوستان کا وزن سیر ہو اور انگلستان کا
وزن پونڈ ہو تو ہم دونوں کو سامنے رکھ کر ایک مرتبہ ان کا تناسب قائم کر لیتے ہیں۔ اسی طرح معیار قیمت ہو
اگر سونے کی کمی سے معیار طلا قائم نہیں کر سکتے تو ہم کو چاہیئے کہ چاندی کو معیار قیمت بنائیں لیکن فرضی قیمت کے
سکوں کی نوعیت تو نوٹ ہی جیسی ہو صرف اتنا فرق ہو کہ روپیہ میں چاندی کی کچھ نہ کچھ قیمت ہو اور
نوٹ کے کاغذ کی کچھ بھی نہیں۔ اگر معیار قیمت رکھنا ہو تو ایسی چیز کو رکھنا چاہیئے جس کی وہ واقعی قیمت ہو
محض فرضی قیمت کی چیز نہ ہونی چاہیئے۔ پس بحالت موجودہ تناسب یہی معلوم ہوتا ہو کہ سونے اور چاندی
کی تناسب قیمت قائم کر کے ہندوستان میں چاندی کی پوری قیمت کا سکہ چلایا جائے۔ سکہ و شرح تبادلہ میں ابتری
تو اسی لیے ہو کہ جس اصول پر سکہ چلنا چاہیئے اس کی پابندی نہیں کی جاتی۔ پھر انجام کیسے درست ہو سکتا ہو۔

گزشتہ ۵۰ سال میں سکہ اور شرح تبادلہ کی بے ترتیبی سے ہندوستان کو جو نقصانات پہونچے ہیں ان کا صحیح
اندازہ تو مشکل ہو تاہم بطور تخمینہ حسب ذیل مدات کے نقصانات پیش کیے جا سکتے ہیں۔

شرح تبادلہ سے ہندوستان کو کیا کیا نقصانات ہوئے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہو ۱۸۷۳ء سے
چاندی کی قیمت گرنی شروع ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے اسی سال سے مطالبات انگلستان کی ادائگی میں بمقابلہ سابقہ

زیادہ رقم بھیجنی پڑتی تھی جس کا سلسلہ ۱۹۲۳ء تک قائم رہا جبکہ گورنمنٹ نے روپیہ کی شرح ۱۶ پنس مقرر کر کے چاندی کی ٹکسال کو پبلک کے واسطے بند کر دیا۔ اس زمانہ میں گورنمنٹ ہند کو ۴۴,۶۷,۹۱,۸۱,۲۳۲ پونڈ انگلستان کو ۱۸۶۶ء کی شرح سے ۳,۲۸,۱۹,۶۷,۸۰۰ روپے ہوتے تھے لیکن شرح تبادلہ کی ابتری کی وجہ سے واقعی طور پر ۴۱۵,۹۹,۲۲,۱۹۵ روپے انگلستان بھیجنے پڑے یعنی ان پچیس سالوں میں ہندوستان کو ۸۲,۷۸,۴۳,۳۱۵ روپے زیادہ دینے پڑے اس کے بعد اگرچہ گورنمنٹ کے نقصان میں کمی ہونے لگی تھی پھر بھی گورنمنٹ کے حساب سے اگلے دس سال کا نقصان ۴,۹۸,۱۵,۶۶۰ روپے دکھلایا گیا ہے۔

(۲) بہت بڑا نقصان ۲۱-۱۹۲۰ء میں ۲۴ پنس شرح تبادلہ برقرار رکھنے اور الٹی ونیز مہی ہنڈیاں فروخت کرنے کے سلسلہ میں گورنمنٹ کو ہوا جس کی مقدار ۳۵ کروڑ روپے کے قریب ہے اس کے بعد بھی دو تین مرتبہ شرح تبادلہ میں گڑبڑ ہونے کی وجہ سے ۸ کروڑ روپے کے قریب نقصان ہوا جن کا تفصیلی تذکرہ ان کے مقام پر کیا جا چکا ہے۔

(۳) اس زیادہ شرح تبادلہ سے غلہ کی قیمت کم ملنے کی وجہ سے کاشتکاروں کا نقصان ہوتا رہا ہے اس نقصان کا تخمینہ بہت مشکل ہے تاہم کانگریس کی سلیکٹ کمیٹی نے ۴ کروڑ پونڈ سالانہ برآمد کے مال کی قیمت لگا کر کیا ہے اور اس تخمینہ کو اگر صحیح مان لیا جائے تو ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء تک ۳ سال کے عرصہ میں ۱۵ کروڑ پونڈ کا غلہ گیا آجکل روپیہ کی واقعی قیمت ۵ یا ۶ پنس کے قریب ہے اور ۱۹۲۳ء میں جبکہ شرح ۱۴ پنس کے قریب تھی واقعی قیمت ۱۰ یا ۱۱ پنس ہو گی غرضکہ ۱۴ پنس شرح سے بھی واقعی قیمت ہمیشہ کم ہی رہی اور واقعی نقصان زیادہ ہی ہو گا مگر صرف ۲ پنس فی روپیہ کا نقصان رکھا جائے (یعنی ۱۶ پنس اور ۱۸ پنس کے فرق کے اعتبار سے) تو نقصان ۲۵ کروڑ روپیہ کا بیٹھتا ہے اور یہ تخمینہ بھی محض میزان تجارت سے لگایا گیا ہے حالانکہ کاشتکار کا نقصان میزان تجارت پر نہیں بلکہ پورے برآمد شدہ مال ہوتا ہے اس کے علاوہ بیرونی ممالک کے مال کی درآمد سے جو نفع ہوتا ہے اس سے بھی ہندوستان کو کچھ حقیقی فائدہ نہیں ہوتا پس خسارہ کی واقعی مقدار جو اس سلسلہ سے ہندوستان کو اٹھانا پڑا بیرون از قیاس و حساب ہے۔

(۴) زبردست نقصان یہ ہوا ہے کہ ہندوستان میں جو چاندی کے زیورات اور اسباب تھے ان کی قیمتیں خود ہندوستانی سکہ کے اعتبار سے کم رہ گئیں۔ ہندوستان میں صدہا سال سے مال و دولت قیمتی دھاتوں میں جمع کرنے کا رواج ہے اور غریب مزدور و کسان اپنی تھوڑی بہت پونجی زیادہ تر چاندی ہی میں رکھتے ہیں تاکہ آڑے وقت میں کام آسکے جب تک چاندی کی ٹکسال پبلک کے لیے کھلی ہوئی تھی ایک تولہ چاندی کی قیمت ایک روپیہ تھی قحط یا اور کسی مصیبت کے وقت چاندی کے زیورات وغیرہ پر ان کے وزن کے مطابق سکہ ملنے میں کچھ دقت نہ ہوتی تھی۔ لیکن جب سے گورنمنٹ نے چاندی کی ٹکسال بند کر کے روپیہ

کی قیمت کو مصنوعی طور پر بڑھا دیا چاندی اور روپیہ میں روز افزوں فرق ہوتا چلا گیا اور چاندی کے زیورات واسباب کی قیمت بھی کم ہوتی گئی۔ گورنمنٹ ہند کی پالیسی کی بدولت دنیا بھر میں چاندی کی مانگ کم ہوگئی (کیونکہ سنہ ۱۹۲۶ء سے جبکہ گورنمنٹ نے روپیہ کی شرح ۱ شلنگ ۶ پنس کردی تو اس شرح کو برقرار رکھنے کے لیے سکہ کی مسلسل کمی کرتی رہی حتیٰ کہ سکہ بنانے کے لیے چاندی کا خریدنا بھی بند کر دیا بلکہ خود گورنمنٹ چاندی بازار میں فروخت کرنے لگی نتیجہ یہ ہوا کہ چاندی کی قیمت اتنی اتر گئی کہ پچھلے زمانہ میں اس کی مثال بھی ملنی مشکل ہے اگرچہ اب محصول درآمد لگا کہ چاندی کی قیمت بڑھائی بھی گئی۔ مگر بے سود۔ کیونکہ گاہک ہی نہیں ہیں چنانچہ کچھ ہی دن کی تیزی کے بعد رخ پلٹ گیا اور نرخ پھر گرنے لگا۔

یہ نقصان روز بروز بڑھ رہا ہے اور اس قسم کا ہے جس سے لوگوں کی کمریں ٹوٹ گئی ہیں۔ اگرچہ اس کا اندازہ کرنا بھی بہت ہی مشکل ہے تاہم اوسط تخمینہ چاندی کے مال کا اگر تیس روپے فی کس رکھ لیا جاوے تو ہندوستان میں کل مال ... ا کروڑ روپے کا ہوگا جس کی مالیت میں سنہ ۱۸۹۹ء کے چاندی کے نرخ کے اعتبار سے .. ۵ کروڑ روپے کا خسارہ ہو چکا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۵) یہ نقصان ہو رہا ہے کہ روپیہ کی قیمت تو مصنوعی طور پر بڑھا دی گئی لیکن گورنمنٹ نے اپنے ٹیکس اور مطالبات روپیہ میں جوں کے توں ہی رکھے جو بیس بیس اور تیس تیس برس تک بحالہ قایم رہتے ہیں اور چونکہ کاشتکاروں کو جنس کے دام بہ نسبت پہلے کے کم ملنے لگے ہیں اور ان کو اپنے ذمگی مطالبات اور قرضے روپیہ ہی میں ادا کرنے پڑتے ہیں تو بیچاروں کو اپنا پیٹ کاٹ کر غلہ ہی زیادہ دینا پڑتا ہے۔

شرح تبادلہ سے گورنمنٹ کو کیا فائدہ ہوا | ہندوستانیوں کے اس قدر نقصانات کثیرہ ہو جانے کے بعد کہ ہندوستانی تجارت کو ۵۰ کروڑ روپیہ سالانہ دینا پڑتا ہے اور بدیشی مال کی قیمت میں ۱۲½ فیصدی کمی ہو جانے کی وجہ سے ہندوستانی مصنوعات کا ابھرنا مشکل ہے نیز غریبوں کی پونجی میں آدھے کا ٹوٹا آگیا اور خود گورنمنٹ کو بھی اپنے خزانہ کی چاندی سستی بیچ کر خسارہ اٹھانا پڑا گورنمنٹ کو فائدہ ہوا تو صرف یہ کہ انگلستان کے مطالبات کی ادائگی میں ۴-۵ کروڑ روپیہ سالانہ کی بچت ہو جاتی ہے۔

مگر بقول مسٹر کے۔ ٹی شاہ "ان تمام نقصانات برداشت کرنے کے بعد بھی صبر ہوتا اگر ہماری اس مشکل کی عقدہ کشائی جلد ہوتی نظر آتی۔ لیکن جب تک موجودہ طریقہ قایم ہے اس مرض کا علاج ہوتا نظر نہیں آتا۔ کیونکہ شرح تبادلہ کا معاملہ طے کرنے کے بعد برطانیہ کے مفاد کی خاطر تجارت اور کاروبار میں ہندوستان سے کثیر فائدہ اس طرح حاصل کرنے کا سلسلہ بند ہو جائے گا کہ فائدہ بھی ہو جائے اور کسی کو خبر بھی نہ ہو۔"

نتیجہ | ان تمام واقعات پر غور کرنے کے بعد نتیجہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ چارہ کار یہ ہے کہ ہندوستان میں صنعتی

قیمت کے سکہ کو منسوخ کرکے پوری قیمت کا سکہ چلانا چاہیئے اور چونکہ بہت سے دوسرے ممالک میں سونے کے سکہ کا چلن ہے اس لیئے ہندوستان میں بھی سونے کا سکہ چلنا چاہیئے جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ گورنمنٹ ہندوستان میں سونے کی ٹکسال کھولدے اور پبلک کو معمولی اجرت لیکر اس میں اشرفی مسکوک کرانے کی اجازت دیدے جس میں نہ تو گورنمنٹ کا کچھ خرچ ہوگا اور نہ پبلک کو کچھ دقت ہوگی۔

لیکن یہ کہا جائے گا کہ آج کل کے غیر معمولی حالات میں کہ سونا روز بروز عنقا ہو رہا ہے اور بیرونی ممالک کے بڑھے ہوئے نرخوں کی بدولت خود ہندوستان سے سونا کھنچا چلا جا رہا ہے یہ ناممکن ہے کہ گورنمنٹ انگلستان کو ایسے نازک وقت اور پریشان حالت میں اور پریشان کیا جائے تو دوسرا چارہ کار یہ ہے کہ معیار طلا کا خیال ترک کرکے بین الاقوامی معاہدہ کی بنا پر چاندی اور سونے کی قیمت مناسب مقرر کی جائے اور ہندوستان میں پوری قیمت کا چاندی کا سکہ چلایا جائے اور بین الاقوامی تجارتی معاہدات میں اختیار رہے کہ مختلف ممالک اپنے مال کی قیمت کے بھگتان کا معاملہ خواہ چاندی خواہ سونے میں جس دھات میں چاہیں کریں البتہ ان کی قیمت متناسبہ مقرر رہے۔

اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو تیسری صورت یہ ہے کہ ہندوستان کے سکہ یعنی روپیہ کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور گورنمنٹ اس میں کسی طرح کی مداخلت نہ کرے تو اُمید ہے کہ روپیہ بین الاقوامی تجارت میں اپنی ایک قیمت حاصل کرلے گا اور اس کی قیمت گھٹ کر اس کے ہموزن چاندی کی قیمت کے مساوی بھی ہو جائے تو گورنمنٹ اس کو اتنی ہی رہنے دے اور پبلک کے لیئے چاندی کی ٹکسال کھول دے۔

غرضکہ ہندوستان کی شرح تبادلہ کے جملہ مصائب کا علاج واحد پوری قیمت کے سکہ کا چلن اور ٹکسال کا پبلک کے لیئے کھلنا ہے خواہ وہ سونے کا ہو یا چاندی کا یا دونوں سکے ہوں جن کی متناسبہ قیمت مقرر ہو۔
بجز اس کے ہندوستان کی یہ مشکل حل نہیں ہوسکتی۔ فقط

اس رسالے کے متعلق ایڈیٹر ذوالقرنین کی رائے

گزشتہ ستمبر میں جبکہ پونڈ کی قیمت گرنا شروع ہوئی تھی لیبر گورنمنٹ کو توڑ کر انگلستان میں قومی حکومت قایم ہوئی تھی ایک دن کے اندر پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کر دیا تھا کہ انگلستان کا شاہی بنک ایک مقررہ نرخ پر سونا فروخت کرنے کے لیے مجبور نہ ہوگا اور اسی مقصد کی تائید میں ہز ایکسیلنسی وائسرائے ہند نے ہندوستان کیلیے آرڈیننس نافذ کیا اور جس کے نافذ ہونے پر خزانے بنکس تین روز کے لیے بالکل بند ہو گئے تھے اور سونے کا بھاؤ بازاروں میں ایک دم چڑھ گیا تھا بمبئی اور کلکتہ میں تو یہاں تک پریشانی بڑھ گئی ہے کہ عوام نے بنکوں سے روپیہ نکلوانا شروع کر دیا تھا۔ اس بے چینی کو دیکھ کر عوام کی اطلاع کیلیے یہ اعلان کرنا پڑا تھا کہ تین دن کی تعطیل سے جو غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے وہ بے بنیاد ہے کیونکہ اس تعطیل سے گورنمنٹ کا یہ مقصد تھا کہ غیر ممالک کے تبادلہ سکہ کے کاروبار کو دوبارہ خاموشی اور اعتماد کی فضا میں قایم کرے اور اس سرکاری اعلان میں عوام کو یہ بھی سمجھایا گیا تھا کہ اندرون ملک کی مالی حالت بالکل مستحکم ہے اور اس کے متعلق تردد اور پریشانی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ یہ پریشانی اور بے چینی ملک میں کیوں پیدا ہوئی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہندوستانی پبلک میں اقتصادی مسائل کو سمجھنے کی قابلیت نہیں۔ عوام تو عوام قانونی مجالس کے بہت سے اراکین بھی اقتصادی اور مالی مسائل پر عبور نہیں رکھتے۔ اس زمانہ میں اردو اخباروں میں مختصر طور پر ماہرین اقتصادیات نے کچھ مضمون لکھے جس میں یہ بتایا گیا کہ روپیہ کی قیمت گولڈ اسٹرلنگ کی بجائے پیپر اسٹرلنگ کے ساتھ وابستہ کرنے سے کیا فائدہ ہے اور روپیہ کی قیمت ۱۸ پنس ہو یا ۱۶ پنس۔ لیکن یہ ایک ایسا گورکھ دھندا ہے کہ مختصر مضامین میں اس کے معمہ کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضرورت کو مدنظر رکھ کر راقم الحروف کی درخواست پر مولوی سید محمد احمد کاظمی بی۔ ایس۔ سی۔ علیگ ایڈوکیٹ سہارنپور نے جنہوں نے اس مسئلہ کو نہایت غور سے مطالعہ کیا ہے سکہ اور شرح تبادلہ کے عنوان سے ذوالقرنین میں ایک سلسلہ مضامین لکھنا شروع کیا۔ اس سلسلہ کا پہلا مضمون ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء کے ذوالقرنین میں چھپا جس کی قسطیں ۱۹۳۱ء کے آخر تک شایع ہوئیں لیکن مضمون کا سلسلہ اتنا طویل ہو گیا تھا کہ اگر اس کو اخبار میں جاری رکھا جاتا تو عرصہ تک ناظرین کو انتظار کرنا پڑتا اس لیے کارکنان نظامی پریس نے ان مضامین کو ایک رسالہ کی صورت میں چھاپنا مناسب سمجھا یہ رسالہ آج آپ کے ہاتھوں میں پہنچتا ہے۔ میری رائے میں اس رسالہ کا مطالعہ ہر شخص کیلیے جو ملک کی اقتصادی حالت یہاں کی تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی سے دلچسپی رکھتا ہے۔ بالخصوص اس طبقہ کو جس کو قانونی مجالس میں عوام کی نمائندگی کا فخر حاصل ہے اور جس کی رائے کو ملک کی آمدنی اور خرچ کی میزانیہ مرتب کرنے میں اور پبلک پر ٹیکس لگانے میں دخل ہے مطالعہ ضروری ہے۔ اس رسالہ کے صفحات میں وہ تمام اہم اور پیچیدہ مسائل جو بڑی بڑی ضخیم انگریزی کتابوں میں درج ہیں اردو زبان میں لکھے گئے ہیں۔ اسلوب بیان اس قدر سلیس اور سادہ ہے کہ معمولی اردو داں بھی اس کتاب کے مطالعہ سے ان مسائل پر عبور حاصل کر سکتا ہے امید ہے کہ کاظمی صاحب کی یہ کوشش اردو داں پبلک کی نظر میں مقبول ثابت ہوگی

نظامی بدایونی
[illegible]

حکومت خود اختیاری

اور

ہندو مسلم مسئلہ کا حل

مصنفہ مولانا سید طفیل احمد علیگ ایم ایل سی

اس کتاب میں تمام ان سیاسی مسائل سے بحث کی گئی ہے جن کا تعلق ہندوستان کی موجودہ سیاسی حالت اور آئندہ ترقی سے ہے

طرز بیان نہایت سنجیدہ اور دلچسپ ہے

مدلل طریقے سے دکھایا گیا ہے کہ موجودہ نظام سلطنت سے صنعت و تجارت اور ہر شعبۂ زندگی میں

ہندوستان کو گزشتہ دو سو سال میں کس قدر نقصان پہونچا ہے

اور یہاں کی کس قدر کثیر دولت ممالک غیر کو گئی اور جا رہی ہے اس کی تائید میں جا بجا انگریز مدبرین اور مورخین کے اقوال اور تحریریں درج ہیں

ہندو مسلم مسئلہ کا حل نہایت خوبی سے کیا گیا ہے

دونوں قوموں کے یہ امر ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے کہ اُن کی اور ان کی آئندہ نسلوں اور خاندانوں کی زندگی اور خوشحالی کا انحصار اس امر پر ہے کہ متفق الرائے ہو کر جلد سے جلد حکومت خود اختیاری حاصل کریں

گول میز کانفرنس کی کمیٹیوں میں جو مسائل پیش ہو رہے ہیں ان کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے

اردو ایڈیشن ۲۰ × ۲۶/۸ سائز ۳۲۸ صفحات قیمت عہ محصول ڈاک
انگریزی ایڈیشن ۲۰ × ۲۶/۸ سائز ۱۱۰ قیمت عہ } ذمہ خریدار

ملنے کا پتہ

منیجر نظامی پریس بدایوں یوپی